مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطباتِ علی میاں رحمۃ اللہ علیہ

جمع و ترتیب

مولوی محمد رمضان میاں صاحب
جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی

اردو بازار ○ ایم۔اے جناح روڈ ○ کراچی ۱
www.ahlehaq.org

خطباتِ علی میاں

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطباتِ علی میاں رحمۃ اللہ علیہ

جلد ہشتم

یادِ رفتگان، سیرت و سنت، تاریخ اسلام

جمع و ترتیب:
مولوی محمد رمضان میاں نیپالی
جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

طباعت : اکتوبر ۲۰۰۲ء علمی گرافکس پرنٹنگ پریس، کراچی۔

ضخامت : 368 صفحات

......ملنے کے پتے......

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
کشمیر بکڈپو۔ چنیوٹ بازار فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور
ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی

مکتبة الحرمین، مدرسة الحرمین للت پور (کاٹھمنڈو) نیپال

حاجی بک شاپ نیپالی جامع مسجد، دربار مارگ، کاٹھمنڈو

دارالعلوم ہدایت الاسلام، انروا بازار، سنسری، نیپال

فہرست عنوانات

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

انتساب

میں اپنی اس کاوش کا انتساب اپنے والدین دامت برکاتہما کی جانب کرتا ہوں۔ یقیناً یہ میرے لئے انتہائی سعادت مندی کا باعث ہے۔

جی ہاں! والدین کا وجود باسعود ہر اولاد کی ہر خوشی منتہائے مقصود ہے!

محمد رمضان نیپالی

خطبات کی اہمیت

قال رسول الله ﷺ :

علیکم بمجالسة العلماء واستماع کلام الحکماء ، فان الله تعالیٰ یحی القلب المیت بنور الحکمة کما یحی الارض المیتة بماء المطر۔ (الحدیث)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

اہل علم کی ہم نشینی اور اہل حکمت کا کلام سننے کو خود پر لازم کر لو، اس لئے کہ حق تعالیٰ جل شانہ قلبِ مردہ کو نورِ حکمت سے ایسے زندہ فرماتے ہیں جیسے مردہ زمین کو بارش کے پانی سے۔

بحوالہ منبہات ابن حجر عسقلانیؒ

عرض مرتب

اللہ رب العالمین کا صد شکر ہے کہ بندہ خطبات علی میاںؒ کی آٹھویں جلد بھی آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے، یہ جلد انشاء اللہ تاریخ، سیرت وسنت اور یادرفتگان سے متعلق تقاریر پر مشتمل ہوگی۔

اس سے پہلے کی تمام جلدوں میں آپ نے حضرت علی میاںؒ کی تقاریر کو پڑھا ہوگا، یقیناً آپ اندازہ لگا چکے ہونگے کہ حضرت کس پایہ کے عالم دین تھے اور ان کی تقاریر میں ملت کا کتنا درد چھپا ہوا تھا، اسی درد کو لے کر آپؒ دنیا کے گوشے گوشے میں گئے اور انسانیت کو صراطِ مستقیم کا راستہ دکھایا، آج حضرت علی میاں رحمہ اللہ اپنی قوم وملت، اپنے چاہنے والوں اور اپنے قدردانوں سے جدا ہوگئے ہیں لیکن اپنے پیچھے آنے والی نسلوں کے لئے اپنی خصوصیات وصفات کے روشن نقوش چھوڑ گئے ہیں، جن کو قائم رکھنا اور آگے بڑھانا ان کے قدردانوں کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں ہماری اجتماعی وانفرادی بھلائی مضمر ہے۔

آخر میں اپنے ان تمام احباب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے ابتدا سے لیکر آخر تک میری بھرپور معاونت کی، اللہ تعالیٰ ان تمام دوست واحباب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔

علاوہ ازیں جملہ قارئین سے التماس ہے کہ اپنی دعاؤں میں اس ناکارہ اور اس کے والدین اساتذہ اور تمام معاونین کو یاد رکھیں۔

اور آپ کی نظروں سے کوئی غلطی گزرے تو برائے شفقت اس ناکارہ کو مطلع کردیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جاسکے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت علی میاں رحمہ اللہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

والسلام

محمد رمضان میاں نیپالی

خلیج کی جنگ......کیا کھویا کیا پایا

وہ اہم مقالہ جو قاہرہ، مصر میں منعقد ہونے والی اس کانفرس کے لئے لکھا گیا جو شئون اسلامیہ کی مجلس اعلی اور وزارت اوقاف حکومت مصر نے اپریل ۱۹۹۱ء کی ۲۵/۲۶/۲۷ تاریخوں میں بلائی تھی اور جس میں خلیج کی جنگ اور اس سے پیدا شدہ حالات ونتائج کا حقیقت پسندانہ اور منصفانہ جائزہ لیا گیا ہے اور مسلم قیادتوں اور ذمہ داروں کو دیانتدارانہ وجرأت مندانہ مشورہ دیا گیا ہے

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمد اعبده ورسوله الذى ارسله الله تعالى بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجامنيرا O

چند سبق جن سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، چند خامیاں جن کا دور کرنا ضروری ہے۔

حضرات! ''خلیجی جنگ کے بعد امت اسلامیہ کا مستقبل'' کے موضع پر منعقد ہونے والا یہ اجتماع بروقت بھی ہے اور برمحل بھی، بروقت اس لئے کہ یہ بے سبب اور لاحاصل جنگ ابھی ختم ہوئی ہے، اس کے اسرار کھل رہے ہیں اور نتائج سامنے آرہے ہیں نہ تو اس کا کوئی جائز اور معقول سبب تھا نہ اس کے ممکنہ نتائج وعواقب کو سامنے رکھا گیا تھا اس کو ایک مجنونانہ جست حصول قیادت وعظمت کا جنون یا جنگی دماغی دورہ (Hysteria) ہی قرار دیا جا سکتا ہے، اور شخصی وانفرادی قیادتوں، سطوت واقتدار کے جذبے، بڑے ہوئے شوق اور نخوت وغرور کے مظاہروں کی تاریخ میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں، اس طرح کے قائدین کی فہرست پیش کر کے اور ان کے زمان ومکان کی تفصیلات بیان کر کے اس محترم وموثر مجلس پر چھائی ہوئی سنجیدگی اور شائستگی کو نہ مجروح کرنا چاہتا ہوں اور نہ معزز حاضرین کی کبیدگی خاطر کا سبب بننا چاہتا ہوں اور

جن میں عالم عربی و اسلامی کے قابل احترام علماء اور اصحاب فکر و نظر، سیاست و انتظامیہ کے ممتاز ترین افراد شامل ہیں بڑے افسوس اور معذرت کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اسلام کی شاندار اور طویل تاریخ بھی اس طرح کے مہم جو افراد سے بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اس طرح کے سیاسی قمار بازوں سے خالی نہیں رہی۔ حالانکہ اسلام کے پاکیزہ پیغام، اس کی حکیمانہ تعلیمات اس کے عظیم مقاصد اور بلند معیار کی روشنی میں بجا طور پر توقع کی جاسکتی تھی کہ اسلامی تاریخ اس طرح کی نامناسب مثالوں اور فاسد نمونوں سے خالی ہو، لیکن انسانی فطرت اپنا کام کرتی ہے، وہ ظاہر ہو کر رہتی ہے، خاص طور سے ایسی صورت میں جہاں صحیح طاقتور اور مؤثر تربیت کا فقدان ہو، یا اجتماعی و دینی احتساب کا شعور و احسان نہ ہو، یا ''ربّ العالمین'' و ''ارحم الراحمین'' خالق کائنات پر ایمان رکھنے والا قلب و ضمیر موجود نہ ہو اور آخرت کا خوف نہ ہو، جہاں ہر انسان سے اس کے اعمال کا حساب لیا جائے گا خواہ اس کا مرتبہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اور اس کا دائرہ اثر و نفوذ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو۔

اسلام سب سے عظیم نمایا دین

بہر حال اب جنگ کے بادل چھٹ گئے ہیں اور ہیجانی و ہنگامہ خیز مرحلہ ختم ہو چکا ہے جس میں زیادہ دنوں تک باقی رہنے کی صلاحیت بھی نہیں تھی، نہ دینی اعتبار سے، نہ اصولی حیثیت سے اور نہ عقل اور حقیقت پسندی کی رو سے اور اب اگرچہ حالات اپنی راہ پر آگئے ہیں اور حقدار کو حق مل گیا ہے لیکن دعوت اسلامی اور تحریک ''پیام انسانیت'' کے ایک کارکن کی حیثیت سے وہ بھی ہندوستان جیسے حساس ملک اور نازک و پیچیدہ حالات میں جہاں اکثر فرقہ وارانہ فسادات ہوتے رہتے ہیں اور انسانی جانیں ضائع ہوتی رہتی ہیں، یہ کہتے ہوئے میرا دل رنج و غم سے بھرا ہوا ہے اور کلیجہ پھٹ جا رہا ہے کہ اس جنگ نے اسلام کی شہرت کو سخت نقصان پہنچایا ہے اسلام ہی سب سے عظیم و نمایاں دین ہے جو انسانیت کے احترام اور جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی دعوت دیتا ہے، ایسے معبود پر ایمان رکھتا ہے، جو ''ربُّ العالمین'' ہے اور ایسے نبی کا پیرو اور امتی ہے جو ''رحمۃ للعالمین'' ہیں، ایسے دین کی شہرت و عظمت کو اس جنگ نے اتنا نقصان پہنچایا ہے کہ تاریخ میں ایک مدت سے اس کی مثال نہیں ملتی تاریخ کے ایک طالب علم

اور مصنف کی حیثیت سے اور ہندوستان میں ''تحریک پیام انسانیت'' کے ایک داعی کی حیثیت سے یہ بات میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ رہا ہوں، پیام انسانیت کی تحریک کو اللہ کا شکر ہے، ہندوستان میں توقع سے زیادہ کامیابی ملی ہے، وہ غیر مسلم اکثریت کے تعلیم یافتہ اور صاحب فکر و دانش رہنماؤں کی تائید اور ان کا اعتراف کرنے میں کامیاب رہی ہے اس تحریک کے رہنماؤں نے غیر مسلم دانشوروں اور قائدین کے تعاون کے ساتھ جو اجتماعات منعقد کئے ہیں وہ بہت کامیاب رہے ہیں اور ملک کے مختلف طبقات کے ممتاز ترین لوگ ان میں شریک ہوئے اور متاثر ہوئے ہیں اور لیکن عراق کے ظالمانہ اقدام نے اس تحریک کی راہ میں مشکلات پیدا کردیئں، کویت پر عراق کا حملہ قزاقی کے علاوہ کچھ نہیں تھا، اس میں دینی وحدت واشتراک کا ذرا بھی خیال نہیں رکھا گیا، مال و دولت کے علاوہ بے شمار جانیں ضائع ہوئیں، عزتیں پامال کی گئیں، احسانات کی ناشکری ہوئی اور ذلت و بدکرداری کی آخری حدیں پار کرلی گئیں، جس سے برصغیر کے مسلمانوں کے سر شرم سے جھک گئے، پیشانی عرق آلود ہوگئی اور برادران وطن کو امن وآشتی کی دعوت کے لئے اب زبان کھولنی مشکل ہے، اگر ہمارے غیر مسلم برادران وطن خلیجی جنگ اور کویت جیسے اسلامی اور امن پسند ملک کے ساتھ عراق کے طرز عمل کی طرف اشارہ کریں یا مسلمان کردوں کے ساتھ عراقی حکام کے رویہ کا تذکرہ کریں، جنہوں نے کسی زمانہ میں سلطان سلاح الدین ایوبی جیسے بطل جلیل کو پیدا کیا اور وہ کہیں کہ جناب ہمیں احترام انسانیت کی دعوت دینے سے پہلے ذرا اپنے گھر کی، اپنے ہم مذہب لوگوں کی خبر لیں، اور مسلمانوں کی ''مثالی قوم'' کو دیکھیں تو ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

محترم حضرات! جنگ کے بادل اگرچہ چھٹ چکے ہیں اور یہ منحوس مرحلہ اگرچہ ختم ہو چکا ہے، پھر بھی امت اسلامیہ کے حال و مستقبل کی فکر رکھنے والے مصلحین و مفکرین کو یہ جنگ اور اس کے دوران پیش آنے والے واقعات وحالات، چند حقائق کی طرف پوری قوت کے ساتھ متوجہ کررہے ہیں، جو اس مدت میں واضح ہو کر سامنے آگئے ہیں بلکہ ان احوال و کوائف نے ہر سنجیدہ و باشعور، اس امت کی فکر رکھنے والے اور تجربات سے فائدہ اٹھانے والے مسلمانوں کی انگلی، اس امت میں موجود کمزوریوں اور اس کی صفوں میں موجود شگافوں (Gaps) پر رکھ دی ہے، بلکہ اس جنگ نے اس سے بھی زیادہ خطرناک دوررس اور امت کے مستقبل پر اثر انداز

ہونے والی خامیوں کو آئینہ کردیا ہے، جو نوجوانوں صحافت، ودیگر ذرائع ابلاغ، اور بہت سی اسلامی تحریکات کے طرز فکر اور ان کے ذہن وشعور میں گھر کرگئی ہیں، ان کا......... خاص طور سے اس مؤثر مجلس ہیں.......... اخلاقی جرأت کے ساتھ جائزہ لینا، قوت ووضاحت کے ساتھ بیان کرنا اور مکمل غیر جانبداری کے ساتھ اپنا اور دینی بھائیوں کا محاسبہ کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یایھاالذین امنو کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ و لو علی انفسکم او الوالدین والا قربین (النساء۔۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دیے والے بنے رہو چاہے وہ تمہارے یا تمہارے والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی ہو۔

لیکن ہم ان غیر خوش کن حقائق اور امت اسلامیہ کی (جس میں عرب مسلمان بھی شامل ہیں) موجودہ زندگی میں موجود قابل تشویش خلا پر گفتگو سے پہلے اس امر پر قدرے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں کہ یہ کانفرنس جس طرح بروقت ہورہی ہے اسی طرح صحیح اور مناسب ترین جگہ میں منعقد ہورہی ہے، اللہ نے مصر کیلئے یہ مقدر کردیا ہے اور اس کو یہ شرف بخشا ہے کہ انتہائی نازک اور خطرناک گھڑی میں اور جیسا کہ قرآن میں آیا ہے:۔

اذا بلغت التراقیo وقیل من راق o

اور جب جان حلق میں جا اٹکے اور جھاڑ پھونک کرنے والوں کی تلاش ہونے لگے۔

ایسے وقت میں اسلام کی عزت وشرف اور مقدسات اسلامیہ کی حفاظت کے لئے فیصلہ کن اور قائدانہ کردار ادا کرے، کم از کم تاریخ میں دو بار ضرور ایسا ہوا ہے جن کی طرف مختصراً اشارہ کرنا ضروری ہے۔

پہلا موقع تو وہ ہے جب کہ یورپ کے صلیبی عیسائی اپنے بادشاہوں، فوجی سرداروں اور پرجوش اور سرفروش سپاہیوں کے ساتھ اور بے نظیر عزم وارادہ کے ساتھ عالم اسلام پر ٹوٹ پڑے، ان کے عزائم یہ تھے کہ جزیرۂ عرب اور حرمین شریفین پر قبضہ کرلیں، وہاں سے اسلام کے آثار ونشانات مٹادیں، اور ان مقدسات کی توہین کے مرتکب ہوں جن پر مسلمان اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزت اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک قربان کرنے پر تیار رہتے ہیں اس

حملہ اور اس کی وجہ سے عالم اسلام کو لاحق خطرات کے سلسلہ میں ہم ایک صاحب اختصاص مغربی مصنف اسٹینلے لین پول، (STANLEY LANEPOOLE) کی شہادت پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں، وہ اپنی مشہور کتاب ''صلاح الدین'' (SALADIN) میں لکھتا ہے:۔

''صلیبی سپاہی ملک میں اس طرح گھسے جیسے کوئی پرانی لکڑی میں پچڑ ٹھونکے تھوڑی دیر کو یہی معلوم ہونے لگا کہ درخت اسلام کے تنے کو چیر کر اس کی چھپٹیاں اڑا دیں گے۔

اس موقع پر علیم و قدیر کارساز عالم کا یہ فیصلہ سامنے آیا کہ مسلمانوں کو قبلۂ اول ''بیت المقدس'' نوے سال صلیبیوں کے قبضہ میں رہنے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں رجب ۵۸۳ھ (۱۱۸۷ء) میں اسلام اور مسلمانوں کو واپس ملے۔

صلاح الدین، الملک العادل نورالدین زنگی کے سپہ سالار اور ان کی طرف سے مصر کے حاکم تھے اس طرح اس عظیم کارنامہ اور شاندار فتح کے ساتھ مصر کا نام ہمیشہ کے لئے وابستہ ہو گیا اور یہ فضیلت صلاح الدین کی صورت میں مصری قیادت کے حصہ میں آئی ظاہر ہے کہ اس نے اللہ کی مدد کے ساتھ مصر کے بہادر مسلمان مجاہدین کے ذریعہ یہ کارنامہ انجام دیا، لین پول لکھتا ہے:۔

''نورالدین سلطان شام کے سپہ سالار (صلاح الدین) کا رودِ نیل پر قابض ہو جانا یہ معنی رکھتا تھا کہ یروشلم کی مسیحی سلطنت ایک چری ہوئی لکڑی کے بیچ میں آ گئی تھی، وہ دونوں طرف سے دب رہی تھی، اور دونوں طرف جو چیز اسے بھینچ رہی تھی، وہ ایک ہی طاقت کے دو لشکر تھے، دُمیاط اور اسکندریہ کی بندرگاہوں پر قابض ہو جانے سے مسلمانوں کا قبضہ ایک بحری بیڑے پر بھی ہو گیا اور انہوں نے مصر کے صلیبیوں کا تعلق یورپ سے منقطع کر دیا۔

سلطان سلاح الدین خود اس کا اعتراف کرتے تھے کہ اس کارنامہ میں مصر کا اہم حصہ ہے، ایک مرتبہ انہوں نے کہا:۔

''جب خدا نے مجھے مصر دیا تو میں سمجھا کہ فلسطین بھی اللہ کو مجھے دینا منظور ہے۔

ایک تاریخی المیہ

دوسرا موقع ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام پر تاتاری یورش کا ہے، یہ یورش عالم اسلام

کے لئے ایک بلائے عظیم تھی جس سے دنیائے اسلام کی چولیں ہل گئیں، مسلمان مبہوت و ششدر تھے، ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہراس اور یاس کا عالم طاری تھا، تاتاریوں کوایک بلائے بے درماں سمجھا جاتا تھا، ان کا مقابلہ ناممکن اوران کی شکست نا قابل قیاس سمجھی جاتی تھی، یہاں تک کہ ضرب المثل کے طور پر یہ فقرہ مشہور تھا۔ ''اذا قیل لک ان التتر انھزموا فلا تصدق'' (اگر تم سے کہا جائے کہ تاتاریوں کوشکست ہوئی ہے تو یقین نہ کرنا۔)

میرے بھائیوں، دوستوں اس نازک موقع پر جو صلیبی حملوں سے بھی زیادہ خطرناک تھا مسلمان بادشاہ، حکومتیں، اور قیادتیں تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سامنے نہیں آئیں، انہوں نے تاتاریوں غلبہ واستیلاء کو تقدیر کا فیصلہ اور عذاب الٰہی سمجھ رکھا تھا اس موقع پر ایک بار پھر مصر سامنے آیا اور تاتاریوں کے مقابلہ اور شکست دینے میں سبقت حاصل کی مصر کے حاکم الملک المظفر سیف الدین قطز اور اس کی بہادر مصری مسلمان فوجوں کو یہ شرف حاصل ہوا کہ تاتاریوں سے شکست نہ کھانے کا مقولہ غلط ثابت کردیں مؤرخین لکھتے ہیں:۔

''شام کے قبضہ کے بعد تاتاریوں کا رخ قدرتی طور پر مصر کی طرف تھا۔ اور وہی تنہا اسلامی ملک تھا جوان کی غارتگری سے بچا ہوا تھا، سلطان مصر الملک المظفر سیف الدین قطز کومعلوم تھا کہ اب مصر کی باری ہے اور تاتاریوں کی چڑھائی کے بعد ملک کی حفاظت مشکل ہے، اس لئے مناسب سمجھا کہ وہ مصر میں مدافعت کرنے کے بجائے آگے بڑھ کر شام میں تاتاریوں پر خود حملہ کرے چنانچہ ۲۵ رمضان المبارک ۶۵۸ھ کو عین جالوت کے مقام پر تاتاریوں اور مصر کی اسلامی فوج میں مقابلہ ہوا اور سابق تجربوں کے بالکل خلاف تاتاریوں کوشکست فاش ہوئی وہ بری طرح بھاگے، مصریوں نے ان کا تعاقب کیا اور بڑی تعداد میں گرفتار کیا۔

علامہ سیوطی ''تاریخ الخلفاء'' میں لکھتے ہیں:۔

''تاتاریوں کو شرمناک ہزیمت ہوئی اور خدا کے فضل وکرم سے مسلمانوں نے ان پر فتح پائی، تاتاریوں کا قتل عام ہوا اور وہ اس طرح سراسیمہ ہو کر بھاگے کہ لوگوں کی ہمتیں بڑھ گئیں، وہ آسانی سے ان کو پکڑ لیتے تھے، اور لوٹتے تھے

عین جالوت کے معرکہ کے بعد سلطان الملک الظاہر بیبرس نے متعدد بار تاتاریوں کوشکست

دی اور سارے ملک شام سے ان کو بے دخل کر دیا اور اس طرح وہ کہاوت غلط ثابت ہوئی کہ تاتاریوں کی شکست ممکن نہیں۔

ان دو غیر معمولی مثالوں کی روشنی میں مصر کو اسلامی تاریخ میں اپنے کارناموں اور خدمات پر فخر کا حق حاصل ہے اس کو اللہ کی تائید و نصرت اور مقدس و نازک فریضہ کے لئے انتخاب پر بارگاہ الٰہی میں شکر گذار ہونا چاہئے، اسلام اور مقدسات اسلامیہ کے تحفظ میں مصر کی شاندار اور قابل فخر تاریخ کا تقاضا ہے کہ اس دور میں بھی اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے سامنے آئے، قائدانہ کردار ادا کرے۔ اور اپنے ترکش کے تیروں۔ مثبت اور تعمیری تیروں کو سامنے لائے مصر کو قدیم زمانہ سے ''کنانۃ الاسلام'' اسلام کا ترکش کہا گیا ہے، اور اسلام کے ترکش کے تیر نہ کبھی ختم ہوتے ہیں نہ نشانہ خطا کرتے ہیں، آج کے نازک دور میں ''کنانۃ الاسلام'' سے جو تیر مطلوب ہے، اور اس ملک سے جس کردار و عمل کا انتظار ہے وہ ہے نئے حقائق کا شعور و ادارک اور ان کا اعتراف و اظہار، کویت پر عراق کے ظالمانہ حملہ، صدام حسین کے غیر عاقلانہ اور مغرورانہ طرز عمل اور عرب اور دیگر مسلمان اقوام کے ردعمل کے نتیجہ میں بہت سے نئے حقائق سامنے آئے ہیں، امت اسلامیہ، اسلامی تنظیموں اور مسلم صحافت کے ذہن اور طرز فکر میں بہت سی خامیوں اور دراڑوں سے پردہ ہٹ گیا ہے۔

محترم حضرات!...... یہاں میں عام مسلمانوں کے طرز فکر، ملک کی صحافت و ذرائع ابلاغ یا زیادہ وسیع اور واضح الفاظ میں ان کی زندگی میں موجود خاموں اور ان کے علاج، امت کی صفوں میں پڑنے والی دراڑ اور ان کے پر کرنے اور قرآن و حدیث اور تاریخ انسانی کی شہادتوں کی روشنی میں امت کے مستقبل پر مرتب ہونے والے خراب و خطرناک نتائج و عواقب سے محفوظ رکھنے کے اصولوں کی طرف امت کا ذہن بنانے والے تعلیم و تربیت کے ذمہ داروں صحافیوں دعوت اسلامی اور ''صحوۂ اسلامیہ'' کی خدمت انجام دینے والوں کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

ا۔ عام مسلمانوں، خاص طور سے نوجوانوں کی ایک اہم کمزوری جو اس جنگ کے دوران بہت نمایاں ہو کر سامنے آئی ہے وہ ہے پرجوش نعروں، بلند بانگ دعووں اور سحر انگیز وعدوں سے فریب کھانے کا مزاج یا مستقل صلاحیت ہے، اس سلسلہ میں عام مسلمان نہ تو نعرہ لگانے

والوں کے افکار وعقائد دیکھتے ہیں، نہ ان کے ماضی کا جائز لیتے ہیں، نہ ان سے سیاسی وفکری تحریکات اوران کے فکروفلسفہ اور مقاصد واعمال کو دیکھتے ہیں جن سے یہ نعرہ لگانے والے پوری طرح مربوط وہم آہنگ ہوتے ہیں خاص طور سے اگر یہ نعرے اورڈینگیں کسی بڑی طاقت کو چیلنج کرتی ہوں اور ڈینگیں مارنے والے جرأت وحوصلہ مندی کا مظاہرہ کریں تو عام مسلمان اور خاص طور سے نوجوان شدید تأثر، جذباتی ابال اورایک طرح کے دماغی دورہ (HYSTERIA) کاشکار ہوجاتے ہیں جس کوکسی طرح قابو میں نہیں لایا جاسکتا ایسی صورت میں نہ دینی احکام و مصالح کا پاس ولحاظ ہوتا ہے، نہ علمی تنقید وتحلیل اور نہ حالات وحقائق کا اور نہ حالات وحقائق کا دیانتدارانہ اورغیر جانبدارانہ تجزیہ ہی کچھ مفید ثابت ہوتا ہے، بلکہ کھولتی ہوئی ہانڈی کی طرح جذبات میں ابال آجاتا ہے جو اکثر دین، عقائد اور شعائر اسلام سے اعراض بلکہ ان کی اہانت تک پہنچادیتا ہے اور دین کے نمائندہ علماء اور اصحاب اختصاص تو سب سے پہلے زد میں آتے ہیں، اس طرح کے جذبات کی رو میں بے سوچے سمجھے بہہ جانے والوں کی بلیغ ترین صفت سیدنا علی بن ابی طالبؓ نے ایک جملہ میں بیان فرمائی ہے، جن کو اس صورت حال کا بار بار سامنا کرنا پڑا تھا اور جنہیں دوسرے ائمۂ اسلام کے مقابلہ میں اس طرح کے حالات سے زیادہ سابقہ پڑا تھا، آپ نے اہل عراق کے بارے میں فرمایا تھا: ''اتباع کلّ ناعقٍ'' (ہرزور سے بولنے والے کے پیچھے بھاگنے والے ہیں۔)

لہذاامت کے مختلف طبقوں میں یہاں تک کہ دیندار اور تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی ضرورت اس بات کی ہے صحیح دینی، سماجی اور سیاسی شعور پیدا کیا جائے، نیک وبد کو سمجھنے کی صلاحیت کو تقویت پہونچائی جائے، نئے مسائل پر غور کرنے، ان کی گہرائیوں تک اترنے اور ان کے نتائج و عواقب کا صحیح اندازہ لگانے کی قوت میں جلا پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اوران کو صفائی اور صراحت کے ساتھ بتلایا جائے کہ عقائد وافکار کے اصل اور صحیح ماخذ کون سے ہیں اور قوت ونشاط کے حقیقی چشمے کہاں ہیں۔

مسلم عوام کو اس بات کی طرف دعوت دینے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے زمانہ کو سمجھیں، زمانہ کے مشکلات ومسائل اس میں جاری وساری رجحانات، تحریکوں، اسلام کے بارے میں ان کے رویہ زندگی پر مرتب ہونے والے ان کے اثرات، دین کے مستقبل کے لئے ان سے لاحق

خطرات اور نئی مسلم نسل کے ذہن پر پڑنے والے سایوں کو ذہن میں رکھنا سیکھیں، ان قیادتوں کے مطمع نظر اور ان کے اغراض ومقاصد سے ناواقف نہ رہیں، جو ملکوں پر اور سماج پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے کوشاں ہیں جو سماج کو اپنے عقائد اپنے افکار ونظریات اور اپنے آدرشوں کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں، جو زندگی کو نئی راہ اور نیا رخ دینا چاہتے ہیں، ان طاقتوں، رجحانات، افکار اور قیادتوں کو نظر انداز کرنا اور دینی جماعتوں کا اپنے خول میں بند رہنا خود ان تحریکوں کے لئے خطرہ بن سکتا ہے، ان تحریکوں کی دینی دعوت ان کی سرگرمیاں اگر فرائض وواجبات، طہارت وعفت کی زندگی اور نوافل کے اہتمام تک محدود رہیں تو خطرہ اس بات کا ہے کہ کچھ مدت گذرنے کے بعد دین پر عمل اور شرعی احکام کے نفاذ کی آزادی سلب کر لی جائے اور حالات ان کے لئے اس قدر دشوار ہو جائیں جس کی تصویر کشی قرآن نے اپنے بلیغ اور معجزانہ اسلوب میں کی ہے کہ:۔

ضا قت علیھم الارض بما رحبت و ضاقت علیھم انفسھم

زمین ان پر باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہوگئی اور وہ خود اپنی جانوں سے تنگ آ گئے۔

جذباتی نعروں، دعووں، وعدوں اور کھوکھلی شجاعت کے مظاہروں سے فریب کھانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا زبرست خطرہ ہے (خاص طور پر اس امت کے لئے اپنے عقیدہ پر اور اپنے پیغام پر قائم رہنے کے لئے اور نوع انسانی کی ہدایت ورہنمائی کا فریضہ کی انجام دہی کے لئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آسمانی شریعت اور اس آخری دین پر قائم رہنے کیلئے اس طرح مسلمانوں کا یہ رویہ قرنِ اوّل سے لے کر اس وقت تک کے ان کے مصلحین ومجدّدین، مجاہدین اور دعوت اسلامی کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے والے شہداء کی تمام کوششوں پر پانی پھیر سکتا ہے، اس سے خطرہ اس بات کا پیدا ہو گیا ہے کہ اس امت میں اور قدیم ترین اسلامی ممالک میں بھی مغربی عیسائیوں کا یہ تصور کارفرما نظر آنے لگے کہ: ''دین ایک ذاتی معاملہ ہے، جو اللہ اور بندہ کے درمیان محدود ہے، قانون سازی، سیاست اور زندگی کے دوسرے میدانوں میں اس کا عمل دخل نہیں۔''

امت اسلامیہ کو صحیح قیادت کی ضرورت

اس امت میں عرصہ سے ایسی طاقتور اور جرأتمند قیادت کا فقدان ہے جس کے اندر جہاد کی روح کارفرما ہو، جسے اپنے عقیدہ پر فخر ہو، دنیا کی رہنمائی کے منصب اور اس کی ذمہ داریوں کا شعور ہو اور بڑی حد تک مغربی یا مشرقی بڑی طاقتوں کے سہارے سے بے نیاز ہو، یہ بڑی طاقتیں ہی اسلامی کوششوں اور وسیع تر حلقہ واثر رکھنے والی اسلامی تحریکوں کو ناکام بنانے اور اسلامی ممالک کو ایسی عظیم، موثر اور قومی شخصیتوں سے جن پر دینی فکر غالب ہو، جو اپنے ملک میں شریعت اسلامی کا نفاذ چاہتی ہوں، جو اسلام کی عظمت اور مسلمانوں کی قوت وشوکت کے عزائم رکھتی ہوں، محروم کرنے کی ہر طرح کی سازشیں کرتی رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پورا عالم اسلام ماضی قریب میں بہترین رہنماؤں سے محروم ہوتا رہا۔

پھر بھی یہ لحاظ رہے کہ قوت وشوکت اور کبھی کبھی خطر پسندی سے متاثر ومرعوب ہونا فطری بات ہے جن صفات سے انسان خود محروم ہوتا ہے، ان سے متاثر ہوتا ہے اور اسلام کی تاریخ شجاعت وشہامت او بڑے سے بڑے خطرہ کو خاطر میں نہ لانے کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن اس دور کے باضمیر اور غیر تمند مسلمان کمزور حکومتوں اور آرام طلب قیادتوں سے تنگ آ گئے ہیں، یہ بھی حقیقت ہے کہ اکثر مسلمان اور خاص طور سے نوجوان بڑی طاقتوں کی سرگرمیوں اور ان کی سازشوں سے واقف ہیں اور ان سے نفرت کرتے ہیں۔

لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی قیادت کو سامنے لانے پر توجہ دی جائے جو طاقتور ہو، جرأتمند ہو، صاحب ایمان اور ہوش مند ہو، اللہ نے ان کے ملک کو جو طاقت وثروت عطا فرمائی ہے، ان پر اعتماد رکھے، ان میں اضافہ کی کوشش کرے، ٹیکنالوجی صنعتوں اور فوجی قوت پر توجہ دے ممکن حد تک غیروں سے بے نیاز ہو، ایمانی قوت، قوم وملت کے اخلاص اور ایمان و عقیدت کے دفاع کے لئے قربانی کے جذبہ پر اعتماد کرتے ہوئے اسلامی مصالح اور صحیح ومخلص قیادت کے خلاف کسی بھی سازش کے مقابلہ میں یا اسلامی مسائل وممالک میں کسی بھی دخل اندازی کے سامنے جم کر کھڑی ہو جائے۔

۳۔ اسلامی ممالک میں مثبت اقوال اور متحرک اور طاقتور دینی تحریک کے قیام واستحکام پر توجہ

دینا بھی ضروری ہے اور اگر کوئی ایسی تحریک موجود ہو تو اس سے خطرہ محسوس کرنے اور اس کو ختم یا کمزور کرنے کی کوشش کے بجائے اس کی قدر اور ہمت افزائی کرنی چاہئے، اسلامی معاشرہ کی تشکیل وتکمیل اور اس کے استحکام وبقاء کے لئے ایک ایسی اسلامی دعوتی تحریک بڑی مفید ثابت ہوسکتی ہے جو مردانگی جرأت وہمت، بلند ہمتی اور پیش بینی کی صفات سے متصف ہو، جو ایسی طاقتوں اور قیادتوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت وصلاحیت رکھتی ہو، جنہوں نے بلا کسی استحقاق وجواز کے نوع انسانی کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے اور جو اسلامی ممالک واقوام کی قسمتوں کی مالک بن بیٹھی ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قوم مسلم........ اپنی بیماریوں اور کمزوریوں کے باوجود جن میں بعض کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا۔ مشرقی ومغربی تمام اقوام کے مقابلہ میں بعض صفات کے اندر بہت ممتاز ہے۔

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب پر نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

یہ صفات ہیں اللہ اور آخرت پر ایمان، زندگی کی بے حقیقی کا شعور، جہاد فی سبیل اللہ کے لئے زندگی کی لذتوں اور آسائشوں کی قربانی........ شہادت کا شوق جنت اور رضائے الٰہی کی امید، اللہ کے وعدہ کئے ہوئے اجر وثواب کا یقین اور اس کے لئے جان ومال سب کچھ لٹا دینے کی تڑپ، بے مثال صلاحیتوں کی یہ چنگاریاں منتظر ہیں کسی طاقتور مخلص داعی کی، جو ان کے اسلامی جوش کو ابھار دے، اشرارۂ ایمان کو شعلۂ جوالہ بنادے اور ابھی ماضی قریب تک بعض مخلص اللہ والوں نے یہ کارنمایاں کر دکھایا ہے[1] قرآن کریم نے بھی مسلمانوں کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے، جو انہیں دیگر مادی اقوم وملل کے سورماؤں اور بہادروں سے جن کا رابطہ آسمانی پیغام اور ایمانی سرچشموں سے منقطع ہوگیا ہے کے مقابلہ میں ممتاز کرتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا تهنوا في ابتغآء القوم ط ان تكونوا تالمون فانهم يالمون كما تالمون وترجون من الله ما لا يرجون

اور مخالف قوم کے تعاقب میں ہمت نہ ہارو اگر تمہیں (جسمانی) دکھ پہنچتا ہے تو ان کو بھی دکھ

پہونچتا ہے (لیکن) تم اللہ سے (اجر وثواب کی) وہ امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔

یہ ایسی دولت ہے جس کی کوئی مثال نہیں، ایسی طاقت ہے جس کا کوئی جواب نہیں اور مسلمان ملکوں اور قوموں پر زیادتی ہوگی بلکہ ان ملکوں اور قوموں میں قائم حکومتوں اور قیادتوں کے حق میں بھی یہ زیادتی ہوگی کہ وہ اس سے گھبرائیں اور اپنی قیادت وحکومت کے لئے ان سے خطرہ محسوس کریں، ان کو اپنا حریف سمجھیں اور بات یہاں تک پہنچ جائے کہ ان کو ختم کرنے اور ان کے اثر ونفوذ سے نجات حاصل کرنے کے لئے ساری طاقتیں اور سارے وسائل جن میں صحافت، دیگر ذرائع ابلاغ اور نظام تعلیم وتربیت وغیرہ بھی شامل ہیں، وقف کردی جائیں، یہ ایک بے محل جدوجہد ہے اور قوم وملک کے ان عزیز ترین فرزندوں کے خلاف جنگ کی ایک شکل ہے، جو نازک گھڑی میں ان کے کام آسکیں۔

ان مسلمان اقوام کا ایک نمایاں اور معروف وصف اللہ اور اللہ کے دین کے ساتھ اخلاص بھی ہے، شرط یہ ہے کہ اس کے اظہار کا صحیح موقعہ ومحل فراہم ہو، کوئی اللہ کے نام پر اور اسلام کے نام پر آواز لگاتا ہے تو مسلمان اس کی طرف ایسے جوش اور جذبہ کے ساتھ لپکتے ہیں جس کی اس زمانہ میں نظیر نہیں ملتی۔ مسلمان حکومتوں اور قیادتوں کی کمزوری ہے کہ وہ حقائق کو نظر انداز کرتی ہیں اور اس قیمتی سرمایہ اور زبردست طاقت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اس کو دبانے اور ہٹانے کے لئے ساری طاقت، ذہانت ووسائل صرف کرتی ہیں۔

اسلام ہی عرب قومیت کی اساس وبنیاد ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالم عربی کی روح ہیں، اس کے قائد اور امام ہیں اور ایمان کی طاقت ہی عربوں کی اصل طاقت ہے، عربوں نے جب اس طاقت سے فائدہ اٹھایا تو پوری دنیا پر چھا گئے، آج بھی اس کے اندر وہی قوت وصلاحیت موجود ہے عرب اقوام آج بھی اس کی مدد سے اپنے دشمنوں کو شکست دے سکتی ہیں اور اپنا تحفظ کرسکتی ہیں۔ اسلام اور ایمانی قوت کے بغیر عربوں کا نہ کوئی امتیاز ہے نہ وقار واعتبار، نہ کوئی تشخص اور جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے۔......

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
محمد عربی سے ہے عالم عربی

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی عربوں کو دنیا کے سامنے ایک حقیقت اور ایک ممتاز وشخص قوم

کی حیثیت سے پیش کیا، یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے اور قومیت اور وطنیت کے مقابلہ میں اس حقیقت کو تسلیم کرنا، اس کو اپنانا اور اس کا پر جوش داعی بننا چاہئے۔ عالم عربی کو پورے عالم اسلامی سے مربوط کرنے کا یہی سب سے مضبوط و مستحکم ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے پوری دنیا کا مسلمان عالم عرب سے محبت و ہمدری رکھتا ہے، اس کی مدافعت اور اس کے لئے قربانیوں کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتا ہے یہ سب سے بڑی حقیقت ہے جو عالم عربی کو مغربی اور غیر اسلامی قوموں کی نظر میں بھی ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔

ممکن حد تک ناز ونعمت اور عیش وعشرت کی زندگی سے دور رہنا چاہئے، ترقی وتمدن کے مظاہر میں مبالغہ، بے ضرورت کے اخراجات، لذت وشہوت اور شان وشوکت کے اظہار کے لئے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کوئی پسندیدہ بات نہیں، ایسے اعمال واخلاق سے پرہیز لازم ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند نہ ہو اور تائید ونصرت الٰہی سے مانع بن سکتے ہوں۔

چھٹی صدی عیسوی کا رومی اور ایرانی تمدن جو زینت، دولت وثروت اور پر تکلف زندگی کی آخری حدوں تک پہنچ رہا تھا اس کے مقابلہ میں قدیم عرب مسلمانوں نے اپنے اسلامی اخلاق، سادگی فضول خرچی سے اجتناب، محبت ومشقت کی زندگی اور شہسواری کی خصوصیات کو باقی رکھا تھا آج بھی اس زندگی کو اپنانے کی ضرورت ہے اور اگر تمدن کو اختیار کرنا کسی حد تک ضروری ہو تو اسے ان تعلیمات کے سانچہ میں ڈھال دنیا ان اخلاق وآداب کے رنگ میں رنگ دینا اور ان مقاصد اور نشانوں کے تابع بنا دینا چاہئے۔ جن سے اسلام کے ذریعہ اللہ نے اس امت کو نوازا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جو قوم بھی عیش وعشرت، آسائش حیات کی کثرت اور ناز ونعمت میں ڈوب گئی، اس میں جاہلیت کی عادتیں پھیل گئیں اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہوگئیں، وہ دوسروں کے ظالمانہ حملوں کا نشانہ بن گئیں۔

سنة الله فی الذین خلوا من قبل ط و کان امر الله قدرا مقدورا ه

یہی اللہ کا معمول رہا ہے ان لوگوں کے بارے میں جو پہلے گذر چکے ہیں اور اللہ کا حکم خوب تجویز کیا ہوا ہوتا ہے۔

حضرات! ساتویں صدی ہجری میں اسلامی معاشرہ میں عام طور سے یہی اخلاقی خرابیاں پیدا

ہوگئی تھیں جب تاتاریوں کا سیلاب عالم اسلام پر امنڈ پڑا، جس نے نسلی اور دینی قتل عام کی شکل اختیار کرلی، تاتاری حملہ سے پہلے بغداد کے مسلم معاشرہ کے حالات کا اندازہ لگانے کے لئے ہم یہاں؟ صرف ایک بڑے مؤرخ کی شہادت پر اکتفا کرتے ہیں، اس زمانہ میں دوسرے مسلم ممالک اور شہروں کے حالات اس سے زیادہ مختلف نہیں تھے، مفتی قطب الدین نہروالی اپنی کتاب ''الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام'' میں لکھتے ہیں۔

مرفهون بلين المهاد، ساكنون على شط بغداد فى ظل ثخين وماء معين، وفاكهة و شراب واجتماع احباب واصحاب، ماكابدوا حربا ولا دافعوا طعنا ولا ضربا.

عیش وعشرت کے مزے لوٹ رہے تھے، بغداد میں (دجلہ کے) ساحل پر آباد تھے، جہاں گھنا سایہ تھا، بافراط میٹھا پانی تھا میوے اور مشروبات کی کثرت تھی، دوست احباب کی مجلسیں تھیں، جنگ کی مصیبتوں سے سابقہ نہیں تھا، نہ نیزے اور تلواریں اٹھانے کی نوبت آتی تھی۔

مسلمانوں کی طویل تاریخ کے اندر بہت سے مسلم معاشروں مسلمانوں قوموں اور وسیع اور ترقی یافتہ حکومتوں میں خوش عیشی اور فارغ البالی کی یہی کہانی دہرائی گئی اور اسکا نتیجہ وہی نکلا ہے جو بغداد میں ظاہر ہوا شدت ووسعت میں اگر کچھ فرق رہا ہوتو ان معاشروں کے قدوقامت یا ان حکومتوں کی قوت وحیثیت اس کا سبب بنی ہے۔

اس مرحلہ پر اس امر کی ضرورت واضح ہوکر سامنے آگئی ہے کہ عرب اور اسلامی حکومتوں اور قوموں کی اپنی ایک موثر اور فعال تنظیم ہونی چاہئے جو اسلامی ممالک........اور ان میں عرب ممالک سرفہرست ہیں.......... کی بین الاقوامی سیاسی دفاعی ضرورتوں کی دیکھ ریکھ میں اقوام متحدہ (UNITED NATIONS) کی جگہ لے سکے، آزادی اور عزت ووقار کے تحفظ میں ان کی ہمت افزائی کرے، اگر کوئی بڑا ملک کسی چھوٹے ملک پر حملہ آور ہوتو اس کی مدافعت کا فریضہ انجام دے، اس طرح کے معاملات میں اقوام متحدہ یا کسی بڑی طاقت کی جگہ اس کی طرف رجوع کیا جاسکے اور اس سے مدد لی جاسکے، ایسی کسی تنظیم کو اتنا احترام اور وقار اور اتنی طاقت حاصل ہونی چاہئے کہ وہ اسکی بھی اسلامی ملک پر جارحیت کا مناسب جواب دے سکے۔

اور انانیت پسند استبدادی قیادتیں اور دنیا کی بڑی طاقتیں اسے نظر انداز کر سکیں۔

اس طرح کی کسی تنظیم کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہونی چاہئے کہ وہ حجاز مقدس اور حرمین شریفین کی خاص طور پر اور پورے جزیرۃ العرب کے تحفظ و دفاع کی عام طور پر ذمہ داری سنبھالے کیونکہ یہی اسلام کا اصل مرکز اور دعوت اسلامی کا اصل سرمایہ ہے مسلمان کسی زمانہ میں بھی ہوں اور کسی جگہ بھی ہوں، ان کا عز وشرف حجاز مقدس کی عزت وعظمت کے ساتھ وابستہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

جعل الله الكعبة البيت الحرام قيما للناس والشهر الحرام (المائدہ۔۹۷)

اللہ نے کعبہ کے مقدس گھر کو انسانوں کے باقی رہنے کا مدار ٹھہرایا ہے نیز حرمت والے مہینہ کو۔

یہ آیت اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ نظام عالم درحقیقت بیت اللہ الحرام کے ساتھ وابستہ ہے، بالکل اسی طرح جیسے کہ عقائد وراعمال واخلاق کا نظام اس دعوت سے وابستہ ہے جس کے لئے اس گھر کی تعمیر ہوئی ہے، مسلمان دنیا کے کسی بھی حصہ میں ہوں، ان کے لئے مرکز اسلام۔ جہاں اللہ کی آخری وحی نازل ہوئی اور جہاں نوع انسانی کے لئے نئی صبح صادق طلوع ہوئی......... کے بارے میں انتہائی حساس اور غیر تمند ہونا اسلامی فریضہ ہے اور جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے.......

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

اخیر میں اسلامی ممالک کے ذمہ داروں اور سربراہوں کی خدمت میں بھی ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں:۔

محترم حضرات! قرآن، وسنت، دعوتوں اور دنیا کی تبدیلیوں اور انقلابات کی تاریخ کی روشنی میں سب سے بہتر اور مفید چیز ہے اللہ کے ساتھ صدق واخلاق، اس کی طرف رجوع وانابت، ساتھ ہی فرد اور سماج کی زندگی میں ہر ممکن اصلاح، سماج سے منکرات، اللہ کی تائید ونصرت سے محروم کرنے والے اخلاق اعمال کا ازالہ اور سماجی، سیاسی اور انتظامی اور انفرادی زندگی سے سستی وکاہلی اور تضادات سے اجتناب، قرآن وحدیث اس پر شاہد ہیں، سیرت مبارکہ، خلفائے راشدین اور صالح بادشاہوں کی زندگی میں اس کے بے شمار نمونے موجود ہیں ان کی تفصیل اور

واقعات و اسماء کے تذکرہ تعیین کی یہاں ضرورت نہیں، خلاصہ یہ کہ انابت الی اللہ اور اصلاح امت و ازالہ منکرات کی جدوجہد میں اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے مصیبتوں اور دشواریوں کے وقت قوموں اور معاشروں کو برے نتائج سے محفوظ رکھنے کی موثر ترین قوت ہے اور عام ذرائع و اسباب فوجی طاقت یا بڑی طاقتوں کی تائید وحمایت یہ ساری چیزیں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

والسلام علیکم

یورپ امریکہ اور اسرائیل

ایک اظہار حقیقت، انکشاف اور تنبیہ

ذیل کا مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمتہ اللہ کی وہ اہم و چشم کشا تقریر ہے جو کلیۃ اللغۃ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ہال میں المعہد العالی کے طلبہ کے سامنے فرمائی اس علمی تقریر میں جس خطرہ سے آگاہ کیا گیا ہے اور ہر صاحب علم و فکر بندۂ مومن کو خصوصاً علماء کرام اور طلباء، مدارس کو اس سے واقف ہونا ضروری ہے

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الدین اصطفیٰ اما بعد!

عزیزو اور بھائیو! یہ معلوم کر کے کہ یہاں ''معہد الدعوۃ'' کے نام سے دعوت دینی، دعوت نصرت دین اور اعتزاز بالدین کے لئے ایک شعبہ قائم کیا جا رہا ہے اس کے مستفیدین خود بھی مطمئن ہوں ان کو پورا ذہنی اعتماد حاصل ہو اور دوسروں کو بھی مطمئن کر سکیں جو اس وقت کا خطرہ اور اس وقت کا چیلنج ہے اس کو سمجھیں اور اس وقت کی جو سازش ہے اور جس کا مرکز مغرب ہے اس کو سمجھیں، خصوصی الفاظ میں امریکہ اور اسرائیل دونوں اس نتیجہ پر متحد ہو گئے ہیں کہ ان کے نظام سیاست کو ان کے نظام فکر کو ان کے عالمی استیلاء کے امکان کو کوئی چیز چیلنج نہیں کرتی سوائے مسلمانوں کے متحد و مؤثر وجود کے، اس وقت اس شعبہ کا قائم ہونا ندوۃ العلماء کے بنیادی مقاصد میں ہے اس لئے کہ اس کے بانی اول مولانا سید محمد علی صاحب مونگیری رحمتہ اللہ علیہ کو عیسائی مشنریوں سے واسطہ پڑتا تھا، وہ ان سے مناظرے کرتے تھے، ان کو اس سے مناظرہ کرنے میں یہ محسوس ہوا کہ اب ہمارے فضلائے مدارس کو اور علماء کو جدید خطرات سے واقف ہونا چاہیے اور ان میں تقابلی مطالعہ (COMPARATIVE STUDY) ہونا چاہیے ان کے اندر اس جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے اندر سے (جو عام طور پر فکری، علمی اور سیاسی قیادت پر فائز ہوا کرتا ہے) اسلام کے بارے میں احساس کہتری کو دور کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے، اور

اسلام کی ابدیت، اس کے خلود اور ہر زمانہ اور ہر دور میں اس کی طرف لوگوں کی احتیاج اور اس کو نجات کا، کامیابی کا، صحیح انسانیت کا واحد اور ابدی راستہ ثابت کرنے پر یقین اور اس کی تفہیم کی صلاحیت ہو اس لئے اگرچہ یہ شعبہ (اس شعبہ کے مستقل نام سے) تاخیر سے قائم ہوا لیکن ایک بڑی ضرورت اور ندوۃ العلماء کے بانیوں کے منشاء کی تکمیل ہوئی۔

اصل بات سمجھنے کی یہ ہے کہ اللہ کا دین ابدی ہے۔ "ان الدین عند اللہ الاسلام" یہ ہر زمانہ کا اعلان ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضیات، اس کی مرضیات بھی دائمی ہیں یہ غیبی حقائق دائم ہیں، اس کے علاوہ یہ کہ ہدایت کا راستہ ابدی راستہ ہے دین ایک ابدی حقیقت ہے لیکن زمانہ متغیر ہے، زمانہ اگر متغیر نہیں تو پھر زمانہ ہی نہیں، زمانہ کوئی جامد چیز نہیں ہے زمانہ بدلنے والا ہے، رجحانات بدلنے والے ہیں، مطالبات بھی بدلنے والے ہیں، تاثرات کے جو سرچشمے ہیں وہ بھی بدلنے والے ہیں اور اس کے علاوہ تحریکیں بھی بدلنے والی ہیں مختلف زمانوں میں مختلف تحریکیں پیدا ہوتی ہیں اور دین کے خلاف محاذ آرائیاں ہوتی ہیں، سازشیں ہوتی ہیں، منصوبے تیار ہوتے ہیں، نئی نئی سلطنتیں قائم ہوتی ہیں ان کے مصالح ومفادات کا تقاضا بدلتا رہتا ہے، اس میں سیاسی مصلحتیں بھی ہیں، جنگی مصلحتیں بھی ہیں اور معاشرتی مصلحتیں بھی ہیں اور یہ بھی ہے کہ جو نظام سلطنت قائم ہوا طبعی بات ہے کہ اس نظام کو تقویت پہنچانے کے لئے فضا پیدا کی جائے یعنی جو اس کے محکوم ہیں وہ اس نظام سلطنت کو اور اس صاحب اقتدار طبقہ اور اس کی حکومت کو اور اس کی تہذیب کو یہاں تک کہ اس کے گھروں کی معاشرت تک کو بھی آئیڈیل اور قابل تقلید سمجھیں۔ اس کے لئے نئی نئی تدبیریں کی جاتی ہیں اور ہمیشہ کی جاتی رہیں گی اور خاص طور پر اس زمانہ میں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام کے خلاف محدود قسم کی سازشیں اور منصوبے جو پہلے تیار کئے گئے تھے وہ ناکام بنا دیئے گئے۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے اسلام اور عالم اسلام کے لئے وسیع اور عمیق اور فیصلہ کن حیثیت سے تاریخ میں دو خطرے پیش آئے ہیں جن سے اندیشہ تھا کہ اسلام بحیثیت عالمگیر دعوت سیاسی قوت اور مذہبی آزادی کے اتنا کمزور ہو جائے گا کہ وہ محدود رقبہ میں اور خاص نسل اور قومیتوں کے دائرہ کے اندر ہی نافذ اور کارفرما ہے۔ لیکن عالمی پیمانہ پر اس کا وجود اور نفوذ ختم ہو جائے ایک صلیبی حملہ جو پانچویں صدی ہجری اور گیارہویں صدی

عیسوی میں پیش آیا' دوسرا تاتاری حملہ جو ساتویں صدی ہجری اور تیرہویں صدی عیسوی میں چنگیز خان اور ہلاکو کی قیادت میں ہوا۔

صلیبیوں کا شام پر حملہ ہوا اور وہ بیت المقدس پر قابض ہو گئے ان کے ذہن اور ان کے منصوبہ میں حرمین شریفین بھی شامل تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے صلاح الدین ایوبی کو کھڑا کیا۔ جس کی نظیر' اخلاص' للّٰہیت' جذبہ جہاد' سرفروشی' غیرت وحمیت دینی اور طہارت وتقویٰ میں امتیاز خاص رکھتی تھی' اور اس کی نظیر اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے' انہوں نے صلیبیوں کو ناکام بنایا' مسلمانوں کا ان کے جھنڈے کے نیچے اتحاد ہوا اور وہ خطرہ ٹل گیا۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس وقت تک اور صلیبی حملہ آوروں کے ملک میں نہ اتنی تمدنی و تہذیبی ترقی ہوئی تھی اور نہ سائنس اور تجربی علوم کو وہ فروغ ہوا تھا جو بعد کی صدیوں میں ہوا نہ ان کے سامنے دنیا کی تشکیل نو اور ذہنی وتہذیبی انقلاب کا وہ نقشہ تھا جو بعد میں مغرب کی فاتحانہ اور استعماری طاقتوں کے سامنے آیا اور ان کے پروگرام میں شامل ہوا' یہ محض ایک فوجی یلغار اور مقامات مقدسہ پر قبضہ کرنے کی ایک کوشش اور عزم تھا اس لئے اس سے وہ خطرات نہیں تھے جو چند صدیوں کے بعد یورپ اور امریکہ کی سیاسی' علمی وتمدنی بالادستی اور مشرقی ملکوں کے یورپ اور امریکہ کے غلام بن جانے اور زیر اثر آ جانے سے پیدا ہوئے۔ (۱)

ریجنالڈ حاکم کرک نے حرمین شریفین پر بھی چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا تھا اس وقت بقول لین پول' عماد الدین زنگی نے اس خطرہ کے مقابلہ کا ارادہ کیا جس کی تکمیل اس کے فرزند الملک العادل نور الدین زنگی نے کی لیکن اس میں پوری کامیابی نور الدین سلطان شام کے فوجی جنرل صلاح الدین ایوبی نے حاصل کی' (جو مصر کی حکومت واقتدار پر قابض ہو گئے تھے) اور

ا۔ پہلی صلیبی یلغار شام پر 490ھ میں ہوئی' 492ھ (1099ء) گیارہویں صدی عیسوی کے آخر میں صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا ''انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا'' کی جلد 6 میں صلیبیوں کی تعدیات اور مظالم اور خونریزیوں کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے' بندہ کا رسالہ ''صلاح الدین الایوبی البطل الناصر الدین'' مطبوعہ دار عرفات (رائے بریلی) کا مطالعہ بھی مفید ہوگا' اردو میں بندہ کی تصنیف ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کی جلد اول میں ص 303 سے 334 تک تاتاری حملے' ان کے وحشت ناک مظالم' عالم اسلام کے مرکزی شہروں اور بغداد کی تباہی کی لرزہ خیز تصویر اور تاتاریوں میں اسلام کی اشاعت کی معلومات وتفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں' اردو دائرۂ معارف اسلامیہ شائع کردہ دانش گاہ پنجاب لاہور کی جلد 7 میں بھی ''چنگیز خان'' کے عنوان کے ماتحت تاتاری حملہ کی سفاکیوں اور دہشت گردیوں کی تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔ (ص 734-691)

انہوں نے بیت المقدس کو صلیبیوں کے قبضہ سے نکالا' ان پر جذبہ جہاد' حمیت دینی اور غیرت اسلامی کا پورا استیلا اور غلبہ تھا۔ 583ھ (1187ء) میں حطین کے معرکہ میں انہوں نے کامل فتح حاصل کی اور صلیبیوں کے عزائم کو ناکام نادیا۔ (۱) معرکہ حطین کے بعد بیت المقدس کی مسلمانوں کے ہاتھوں میں بازیابی ہوئی اور صلیبیوں کا منصوبہ اور نقشہ کارنا کام اور بے اثر ہوگیا سلطان صلاح الدین کی وفات 28 صفر 589ھ کو ہوئی۔

بارہویں صدی عیسوی میں مسیحی یورپ علوم سائنسی تحقیقات و انکشافات' اسلحہ کی تیاری استعماری عزائم اور اپنے مادی اور لادینی منصوبوں کی ترویج وتنقید میں اس مقام تک نہیں پہنچا تھا جس مقام پر وہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں پہنچا اس لئے اس کے غلبہ سے سوائے مسیحیت کی اشاعت مقامات مقدسہ پر غلبہ اور مسلمانوں کی سیاسی ہزیمت وذلت کے وہ خطرہ نہیں تھا جو انیسویں اور بیسویں صدی میں یورپ اور (بالخصوص برطانیہ اور فرانس کے) ان مسلم وعرب ممالک پر اپنی تہذیب وفلسفہ حیات کو غالب کرنے اور ان کو قابل تقلید اور علامت ترقی بنادینے سے پیش آیا۔

تاتاریوں کا حملہ اگرچہ فوجی تھا لیکن تجربہ ہے کہ کامیاب حملہ آور اور فوجی فاتح فوجی حدود کے اندر محدود نہیں رہتا' بلکہ اس کا طرز عمل اس کے افکار' اس کے عقائد' اس کا طرز معاشرت اثر انداز ہوتے ہیں۔ تاتاریوں کی کامیابی سے صرف اتنا ہی خطرہ تھا کہ مسلمان غلام بن جائیں گے۔ انہوں نے بڑے مظالم کئے کبھی کبھی تو دجلہ کا پانی سرخ ہوجاتا تھا جب مسلمان بڑی تعداد میں شہید کئے جاتے تھے اور ان کو دجلہ میں ڈال دیا جاتا تھا تو ان کی خون آلود لاشوں سے پانی سرخ ہوجاتا تھا اور کبھی اس کا پانی سیاہ ہوجاتا تھا کہ وہاں جو بڑے بڑے کتب خانے تھے (اور بغداد اس میں سب سے زیادہ امتیاز رکھتا تھا) ان کی کتابوں کے انبار اس میں ڈال دیئے جاتے تھے تو پانی سیاہ ہوجاتا تھا۔ مسلمان شہیدوں کے سروں کے مینارے بنائے گئے یہ مینارے دور سے دکھائے دیتے تھے سر پر سر رکھا ہوا' ایک نہیں ہوتا تھا ایک رکھتے تو گرجاتا وہ سروں کا ایک چبوترہ ہوتا تھا ایک چبوترہ پر دوسرا چبوترہ یہاں تک کہ بہت دور سے نظر آتے تھے

۲۔ تفصیل کے لئے مطالعہ کی جائے لین پول کی کتاب ''سلطان صلاح الدین'' (ص 155)

ان کے حملہ کی دہشت کا یہ حال تھا کہ تاریخ میں عام مقولہ درج ہے۔ اذا قیل لک ان التترا نھزموا فلا تصدق "یعنی ہر بات مان لینا کہ ممکن الوقوع ہے لیکن یہ بات بھی نہ ماننا کہ تاتاریوں نے کہیں شکست کھائی۔

لیکن اس تاتاری حملہ میں خاص بات یہ تھی کہ تاتاریوں کے پاس کوئی تہذیب نہیں تھی، کوئی ثقافت (CULTURE) نہیں تھا۔ کوئی دعوت نہیں تھی، اور کوئی متوازی نظام عقائد بھی نہیں تھا اس لئے ان کا حملہ اگر کامیاب بھی ہو جاتا تو وہ بہت دنوں تک کامیاب نہیں رہ سکتا تھا لیکن اللہ تعالٰی نے اس کے لئے اپنی رحمت وقدرت سے خارق عادت طریقہ پر سامان کیا کہ ایک طرف مسلم فضلاء اور شریعت کے ماہرین نے تاتاریوں نے اندر گھس کر اسلامی تہذیب اور اسلامی قانون کا تعارف کرایا اور جو خلاء ان کی زندگی میں ان کے علم وواقفیت اور تہذیب وتمدن اور دعوت میں تھا اس کو اسلام نے پر کر دیا یہ ایک طبعی اور فطری بات بھی تھی کہ ایسی فتوحات و انقلاب میں خلاء بہت دنوں تک باقی نہیں رہ سکتا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ قانون الٰہی یہ ہے کہ خلاء کا پر ہونا ضروری ہے، قانون کا خلاء تھا، تہذیب کا خلاء تھا، علم کا خلاء تھا، دنیا کے لئے ان کے پاس کوئی دعوت نہیں تھی۔ اس خلاء سے مسلمان اہل فکر نے اور مبصرین نے فائدہ اٹھایا۔ اور انہوں نے تاتاریوں کو ایک طرف اسلام کی دعوت دی اور ایک طرف بتایا کہ اس خلاء کو پر کرنے کے لئے ہمارے پاس پورا سامان موجود ہے نظام معاشرہ موجود ہے اور عام دنیا کے لئے دعوت بھی موجود ہے۔ اس سلسلہ میں اہل دل مخلصین اور اہل اللہ کا بڑا حصہ ہے، ایک واقعہ جو بار بار بیان کیا جا چکا ہے لیکن بڑا مؤثر ہے وہ نقل کیا جاتا ہے۔

آرنالڈ نے پریچنگ آف اسلام (PREACHING OF ISLAM) میں لکھا ہے کہ ایران وترکستان کی طرف کی جو شاخ تاتاریوں کے قبضہ میں آئی اس میں تاتاریوں کے سو فیصد مسلمان ہو جانے کی تقریب یہ ہوئی کہ تغلق تیمور جو ولی عہد سلطنت تھا وہ شکار پر نکلا اور آپ کو معلوم ہے اور ہمیں بھی اس سے واسطہ پڑا ہے ہم نے نشانہ کی بھی مشق کی ہے اور شکار بھی کھیلے ہیں کہ شکاریوں میں کچھ روایات ہیں نحوست کی اور کامیابی وناکامی کی مثلاً بچپن میں سنا کرتے تھے کہ جمعرات کو شکار کامیاب نہیں ہوتا، اگر شکار کے لئے چلنے کے وقت کسی نے کہہ دیا چاقو ہے؟ تو اب شکار نہیں ملے گا، چاقو کا نام نہیں لینا چاہیے اسی طرح تاتاریوں میں ایران اور

اس کے باشندوں سے متعلق نحوست کا تخیل تھا کہ ایرانی منحوس ہوتے ہیں (اور مخصوص قوموں کے بارے میں ہمیشہ اس طرح کے تاثرات و روایات رہی ہیں) تغلق تیمور نے اس کا پورا انتظام کیا کہ کوئی ایرانی نہ آنے پائے جا بجا پہرے بٹھا دیئے جو ساحلی جگہیں تھیں اور جو مدخل تھے ان سب پر آدمی بٹھا دیئے تاکہ کوئی ایرانی نہ آنے پائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ کو تاتاریوں جیسی جنگ آزما' طاقتور اور بلند حوصلہ قوم کو مشرف با اسلام کرنا اور اس سے دین کی حفاظت کا کام لینا تھا یہ ایک خدائی انتظام تھا شیخ جمال الدین ایران کے ایک صاحب دل بزرگ تھے ان کو کہیں جانا تھا اور راستہ وہی تھا اس جگہ وہ پہنچے تو اتفاق سے وہاں کوئی پہرہ دار کھڑا نہیں تھا۔ یہ سب غیبی انتظامات ہوتے ہیں وہ آگے بڑھ گئے کسی پہرہ دار نے دیکھ لیا اس نے ان کو پکڑ لیا اور تغلق اور تیمور کے پاس پکڑ کر لے گیا وہ دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے سمجھ لیا کہ انہوں نے شکار کے سارے انتظامات پر پانی پھیر دیا' اب شکار نہیں ملے گا اس نے غصہ میں آ کر کہا کہ تم ایرانی اچھے ہو کہ یہ کتا اچھا ہے' کون افضل ہے؟ آرنلڈ نے تو یہ لکھا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کی قوم کو اسلام کی دولت نصیب نہ کی ہوتی تو یہ کتا افضل تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم ایرانیوں کو اسلام نصیب کیا تو ہم افضل ہیں' اس نے کہا اسلام کیا ہوتا ہے؟ وہ صاحب دل بھی تھے اور صاحب علم بھی تھے۔ انہوں نے اسلام کا مختصر مگر بلیغ و مؤثر تعارف کرایا وہ متاثر ہوا اور اس کے دل و دماغ پر اثر پڑا۔ اس نے کہا کہ اگر ابھی میں اپنے اسلام لانے کا اعلان کر دیتا ہوں تو کوئی فائدہ نہ ہوگا جب میری تاج پوشی ہو جائے تو مجھ سے آ کر ملیں میں اسلام کا اعلان کروں گا۔

یہ تو آرنلڈ کی تاریخ میں ہے لیکن ترکی و فارسی ماخذ جو (ORIGINL) ہیں ان میں زیادہ مؤثر انداز میں اس واقعہ کو پیش کیا گیا ہے اس میں ہے کہ اس نے پوچھا کہ آپ افضل ہیں کہ یہ کتا افضل ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابھی اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا یا تو کہیے کہ یہ کتا افضل ہے یا کہے کہ میں افضل ہوں' انہوں نے کہا کہ اگر میں دنیا سے کلمہ پڑھتے ہوئے رخصت ہوا ایمان پر میرا خاتمہ ہوا تو میں افضل ہوں ورنہ یہ کتا افضل اس سے اس کے دماغ اور اس کے دل پر چوٹ پڑی اس نے کہا کہ جب آپ سنیں کہ میری تاج پوشی ہو گئی ہے تو مجھ سے ملیں یہ برابر دن گنتے رہے اور کان ان کے لگے رہے کہ خبر آئے لیکن ان کا وقت آ خر آ گیا انہوں نے اپنے بیٹے کو

بلایا اور کہا کہ عزیز فرزند! شاید یہ سعادت تمہاری قسمت میں لکھی ہوئی ہے تم جب سننا کہ تغلق تیمور کی تاج پوشی ہوگئی ہے تو اس سے ملنا اور یہ واقعہ یاد دلانا' چنانچہ جب انہوں نے تاج پوشی کی خبر سنی تو یہ گئے اور باہر اپنا سجادہ ڈال دیا۔ ان کو کون اندر جانے دیتا؟ وہ باہر نماز پڑھتے رہے اذان دیتے رہے' اور وقت تو اذان کی آواز محل میں نہیں پہنچی لیکن فجر کے وقت اذان کی آواز پہنچی تو اس نے کہا کہ یہ صدائے بے ہنگام کیسی ہے؟' کون اس وقت چلاتا ہے اور نیند خراب کرتا ہے' کہا گیا کہ ایک شخص ہے جو اٹھتا ہے بیٹھتا ہے اور یہ آواز لگاتا ہے' اس نے کہا کہ جاؤ اسے پکڑ لاؤ' لوگ ان کو لے گئے تو انہوں نے کہا کہ میں ان کا (شیخ جمال الدین کا) فرزند ہوں جو آپ سے ملے تھے آپ نے سوال کیا تھا اور یہ کہا کہ آپ افضل ہیں یا یہ کتا؟ انہوں نے کہا تھا کہ اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوا تو میں افضل ہوں ورنہ کتا افضل ہے' میں یہ اطلاع دینے آیا ہوں کہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا اور وہ کلمہ پڑھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے تغلق تیمور نے کلمہ شہادت پڑھا اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ اس نے اپنے وزیر اعظم کو بلایا اس نے کہا کہ میں تو بہت دنوں سے مسلمان ہوں میں ایران گیا تھا وہیں اسلام قبول کیا تھا' آپ کے ڈر سے بتاتا نہ تھا اس کے بعد پوری ایرانی تاتاری شاخ مسلمان ہوگئی پھر دوسری شاخوں میں بھی اسلام عمومیت کے ساتھ پھیل گیا۔

ایک باخبر تاریخ داں نے بتایا کہ دو قومیں ایسی ہیں جو سو فیصد مسلمان ہوئیں' ایک عرب اور ایک ترک یہ بھی سو فیصد مسلمان ہوئے صورت یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ضرورت ہے داعیوں کی اور مدعوبین کی نفسیات کو سمجھنے کی اور حکمت کے ساتھ بات کرنے کی خود قرآن مجید میں ہے۔

"ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن. (۱)

لیکن اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ چیلنج اور خطرہ یہ ہے کہ پورے مغرب اور عیسائی دنیا اور اس کے ساتھ خاص طور پر یہودی عنصر کی (جو ان مغربی ممالک کی شانہ بشانہ ہے) کوشش ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں دین کی حمیت ختم ہو جائے دین سے انتساب پر جو فخر ہے وہ ختم ہو

۱۔ سورۃ النحل آیت ۱۲۵ (ترجمہ) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔

جائے دین کا جو سرچشمہ ہے (یعنی ایمان) ختم ہو جائے اور اس کے اندر اس کے متبادل طریقہ پر احساس کہتری (INFERIORTY COMPLEX) پیدا ہو۔

ہم نے دار المصنفین میں استشراق اور مستشرقین کے بارے میں جو مجلس مذاکرہ سیمینار (SEMINAR) ہوئی تھی اس میں کہا تھا کہ مغربی طاقتوں نے اپنی ذہانت سے بالکل صحیح سمجھا کہ محض فوجی برتری واقتدار اور محض سیاسی تنظیم واستحکام اور نئے اور موثر اسلحہ وطریق جنگ کافی نہیں کسی ملک کو مستقل طور پر غلام رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہاں کا تعلیم یافتہ اور مثقف طبقہ (INTELLECTUAL CLASS) قوت حاکمہ سے ذہنی طور پر مرعوب ہو اس کے لئے انہوں نے مستشرقین (ORIENTALISTS) کو تیار کیا، بہت کم لوگوں نے اس راز کو سمجھا ہے کہ مستشرقین محض اپنے علمی ذوق کی بناء پر تحقیق وتصنیف کا کام نہیں کرتے۔

علمی ذوق تو محدود ہوتا ہے لیکن استشراق کے پیچھے سیاسی واستعماری مقاصد اور سرپرستی کام کرتی ہے۔ یہ اس زمانہ کا بڑا خطرہ ہے اور اس خطرہ کا جو مرکز ہے اس کو اور اس کے ہتھیار اور سلاح کار کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مستشرقین کا یورپ وامریکہ میں ایک پورا لشکر تھا اور اس کو ہر طرح کی پشت پناہی حاصل تھی۔ انہوں نے اپنی پوری ذہانت صرف کر دی ایسی کتابوں کے لکھنے میں جس میں صاف صاف اسلام پر حملہ نہ کیا جائے ان کی ذہانت اور سمجھنے کی بات تھی کہ اسلام پر حملہ اگر ہوگا تو مقابل طاقت پیدا ہو جائے گی اس میں ایسا ہو کہ لوگ پڑھ کر دلائل کی روشنی میں (جو چالاکی کے ساتھ کتاب میں شامل کئے گئے ہیں) کتاب الٰہی کے بارے میں حدیث کے بارے میں، علم فقہ کے بارے میں، علم کلام کے بارے میں پھر آخری درجہ میں اپنی تہذیب ومعاشرت کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہوں جو شخص یہ کتابیں پڑھ لے گا وہ سمجھے گا کہ ہم تو بہت نیچی سطح پر زندگی گزار رہے تھے ہمارے علماء نے ہمارے مربیوں نے اور ہمارے مصنفین نے ان کمزوریوں کا اظہار نہیں کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ بہت تاخیر سے حدیث کی تدوین شروع ہوئی، بہت تاخیر سے اسلامی قانون بنایا گیا، یہ سب ان سبھوں نے دکھایا ہے۔ حالانکہ اس تاخیر میں بھی حکمتیں تھیں، حدیث کی تدوین جب شروع ہوئی تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تائید الٰہی شامل تھی۔ بلکہ وہ ایک معجزہ تھا، معجزہ آسمانی تھا کہ بخارا کے اور ترکستان کے ایسے ذہین ترین اور قوی الحافظہ افراد نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا جن کی مثال دور دور اور

دیر دیر تک تاریخ میں نہیں ملتی۔اس کی شہادت کے لئے صرف ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔امام بخاریؒ کے تذکرہ میں آتا ہے:

''امام بخاری جب بغداد آئے تو علمائے بغداد نے ان کے امتحان کا یہ طریقہ تجویز کیا کہ سو حدیثوں کی سند اوران کے متن (مضمون حدیث) کو الٹ دیا۔ایک حدیث کی سند دوسرے متن کے ساتھ اور ایک حدیث کا متن دوسری سند کے ساتھ لگا دیا اور دس دس حدیثوں کو ایک ایک شخص کے حوالے کیا کہ وہ ان سے سوال کرے امام بخاریؒ جب مجلس میں آئے تو ایک ایک شخص نے دس دس حدیثیں سنائیں اوران کی رائے دریافت کیں۔وہ سنتے اور فرماتے کہ میں ان حدیثوں سے واقف نہیں اہل علم اس راز کو سمجھے اور ناواقف اشخاص ان کی لاعلمی پر مسکرائے جب سب نے اپنے اپنے حصہ کی حدیثیں سنالیں تو امام نے باری باری ایک ایک کی طرف توجہ فرمائی اور کہا کہ آپ نے جو دس حدیثیں سنائیں تھیں ان کا متن یہ ہے اوران کی سند یہ ہے پھر دوسرے تیسرے کی طرف توجہ کی یہاں تک کہ سب کہ احادیث تصحیح کردی اور جس سند کا جو متن تھا اور جس متن کی جو سند تھی وہ بیان کی لوگ ان کی وسعت نظر، حاضر دماغی اور حافظہ پر انگشت بدنداں رہ گئے۔

اسی طرح جب فقہ کی تدوین شروع ہوئی تو خدا نے ائمہ اربعہ اوران کے بلند مقام اور نادرۂ روزگار خلفاء وتلامذہ اور مجتہدین کی شکل میں ایسے افراد پیدا کئے اوران کو توفیق دی جن کی مثال دنیا کی قانون سازی اور مسائل حیات کے حل کرنے کی کوششوں میں نہیں ملتی۔

اسی طرح جب یونانی فلسفہ اسلامی مملکت بالخصوص عراق اور دارالخلافہ بغداد میں سامنے آیا اوراس نے ذہین اور صاحب فکر طبقہ پر اثر ڈالا اور اپنی علمی برتری اور باریک بینی کا سکہ جمایا اور اس سے ایک سطحی الفکر طبقہ کے عقائد میں تزلزل پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے امام ابوالحسن اشعری امام ابومنصور ماتریدی، امام غزالی، اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کو پیدا کیا جنہوں نے ان کے اثرات اور مرعوبیت کو زائل کردیا۔

اسی طرح غلط عقائد، جاہلی رسوم وعادات شرک وبدعات اور رسوم قبیحہ کو دور کرنے کیلئے اور دین صحیح اور عقائد صحیح اور سنت وشریعت کے احیاء وترویج کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر دور اور ہر ملک میں مصلحین ومجددین اور ایسے آئمہ دین اور داعیان مخلصین پیدا کئے جنہوں نے عود الی الجاہلیۃ

الاولی اور دین کے مسخ و تحریف کے خطرہ کو دور کر دیا اور دین صحیح کو سکہ رائج الوقت کی طرح عام کر دیا۔

مستشرقین اور ان کی تحقیقات دعاوی اور مباحث سے مغربی استعمار WESTERN IMPOERIALIM نے جو کام لیا اور وہ ان کے لئے مفید ثابت ہوا اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب سے استعمار مشرقی ممالک سے بے دخل ہوا یا بعض جگہ بالکل کمزور ہو گیا اس مدت سے مستشرقین کا کام بھی ڈھیلا پڑ گیا۔ یہ محض اتفاقی بات نہیں ہے نہ صحافت کا انحطاط ہوا ہے اور نہ ریڈیو کو اور جو طریقے ہیں خیالات کو دوسروں تک پہنچانے کے ان میں صرف انحطاط ہی نہیں بلکہ اضافہ ہوا لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ مستشرقین کا کام بالکل ہلکا پڑ گیا ہے کبھی کوئی کتاب آ جاتی ہے اس میں وہ طاقت نہیں ہوتی وہ قوت استدلال نہیں ہوتا جو پہلے ہوتا تھا۔ مستشرقین کا وجود محض عالم اسلامی کے علمی، مذہبی طبقہ کے اعتماد کو کمزور و متزلزل کرنے کے لئے اور ان کے اندر اپنے دین کے بارے میں دین کی تاریخ کے بارے میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اور قرآن مجید کے بارے میں اور فقہ و علم کلام کے بارے میں اعتماد کو متزلزل کر دیتا تھا۔

اس وقت کا سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ ہمارا جو نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ ہے اس کے اندر احساس کمتری پیدا ہو رہا ہے وہ جو کتابیں پڑھتے ہیں فرنچ میں، انگریزی میں، یہاں تو اس کا کم رواج ہے بعض دوسرے ملکوں میں خاص طور پر فرانس کے مقبوضات میں (مغربی شمالی افریقہ کا علاقہ یہ فرانس کے ماتحت رہا ہے، مراکش الجزائر بھی فرانس کے ماتحت رہے ہیں، یہاں تک کہ لیبیا طرابلس تک فرانس کے ماتحت رہا ہے) تو یہاں فرنچ لٹریچر اور دوسرے ملکوں میں انگلش لٹریچر پھیلا ہوا ہے اور اس میں یہ سب اثرات تھے۔

سب سے زیادہ قابل تشویش اور حزن و فکر کی بات یہ ہے کہ ممالک عربیہ اس وقت امریکہ اور اسرائیل کا نشانہ ہیں اور ان کا یہ حملہ بہت حد تک کامیاب رہا ہے وہاں کا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ (جو قیادت کے منصب پر عام طور سے فائز ہوتا ہے) احساس کہتری میں مبتلا ہو گیا ہے، وہ اسلام کے مستقبل سے گویا مایوس ہوتا جا رہا ہے۔ خاص کر الجزائر اور مصر پیش پیش ہیں وہاں کی قیادتیں اور حکومتیں دینی دعوت اور تحریک سے بہت زیادہ خائف ہیں، وہاں اصل ٹکراؤ دینی نشاۃ ثانیہ کی تحریک دعوت سے حکومتوں اور دین پسند اسلام پسند طبقوں کے درمیان محاذ قائم ہے۔

حالانکہ الجزائر، طرابلس المغرب، مصر یہ وہ ملک ہیں جن میں تحریک آزادی کی قیادت علماء نے کی لیکن آج یہ ممالک سب سے زیادہ خطرہ دین کے داعیوں اور اسلامی قائدین اور تحریکوں کو سمجھتے ہیں، مصر میں شیخ حسن البناء کو خطرہ سمجھا گیا اور وہ شہید ہوئے، عبدالناصر کا زمانہ آیا تو سید قطب کو شہید کیا گیا۔ اور کتنی جانیں شہید ہوئیں مصر و الجزائر کی حکومتیں خاص طور پر دین کے جذبہ کے بیدار ہونے، دینی حمیت کو اور یہ کہنے کو کہ "یہ اسلامی شریعت کے خلاف ہے۔" یہ حکومت کیوں کر رہی ہے اس کو اپنے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں ان کو خطرہ اب نہ اسرائیل سے ہے اور نہ کسی اور غیر مسلم طاقت سے ہے اب اگر خطرہ ہے تو صرف دینی عنصر سے ہے یہ بڑا المیہ ہے ایسا المیہ جہاں جامع ازہر ہے جہاں افریقہ کے جگر پارے افریقہ اور اسلامی ممالک کے لخت جگر ہزاروں کی تعداد میں پڑھتے ہیں اور عالم اسلام میں جامع ازہر کو سب سے بڑا دینی و علمی ادارہ اور جامعہ سمجھا جاتا ہے۔

اس وقت کا جو چیلنج ہے اور تشویشناک حقیقت ہے کہ وہ یہ کہ ہمارے عرب ممالک اسلامی دعوت سے خائف ہیں کوئی طاقتور تحریک نہیں ہے اور کشش رکھنے والی جماعت اور داعیوں سے یہ ممالک محروم ہیں۔

عرب ممالک جن سے ہم کو ایمان کی دولت ملی اور انسانیت کی حقیقت ملی اور جو ہمارے لئے ہدایت کا سبب بنے جن کا ساری دنیا پر وہ احسان ہے جو کسی بڑے سے بڑے فرمانروا قوم کسی بڑی سے بڑی عالی مرتبہ تہذیب کسی بڑے سے بڑے کلچر و ثقافت کا وہ احسان نہیں جو عربوں کا احسان ہے ان ہی کی وجہ سے ہم صاحب ایمان ہیں، حساس و فرض شناس انسان ہیں۔ ان عربوں میں اس وقت دعوت کی آواز صرف یہ کہ دب گئی ہے پست ہوگئی ہے بلکہ گم ہو گئی ہے اور تحریک اخوان المسلمین کے بعد سے معلوم ہوتا ہے کہ سناٹا سا چھا گیا ہے یہاں جو مظالم ہوئے اس کی بناء پر وہاں جو لوگ اس کے اہل تھے وہ لوگ ملک چھوڑ چھوڑ کر چلے گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود مصر میں ایک ایسا دور گزرا ہے کہ ان کے ذہن میں یہ نہیں آتا تھا کہ مسلمان دنیا میں اثر انداز ہو سکتے ہیں چنانچہ جب ہماری کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" قاہرہ سے شائع ہوئی (جس پر ڈاکٹر احمد امین نے ایک کمزور مقدمہ بھی لکھا تھا پھر دوسرا طاقتور مقدمہ سید قطب نے لکھا تھا اور ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ کا مقدمہ بھی تھا) جب ہم مصر گئے تو ایک

اخبار نے لکھا کہ کیا مسلمانوں کے عروج وزوال سے دنیا پر اثر پڑ سکتا ہے؟ کیا نام رکھا ہے اس کتاب کا؟ اس نے انگلی اٹھائی اور تعجب کیا حالانکہ میں نے اقبال کے شعر سے کام لیا ہے اور بالکل یہ شعر اس کا جواب ہے جو انہوں نے ابلیس کی طرف سے نقل کیا ہے۔

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیدار سے
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

مسلمان اس پوزیشن میں کہاں ہیں کہ اس تعداد میں کہاں ہیں کہ دنیا پر اثر انداز ہو سکیں یہ ہے ممالک عربیہ کا اس وقت سب سے بڑا مرض، بڑا خطرہ کہ اسلام کے مستقبل سے وہ مایوس ہوتے جارہے ہیں ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اسلام ہی دنیا کے لئے ذریعہ نجات ہے۔ مذہبی طور پر اخلاقی طور پر، دنیوی طور پر بھی، معاشرتی طور پر بھی اور سیاسی طور پر بھی یہ وہ کام ہے جو اس وقت قدر و قیمت کے لحاظ سے اور اہمیت کے لحاظ سے اہم ترین اور مؤثر ترین کام ہے۔

آپ اپنے اندر وہ قابلیت پیدا کریں کہ آپ عربوں کو متاثر کر سکیں اس کے لئے ضرورت ہے کہ آپ کی زبان وتحریر میں وہ اثر ہو اور وہ شگفتگی، جاذبیت وادبیت ہو کہ عرب کہیں کہ کیا خوب لکھا ہے، چنانچہ الحمدللہ یہاں سے ندوۃ العلماء کی "مجلس تحقیقات ونشریات اسلام" سے وہ لٹریچر عرب ممالک میں جاتا ہے جسے عرب میں جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں اور سناتے ہیں۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ مولوی عبداللہ عباس ندوی صاحب کے مکان پر مکہ معظمہ میں ہم بیٹھے ہوئے تھے استاد عبدالحکیم عابدین ایک رسالہ پڑھنے لگے ہم کو ضرورت پڑی ہم نے کہا کہ ہم ابھی آتے ہیں واپس آئے تو دیکھا کہ وہ پڑھ رہے ہیں اور رو رہے ہیں۔ یہ امام حسن البناء کے بہنوئی تھے اور بڑے خطیب وتعلیم یافتہ جب ہم آئے تو ہمارا نام لے کر کہا کہ یہ کس کی لکھی ہوئی کتاب ہے؟ ہم نے کہا کہ ہمارے برادرزادہ محمد الحسنی کی تو انہوں نے کہا کہ ان کو میرا اسلام کہنا یہ کتاب "**الاسلام بین لا و نعم**" تھی۔

آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی یہاں کے وسائل کے اعتبار سے یہ عظیم کارنامہ ہوگا کہ آپ عربوں میں دین کی دعوت کو پہنچانے کی صلاحیت پیدا کریں اللہ تعالیٰ نے اس کے اسباب مہیا فرمائے ہیں۔ ایک ہدف ونشانہ بنائیں کہ ہم اپنے اندر قابلیت وصلاحیت پیدا کریں جس سے ہم عربوں کو دین پر زیادہ جمنے کی دعوت دے سکیں۔ ہماری کتابوں میں سے "**الی الاسلام**

من جديد" اجاهلية بعد الاسلام اليها العرب؟ الى الراية محمديه ايها العرب،،(۱)
یہ سب وہ کتابیں ہیں جو عربوں کو چونکا دینے والی اور جھنجھوڑنے والی ہیں، وہ کہیں گے کہ ایک عجمی ایک ہندی الثقافۃ ہمیں خطاب کر رہا ہے اس کے اندر اسلام کا اتنا اعتماد ہے جو اعتماد ہمارے اندر اب نہیں رہا ہے اللہ تعالیٰ اگر نفع پہنچادے تو اس سے بڑھ کر تقرب الی اللہ کا کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کے ذریعہ سے اس امت کے افراد میں دین پر اعتماد پیدا ہو جن کے ذریعہ سے یہ نعمت اور یہ دولت ساری دنیا میں پھیلی، ہمارے مدارس عربیہ کے فضلاء میں یہ جذبہ دوسروں سے زیادہ ہونا چاہیے کہ ہم جن کی زبان کے ذریعہ سے دین کو سمجھ رہے ہیں جن سے ہم کو یہ دولت علم ملی ہے اور مل رہی ہے ان کا حق ہے کہ ہم اس کو پھر ان کے پاس لے جائیں ان کے اندر اس کا احساس پیدا ہو اور ان کے اندر یہ غیرت پیدا ہو، وہ استاد ہیں ہم شاگرد وہ پیر ہیں ہم مرید اور وہ ہمارے ہادی ہیں اور ہم مہتدی تو اس لئے "کلیۃ الدعوۃ قائم ہوا ہے وہ ایک بڑے نیک شگون کی بات ہے اور مبارک باد دینے کے لائق ہے اللہ تعالیٰ ہمارے عزیزوں اور رفقائے کار کو جزائے خیر دے۔

اپنے اس عہد میں، اپنے اس ملک میں اپنے ماحول میں آپ یہ کیجئے کہ تعلیم یافتہ طبقہ کو خاص طور پر اور عام مسلمانوں کو عام طور پر سامنے رکھ کر اس حقیقت کو ذہن نشین کریں کہ زمانہ کتنا ہی بدل گیا ہے لیکن دین ابدی ہے اور آج بھی وہ دین صحیح و کامل اور زندہ ہے اور دین ہی اس زمانہ کی رہبری کر سکتا ہے اور اس دین کے ذریعہ ہی سے ہم اس زمانہ میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ فتحیاب ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

یہ تو کام آپ کا ہر جگہ ہے، مقامی طور پر بھی ہے شہر میں بھی ہے، تعلیم یافتہ طبقہ میں خاص طور پر جو پہلے انگریزی تہذیب سے متاثر ہونے لگا ہے اور خطرہ ہے کہ وہ ہندو دیومالا اور تہذیب سے متاثر ہوا اس کو بھی آپ ذہن میں رکھیں، عربی زبان کی تعلیم حاصل کرنے سے یہ فائدہ ذہن میں نہ رکھیں کہ ہم بلاد عربیہ میں جائیں گے۔ اور کہیں جگہ مل گئی تو نوکری کر لیں گے، نہیں تو مؤذن بن جائیں گے۔ امام بن جائیں گے۔

۱۔ ان عربی دعوتی رسائل وکتب کی فہرست مجلس تحقیقات ونشریات سے طلب کی جاسکتی ہے۔

یہ قیمت نہیں ہے آپ کی اور نہ یہ مولانا محمد علی مونگیری صاحب رحمتہ اللہ علیہ ومولانا سید ظہور الاسلام فتح پوری رحمتہ اللہ علیہ' مولانا حکیم سید عبدالحیٔ رحمتہ اللہ علیہ اور دارالعلوم کا منصوبہ بنانے والوں اور اس کو ترقی دینے والوں میں علامہ شبلی نعمانیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ اور ان کے اہل اللہ و عارف باللہ رفقاء ومعاونین کے مقاصد محنتوں اور قربانیوں کی ہے اس کی رسید و شکریہ یہ ہے کہ آپ داعی بنیں' مخالف اسلام تہذیبوں سے مسلمانوں کی مرعوبیت دور کریں جو مغربی مصنفین کی کتابیں پڑھنے سے پیدا ہورہی ہے اور دوسری طرف آپ عربوں سے

"بضاعتنا ردت الینا" کہلوائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ وصلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ واصحابہ۔

صدر ناصر کی مخالفت کیوں؟

۵ جون ۶۷ء کی جنگ اور عربوں کی شکست کے سلسلے میں مصنف نے پیہم جو تنقیدی مضامین لکھے اور عالم عربی کے مختلف شہروں میں جو تقریریں کیں ان میں قدرتاً صدر ناصر کی قیادت اور ان کے رویے اور کردار پر بھی تنقید تھی، اس سے ہندوستان کے بعض دینی حلقوں اور مسلم اخبارات میں یہ سوال اٹھایا گیا کہ صدر ناصر کی اتنی سخت اور پیہم مخالفت کیوں؟ یہ تقریر اس کے جواب میں کی گئی۔

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين ومن تبعهم باحسان ودعىٰ بدعوتهم الى يوم الدين. اما بعد.

مجھے اس کا اقرار ہے

میں ہندوستان میں صدر ناصر کا بہت بڑا مخالف سمجھا جاتا ہوں اور تعجب نہیں اگر بہت سے لوگ مجھے اس ملک میں ان کا سب سے بڑا مخالف سمجھتے ہوں، مجھے بھی اس کا اقرار ہے کہ میں دس بارہ برس سے ان کا شدید مخالف اور ناقد رہا ہوں، اور عربی، اردو دونوں زبانوں میں، نیز تقریر تحریر کے ذریعہ ان پر شدید تنقید کرتا رہا ہوں، میں اپنے اس طرزِ عمل کے بارے میں کسی معذرت اور تاویل کی ضرورت نہیں سمجھتا، البتہ بعض غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے کبھی قدرت وضاحت و تفصیل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اس سلسلہ میں اگر اپنی حقیر ذات سے متعلق بھی کچھ عرض کرنا پڑے اور ''جگ بیتی'' میں تھوڑی سی ''آپ بیتی'' بھی آ جائے تو امید ہے کہ اس کو ایک ضرورت و مجبور سمجھ کر گوارا کیا جائے گا۔

نہ غلط فہمی نہ خام خیالی

صدر ناصر سے میری مخالفت کی بنیاد عام طور پر یہ سمجھی جاتی ہے کہ وہ قومیت عربیہ کے اس وقت سب سے بڑے علمبردار ہیں، اور میں اس کا شدید مخالف، اس کا کوئی شبہہ نہیں کہ میں قومیت عربیہ کو اس کے اعتقادی اور فلسفیانہ تصور کے ساتھ، جو مغربی ''نیشنلزم'' کا حقیقی

مفہوم اور مزاج ہے، عالمگیر اخوت اسلامی اور "جامعہ اسلامیہ" کا رقیب اور حریف سمجھتا ہوں، اور اس بارہ میں تاریخ وسیاست کے ایک طالب علم اور دنیا کے تجربات وواقعات سے سبق لینے والے ایک انسان کی حیثیت سے کسی غلط فہمی اور خام خیالی میں مبتلا نہیں ہوں، اور نہ کسی جماعتی تعصب اور فقیہانہ تشدد کا شکار ہوں، اس اندیشہ کی تصدیق کے لئے عرب قوم پرست رہنماؤں کی تحریروں، تقریروں اور ان کے اعلانات وبیانات کی شہادت کافی ہے، جس کا ایک حصہ میں نے اپنے اس رسالہ میں بھی نقل کیا ہے جو "عرب قوم پرستی اسلامی نقطہ نظر سے خطرناک کیوں؟" کے نام سے ۶۴ء میں شائع ہوا تھا، اور میں نے اس کی چند محدود کاپیاں حال ہی میں مخصوص اہل علم اور ممتاز اصحاب کے پاس بھجوائی ہیں، اس قوم پرستی کی تخریبی صلاحیت اس کی ہلاکت آفرینی، اس کی انانیت پروری، اور اس کی جارحانہ فطرت کے متعلق جدید سیاسی لٹریچر میں اتنا لکھا جاچکا ہے کہ اس پر اب کسی اضافے کی گنجائش نہیں، ہمارے اس دور میں خود مغرب میں اس کو رجعت پسندی اور فرسودہ خیالی کی علامت سمجھا گیا ہے، ایک مسلمان کی حیثیت سے جس کا عقیدہ "ان هذا امتكم امة واحدة وانا ربكم فاعبدون" کا قائل ہے۔

یہ فرض ہے کہ دنیا کے کسی گوشے اور خصوصیت کے ساتھ وسیع دنیائے اسلام کے کسی دور دراز حصے میں بھی قومیت کا نعرہ بلند کیا جائے تو وہ اس سے نبرد آزما اور برسر پیکار ہو جائے، اس بنا پر ان قائدین نے جن کو اسلامی جمعیت اور ایمانی فراست سے حصہ وافر ملا تھا، تُرک قوم پرستی، ایرانی قوم پرستی، افغانی قوم پرستی، یہاں تک کہ ہندوستانی نیشنلزم تک کی مخالفت کی۔

چو کفر از کعبہ برخیزد

لیکن یہ نعرہ جب اس سرزمین سے بلند کیا جاتا ہے، جہاں دنیا کے بتکدوں کے بجائے خدا کا گھر بنایا گیا تھا، اور جس کو اس دعوت اخوت وپیغام انسانیت کا آخری اور سب سے مضبوط حصار قرار دیا گیا تھا تو ایک ایسے شخص کے لئے جس کا اس کو یقین ہے کہ اسلام خدا کا آخری دین اور عرب اس کے حامل وامین ہیں، یہ بات برداشت سے باہر ہو جاتی ہے کہ وہ اس کو کسی بڑے سے بڑے سیاسی یا مادی مفاد کی خاطر نظر انداز کر دے، اور وہ ایک ذہنی وروحانی کرب کے ساتھ بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ ؎

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟

اخوت اسلامی کی حریف نبوت محمدیؐ کی رقیب

اس قوم پرستی میں جب قدیم تہذیب کے احیاء کی سرمستی، اور آباء پرستی کا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے تو وہ نہ صرف اخوت اسلامی کی حریف، بلکہ نبوت محمدی کی رقیب بھی بنتی نظر آتی ہے، وہ جس رفتار سے ترقی کرتی ہے، اس رفتار سے محمد رسول اللہؐ کی سیادت وامامت کا عقیدہ، اور ان کے "دانائے سبل" اور "مولائے کل" ہونے کا اعتماد بھی کمزور ہوتا چلا جاتا ہے، یہ سب اندیشہ ہائے دور دراز اور تخیل پرور ذہانت کے کرشے نہیں ہیں، وہ حقائق ہیں، جن کا غالی عرب قوم پرستوں کے مضامین پر جوش عرب نو جوانوں کی مجلسوں اور مصر وشام کی ادبی اور سیاسی مجلسوں میں ہر وقت مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، اور ہمارے محدود علمی ذخیرے میں اس کا خاصہ حصہ محفوظ ہے، صدر ناصر کی ذات سے اس عرب قوم پرستی کو جو قوت وتازگی اور جو بین الاقوامی اہمیت حاصل ہوئی اس سے کوئی انصاف پسند انکار نہیں کر سکتا، اس بنا پر اگر کوئی ایسا شخص جو عربوں کو اسلام کا راس المال، اور ان کی مقدس سرزمین کو دنیائے اسلام کا روحانی دارالسلطنت، اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قلعہ سمجھتا ہے، بے چینی محسوس کرے، اور اس کے قلب وقلم سے کچھ آہ وفغان نکل جائے تو تعجب کی کوئی بات نہیں کہ۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں؟

ایک بڑی دینی سعادت

میرے لئے اس عرب قوم پرستی کی بنیاد پر صدر ناصر کی مخالفت ایک بڑی دینی سعادت تھی اور ہے، اور میں اس پر کوئی شرمندگی محسوس نہیں کرتا، لیکن میری مخالفت کی بنیاد تنہا یہ بات نہیں، انصاف کی بات یہ ہے کہ شام کے بعثی لیڈر اور عراق کے متعدد قوم پرست مفکر اور صاحب قلم، اس بارے میں صدر ناصر سے زیادہ غلو رکھتے ہیں، انھوں نے اس کو ایک فلسفہ کے طور پر اور اسلام کے متوازی ایک نظام کی حیثیت سے پیش کیا، اس کے متعدد نمونے میری کتاب، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش میں آچکے ہیں، لیکن میں ان میں سے

کسی کو عالم عربی کی روح، اور دنیائے عرب کی آئندہ نسلوں کے لئے خطرناک نہیں سمجھتا کہ ان کو اپنی مخالفت وتنقید کا مستقل موضوع بناؤں، اور ان پر بار بار توجہ کروں۔

نامذہبیت، مادیت اور کمیونزم کا نقیب اور داعی

صدر ناصر سے میری مخالفت کی بنیاد اس سے کہیں زیادہ گہری، وسیع اور معنی خیز ہے، وہ تنہا قومیت عربیہ کے علمبردار نہیں، وہ عالم عربی میں ایک بنیادی، ہمہ گیر اور نہایت دوررس تبدیلی کے داعی اور علمبردار ہیں، وہ عالم عربی کا رخ اس مرکزی نقطہ سے ہٹا کر، جو اس کے فکر وعمل، شوق وتمنا اور جذبہ وجوش کا قبلہ رہا ہے، ہمہ گیر مادیت اور نامذہبیت کی طرف پھیرنا چاہتے ہیں، اور اس مقصد کے حصول کے لئے وہ ایسے دوررس اور وسیع انتظامات اور تبدیلیاں کررہے ہیں، جن کا اثر (اگر کوئی عظیم انقلاب اور غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا تو) نسلوں اور صدیوں تک قائم رہے گا، ان کو اس مقصد کے حصول کے لئے وہ وسائل ومواقع اور وہ اثر ورسوخ بھی حاصل ہوگیا ہے، جو اس وقت تک کمال اتاترک کی ترکی میں قیادت کے مختصر دور کو مستثنیٰ کر کے ابھی تک کسی اسلامی ملک کے قائد یا سربراہ کو حاصل نہیں ہوا تھا، اور وہ پورے عزم وتنظیم اور ایک سوچی سمجھی اسکیم کے ساتھ اس منزل کی طرف رواں دواں ہیں، وہ نہ صرف مصر بلکہ پورے مشرق وسطیٰ میں کمیونزم کے سب سے بڑے نقیب اور سب سے موثر داعی ہیں، وہ اگرچہ ہمیشہ ''اشتراکیت عربیہ'' اور اب کچھ عرصے سے ''اشتراکیت علمیہ'' کا نام لیتے ہیں، لیکن درحقیقت ان کی منزل مقصود اور ان کا منتہائے نظر، اشتمالیت یا کمیونزم ہے۔

ہندوستان کے طبقۂ علماء سے گلہ

افسوس ہے کہ ہمارے ہندوستان کے بہت سے اہل علم، ممالک عربیہ کے جدید تغیرات اور تازہ واقعات سے پورے طور پر واقف نہیں، ان کو اندازہ نہیں کہ اس مدت میں وہاں کیا فکر، اور ذہنی انقلاب رونما ہوگیا، اور معاملہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے، ان کا ذریعہ معلومات زیادہ سے زیادہ مصر وشام کے چند مذہبی رسالے اور علمی وفقہی تصنیفات، یا وہ معلومات ہیں، جن کی ان ملکوں کے سفارت خانے اشاعت کرتے رہتے ہیں، وہ سمجھ رہے ہیں کہ وہاں جو کچھ ہورہا

ہے ، وہ صرف سرمایہ دار طبقے کی چند ناانصافیوں کا خاتمہ، مصری معاشرہ کی اصلاح اور معاشی زندگی کی تنظیم ہے، ان میں سے بہت سے لوگ اب بھی اس طرز عمل کے لئے قرآن مجید کی آیات سے استدلال اور حضرت ابوذر غفاریؓ کی زندگی سے مثال پیش کرتے ہیں۔

مصر کی اشتراکیت کو روس کی سند قبولیت

حالانکہ اب مصر کی ''اشتراکیت'' کو خود سوویت دیس کے ذمہ دار اور سربراہ سند دے چکے ہیں، اور وہ اس کی پیش رفت وترقی اور حکمت عملی سے بالکل مطمئن ہیں، میں یہاں پر روسی ذمہ داروں اور کمیونزم کے سرکاری نمائندوں کے چند بیانات پیش کرتا ہوں۔

''متحدہ عرب جمہوریہ نے اپنے جن اہم اور بنیادی منصوبوں کا اعلان کیا ہے، اور جن میں سوشلسٹ سماج کی تعبیر بھی شامل ہے، ان کو سوویت عوام کی مکمل تائید وحمایت حاصل ہے اور وہ اس کی پوری طرح قدر کرتے ہیں''۔

آگے لکھتا ہے:

''واقعہ یہ ہے کہ متحدہ عرب جمہوریہ اور سوویت یونین کے تعلقات عام تعاون کے دائرے سے بلند ہیں، وہ سیاست خارجہ میں لینن کے اصولوں کی بنیاد پر قائم ہیں''۔

مصر کے قومی منشور ''المیثاق الوطنی'' پر تبصرہ کرتے ہوئے کوسی گن نے اپنی جو رائے ظاہر کی تھی، اس کو مصر کے مشہور اخبار ''الاھرام'' (یاد رہے کہ مصر میں تمام اخبار قومیائے جا چکے ہیں) نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

''میثاق وطنی کی ایک اہم اور اصولی دستاویز کی حیثیت سے ہماری نظر میں بڑی اہمیت ہے''۔

(الاہرام ۱۲/ مئی ۶۶ء)

''سوویت نیوز'' یہ بھی شائع ہو چکا ہے کہ انقلاب مصر کے چودہویں جشن کے موقع پر صدر برزنیف اور وزیر اعظم کوسی گن نے جو تہنیتی پیغام بھیجے ان میں کہا گیا ہے کہ

''روسی، مصری قوم اور حکومت مصر کی ان کامیابیوں پر دلی مصرت کا اظہار کرتے ہیں، جو انھوں نے ایک اشتراکی اور جمہوری سماجی کی تعمیر میں اپنی انتھک اور پیہم کوششوں کے ذریعہ حاصل کی ہیں''۔

مساجد اور مدارس دینیہ اشتراکی سماج کی معمار

ان کوششوں کی تفصیل کے لئے، جو خالص مذہبی اداروں (مساجد و مدارس دینیہ) سے لے کر، ادب، صحافت، وسیاست کے حلقوں اور میدانوں تک پھیلی ہوئی ہیں، اور یہ معلوم کرنے کے لئے موجودہ نسل کو نئے قالب میں ڈھالنے اور آنے والی نسلوں کو اسی معیار کے مطابق پیدا کرنے کے لئے کیسی پرعزم اور منظم کوشش ہو رہی ہے، اس کی ضرورت تھی کہ کم سے کم اس دس برس کے عرصہ کے مصری اخبارات ورسائل کے فائلوں اور سرکاری منشورات و مطبوعات پر نظر ڈالی جائے، لیکن یہ بات چونکہ ہندوستان میں آسانی سے ممکن نہیں اس لئے یہاں صرف چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

مصر کے سرکاری اخبار'' الجمہوریہ'' میں ۱۵ جولائی ۶۶ ء کے شمارہ کے مذہبی ضمیمہ (الملحق الدینی) میں وزارت اوقاف کے ترجمان کا حسب ذیل بیان شائع ہوا:

'' وزارت اوقاف قدرتی طور پر ایک ایسی یونیورسٹی میں تبدیل ہوگئی ہے جس کا مقصد اور جس کا مشن، عرب سماج میں سوشلسٹ اصولوں کا نفاذ ہے''۔

وہ آگے کہتے ہیں:

'' جدید انقلاب کا مقصد یہ ہے کہ مساجد کو ایسا کر دیا جائے کہ، وہ سوشلسٹ سماج میں اپنا کردار ادا کرسکیں، اور ایسا فرد صالح تیار کرسکیں جو جدید ترقی پسندانہ اور اشتراکی سماج میں حصہ لے سکے''۔

ڈاکٹر احمد کمال، مصر کے سرکاری مذہبی رسالہ'' منبر الاسلام'' میں لکھتے ہیں:

'' ہر مسجد ادارے کے ماتحت ہوگی، اور اس ادارے کی نگرانی عرب سوشلسٹ یونین کی مقامی شاخ کے سپرد ہوگی، اور یہ شاخیں ایک عمومی تنظیم کے ساتھ مربوط ہوں گی، جن کا کام یہ ہوگا کہ وہ اپنے حلقوں میں سوشلسٹ ثقافت کے پروگراموں اور منصوبوں کو روشناس کراسکیں۔

کمیونزم کا عربی ایڈیشن

ان اقتباسات میں اگرچہ ہر جگہ اشتراکیت کی اصطلاح آئی ہے اور بظاہر کمیونزم سے ایک مختلف نظریہ نظر آتا ہے، جس میں کمیونزم کی انتہا پسندی اور غلو نہیں ہے، لیکن یہ درحقیقت اشتمالیت اور کمیونزم کی پہلی منزل اور اس کا عربی ایڈیشن ہے، جس کو حالات کی مجبوری کی بنا پر اختیار کیا گیا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے ذمہ دار اور راسخ العقیدہ رہنما کبھی اس پر اظہار اطمینان وخوشنودی نہ کرتے۔

اشتراکیت اور نامذہبیت کی ہمہ گیر کوشش کا نتیجہ

اشتراکیت اور نامذہبیت کی اس بھرپور ہمہ گیر اور منظم کوشش کا نتیجہ یہ ہے کہ اس دس بارہ برس کے عرصہ میں مصر اور شام اور عراق میں خصوصیت کے ساتھ اور دوسرے عرب ممالک میں عمومیت کے ساتھ نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ، اندر سے اتنا بدل چکا ہے اور اس تیزی کے ساتھ بدلتا چلا جا رہا ہے کہ اس کا اندازہ یہاں بیٹھ کر کرنا مشکل ہے اگر ہمارے علماء دین ان کی بے تکلف مجلسوں میں شریک ہو کر ان کے اصلی خیالات اور اندرونی جذبات سنیں تو شاید وہ سر پکڑ کر بیٹھ جائیں کہ اس عرصہ میں اسلام کے اس بنیادی مرکز میں اتنا عظیم انقلاب رونما ہو چکا ہے، وہ انقلاب جس کو بعض اوقات صرف ذہنی وتہذیبی ارتداد نہیں بلکہ (سخت قلبی اذیت کے ساتھ) اعتقادی ارتداد بھی کہنا پڑے گا۔

اولاد ابراہیمؑ کی آذری وبت تراشی

یہ انقلاب جہاں بھی رونما ہوا، اور جہاں بھی اس کے رونما ہونے کا خطرہ محسوس ہو، افسوسناک وتشویش انگیز ہے، لیکن جب یہ انقلاب ایک ایسے میدان میں رونما ہونے لگتا ہے، جس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی اولین وبہترین کوششیں صرف ہوئیں، اور جو ان کی تمناؤں کا مرکز اور قیامت تک آنے والی مسلمان نسلوں کی امید گاہ ہے، تو معاملے کی سنگینی اور تشویش کا پہلو بہت بڑھ جاتا ہے، جب ایک مسلمان، اولاد ابراہیمؑ کو آذری وبت تراشی کرتے ہوئے دیکھتا ہے، اور جن کو خدا نے دنیا کا مرکز اور جن کے شہر کو عالم اسلام کا قبلہ

بنایا تھا، وہ کعبہ کا طواف کرنے کے بجائے بار بار ماسکو کا حرام باندھتے، اور کریملن کا طواف کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں، تو دنیا نگاہوں میں اندھیر ہو جاتی ہے، اور بے اختیار زبان وقلم سے فریاد نکل جاتی ہے۔

دل عبث لب پہ شکوہ دانہ کند
شیشہ تانہ شکند صدا نہ کند

عالم عربی سے میرے گہرے روابط

میں اس کو اپنی بدقسمتی سمجھوں یا خوش قسمتی کہ مجھے عالم عربی کی کمزوریوں اور بیماریوں اور اس کے سر پر منڈلانے والے خطرات سے واقفیت کے وہ مواقع حاصل ہوئے جو (خاص اسباب وحالات کی بنا پر) ہندوستان میں میرے محدود علم میں بہت کم لوگوں کو حاصل ہوئے ہوں گے، میری تعلیم وتربیت شروع سے عرب اساتذہ کے ماتحت ہوئی اور بدو شعور ہی سے اس سرزمین سے اپنے وطن کا سا انس اور واقفیت پیدا ہوگی، ۴۷ء سے پہلے مجھے ہندوستان سے باہر جانے کا اتفاق نہیں ہوا، لیکن عرب کی کسی سرزمین پر قدم رکھنے سے پہلے میں وہاں کی تحریکات، رجحانات، مکاتب خیال اور شخصیتوں سے اتنا واقف ہو گیا تھا کہ مجھے کسی عرب ملک میں کبھی اجنبیت اور بیگانگی کا احساس نہیں ہوا، اس کے بعد بار بار مجھے مشرق وسطی کے دورے کا موقع ملا، اور تقریباً پوری عرب دنیا کی سیاحت کی، سیاحت بھی، زائرانہ نہیں محرمانہ، میں عربی دنیا کے تمام اہم مرکزوں میں مہینوں اور ہفتوں رہا ہوں، اور ایک فرد خاندان کی حیثیت سے ان کی زندگی کے مطالعے اور ان کے حقیقی خیالات وجذبات سے واقفیت کا موقع ملا ہے، معذرت اور احساس ندامت کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ مجھے ان کے فطری محاسن ان کے قومی خصائص، ان کے خداداد کمالات، ان کی حسن طبیعت، ان کے سوز دروں، اس کے ساتھ ان کی مشکلات، ان آزمائشوں، ان کے مسائل اور ان کے مصائب کا جیسا علم ہے، قدرتی طور پر بہت سے ان اصحاب کو نہیں ہے، جو اپنے علم وفضل، دین وتقویٰ، علمی کمالات یا سیاسی خدمات میں مجھ سے بدرجہا فائق اور میرے لئے لائق صد عزت واحترام ہیں، یہ کوئی کمال نہیں، حکمت الٰہی کی کرشمہ سازی ہے، محض انعام نہیں، امتحان وآزمائش بھی ہے، عربوں کی عالی ظرفی، طبعی شرافت کریم

النفسی ،اوراخوت اسلامی کا کرشمہ تھا کہ انھوں نے مجھے ایک فرد خاندان کی طرح ،اپنے حالات پر تبصرہ وتنقید کرنے ،اپنے مسائل پر بحث کرنے ،اوران کا حل پیش کرنے کی اجازت دی ،اور اس کو نہ صرف خندہ پیشانی اور بشاشت کے ساتھ ، بلکہ ان خیالات کی اشاعت اورتوسیع کی مخلصانہ کوششیں کیں۔

عربوں کی کمزوریوں،خامیوں اورکوتاہیوں پرآزادانہ تنقید

۲۳ جولائی ۱۹۵۱ء کو میں نے دمشق یونیورسٹی کے ہال میں ممبران پارلیمنٹ ،اساتذہ ، جامعہ علماء اورعمائد شہر کے جلسہ میں جس کی صدارت یونیورسٹی کے عیسائی وائس چانسلر مشہور عرب فاضل قسطنطنیں زریق کررہے تھے،فلسطین کے مسئلہ اوراس کے حل پر اپنا مقالہ پڑھا جو" فلسطین کے المیے کے بنیادی اسباب" کے نام سے دمشق ، بیروت اور بغداد میں بار بار چھپا ہے، میں نے اس مقالہ میں موجودہ عربوں کی بنیادی کمزوریوں ،ان کے رہنما کی خامیوں اور کوتاہیوں پر آزادانہ تنقید کرتے ہوئے مسئلہ فلسطین کا حال پیش کیا تھا،عربوں نے اس مشورے کو جو ایک مسافر اور غیر ملکی کی زبان سے پیش ہوا تھا،اورجس میں تنقید کی تلخی بھی تھی ، نہ یہ کہہ کر رد کردیا کہ" یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے، باہر کے کسی آدمی کو مشورہ دینے کا کیا حق ہے؟" اور نہ وہ اس صاف گوئی اور احتساب پر چیں بہ جبیں ہوئے ،اسی طرح ۵۶ء میں موتمر اسلامی دمشق کے جلسے میں" مسئلہ فلسطن کا تعلق اسلام کے دینی شعور کی بیداری سے" کے عنوان سے میں نے پھر ایک مقالہ پڑھا اوراس کی اسی طرح پذیرائی ہوئی ،اسی طرح دمشق ،بیروت ،عمان ، بغداد اور مکہ معظمہ میں عرب دوستوں کے سامنے اپنے ناقدانہ خیالات اپنے مخلصانہ مشورے اوراپنے تاثرات وجذبات پیش کرنے کا بار بار اتفاق ہوا اورانھوں نے ہمیشہ فراخ دلی اور عالی ظرفی دیتے ہوئے ان کا پر جوش خیر مقدم کیا۔

"نوامری عربی رہی"

یہ ذاتی داستان جس کا سنانا میرے لئے کچھ زیادہ خوشگوار وآسان کام نہیں ہے،اس لئے پیش کی گئی کہ ناظرین کو معلوم ہوجائے کہ میں نہ عربی دنیا سے بیگانہ اوراجنبی ہوں نہ میری

معلومات سکنڈ ہینڈ ہیں، اور نہ میں نے عرب رہنماؤں پر تنقید کا کام اور عربوں کی زندگی کے احتساب کا فریضہ، ان کے مصائب اور ان کی ناکامیوں کے اسباب پر بحث کا سلسلہ صرف عرب واسرائیل کی اس جنگ کے موقع پر شروع کیا ہے، اور نہ میں اچانک اور بے وقت اس میدان میں آ گیا ہوں، میں اپنے کو (ایک مسلمان کے رشتے سے بھی اور عربی ثقافت کے ناطے سے بھی) اس وسیع وعظیم عرب خاندان کا جو مراکش سے بغداد تک پھیلا ہوا ہے، ایک فرد سمجھتا ہوں، ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوں، میری قسمت ان کی قسمت سے وابستہ ہے، ان کی عزت سے میری عزت اور ان کی ذلت سے میری ذلت ہے، میرے تخیلات کی دنیا، میری تمناؤں کا مرکز، میرے طائر روح کا حقیقی نشیمن، عرب کی محبوب سرزمین، اس کی زبان وادب اور اس کی تہذیب وثقافت رہی ہے، عربی دنیا کے اس پورے اثاثہ اور سرمایہ پر (جس کی حفاظت اور سربلندی کے لئے قومیت عربیہ کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے) میرا حق، کسی طٰہ حسین، کسی عقاد، کسی احمد امین یا کسی کرد علی سے کم نہیں، میرا خمیر اور میرا آب وگل ہندوستان کی سرزمین سے ہے، مجھے اس کا اعتراف بھی ہے اس پر فخر بھی، لیکن میں نے اردو سے زیادہ عربی زبان کو اپنے اظہار خیال کا ذریعہ بنایا، اور مجھے اقبال کے الفاظ میں یہ دعویٰ کرنے کا حق ہے کہ

میرا ساز گرچہ ستم رسیدۂ زخمہائے عجم رہا
وہ شہید ذوق وفا ہوں میں کہ نوا مری عربی رہی

عرب دنیا ایک فیصلہ کن دوراہے پر

مجھے بار بار جو چیز ہندوستان میں اس فغاں سنجی اور تلخ نوائی پر مجبور کرتی ہے، اور جس کی وجہ سے میں عالم عربی کی ان شخصیتوں پر بھی تنقید سے باز نہیں رہ سکتا، جن کو عربی دنیا اور بیرونی ممالک میں بھی بڑی مقبولیت حاصل ہے، وہ میری یہ مجبوری ہے کہ میں ان خطرات سے آنکھیں نہیں بند کرسکتا، جو موجودہ عالم عربی میں اسلام کو بحیثیت مکمل اور آخری دین کے اور عربوں کو اس کے پرجوش داعی، اور وفادار سپاہی کے درپیش ہیں، آج عالم عربی (ان انقلابی رہنماؤں اور فوجی ڈکٹیٹروں کی بدولت جو مصر وشام، عراق اور الجزائر پر قابض ہیں، افسوس کہ اب اس فہرست میں لیبیا اور سوڈان کا بھی اضافہ ہوگیا) ایک ایسے ذہنی بحران سے دوچار ہے،

جس کی مثال ظہور اسلام کے بعد سے اس وقت تک نہیں ملتی، آج عرب دنیا ایک فیصلہ کن دوراہے پر کھڑی ہے، اگر موجودہ انقلابی قیادتیں، جو صرف ماسکو کی خیمہ بردار ہیں، کامیاب ہو گئیں تو خدانخواستہ عرب دنیا اسلام سے اتنی دور ہو جائے گی کہ پھر اس کو اسلام کی طرف لانے کے لئے کسی معجزے کے ظہور اور کسی مسیحا نفس داعی اور مجدد کے پیدا ہونے کی ضرورت ہوگی، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کی خداداد صلاحیتیں اور اس کی بے نظیر قوت عمل، اسلامی اثرات کے ازالہ میں صرف ہوں گی، جس کے آثار اس وقت بھی ان ممالک میں دیکھے جا سکتے ہیں، آج وہاں دین کے داعیوں کی "سرکوبی" اور دینی شعائر کے مٹانے کے لئے اس عزم وصلاحیت کا اظہار کیا جا رہا ہے، جس کی نظیر غیر اسلامی ملکوں میں ملنی مشکل ہے، میں اس حقیقت کے اظہار کے لئے دل سے معذرت خواہ ہوں۔

علماء کی اکثریت سطحیت کی شکار

ہمارے ملک کے بہت سے علماء کی سطحی قسم کی سیاسی دلچسپیاں ترکی کے پچھلے دور کے علماء کی طرح اتنی بڑھ گئی ہیں کہ ان کو فکر و مطالعہ اور روزمرہ کے واقعات وحقائق کے ساتھ اپنے کو ہم آہنگ رکھنے کا موقع نہیں ملتا، اس کا نتیجہ ہے کہ ان کو بہت سے انقلابات کی اس وقت خبر ہوتی ہے، جب وہ اپنے نقطہ عروج پر پہونچ جاتے ہیں، اور ان کے فطری نتائج ظاہر ہونے لگتے ہیں، یہی معاملہ ترکی کے انقلاب کے موقع پر پیش آیا کہ ہمارے علماء عرصہ تک (اور شاید بعض اب بھی) کمال اتاترک کو اسلام کا بطل اعظم اور مجدد سمجھتے رہے اور ان کو اس کے دورس اقدامات اور ترکی کو معروف سانچے میں ڈھالنے کی کوششوں کا علم اس وقت ہوا، جب وہ اپنی آخری شکل کو پہونچ گئیں اور اس کا خطرہ محسوس ہونے لگا کہ ترکی کا رشتہ عالمگیر اسلامی برادری، یہاں تک کہ اپنے ماضی اور اپنی قدیم ثقافت سے بالکل منقطع ہو جائے گا۔

اس طبقہ کی دوسری کمزوری

علماء کے اس طبقہ کی، جو سیاسی مزاج رکھتا ہے، دوسری کمزوری یہ ہے کہ وہ جب کسی مسلمان قائد کو کسی مغربی طاقت کو چیلنج کرتے ہوئے اور اس سے آنکھیں ملاتے ہوئے دیکھتا

ہے، یا وہ کسی موقع پر کسی مغربی طاقت بالخصوص برطانیہ کو زک پہونچا دیتا ہے، تو پھر وہ اس کارنامہ کو اس کی عظمت کے ثبوت کے لئے کافی سمجھ لیتا ہے، اور پھر وہ نہ صرف اس کی دینی کوتاہیوں اور نافہمیوں سے چشم پوشی ضروری سمجھتا ہے، بلکہ بعض اوقات اس کی اسلام دشمنی بھی اس کی نظر میں کچھ زیادہ قابل لحاظ و لائق التفات نہیں ٹھہرتی، اور وہ اس پر ادنیٰ سی تنقید بھی گوارا نہیں کرتا، بلکہ بعض اوقات تنقید کرنے والے کو پوری ناخدا ترسی کے ساتھ ضمیر فروش اور برطانیہ نواز یا امریکہ کے زر خرید کا خطاب دینے لگتا ہے۔

اصل معیار اسلام سے وابستگی اور ناوابستگی

کسی حقیقت پسند و متوازن انسان کے لئے بھی یہ رویہ مناسب اور درست نہیں چہ جائے کہ ان لوگوں کے لئے جن کو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشین اور ان کے دین وشریعت کے وارث و امین ہونے کا دعویٰ ہے، جو چاہتے ہیں کہ دنیا ان کو اس نگاہ سے دیکھے جن کا اس طبقہ سے انتساب اور تعلق ہے، جس کی پسندیدگی و ناپسندیدگی حمایت و مخالفت کا اصل معیار، ایمان وعقیدہ کا مسئلہ اور اسلام سے وابستگی و ناوابستگی کا سوال تھا، ان کے سامنے تو حضرت عمرؓ، وحضرت علیؓ کا اسوۂ ہونا چاہئے جن کے نزدیک حدود شریعت کی حفاظت کے لئے ایک قیمتی سے قیمتی شخص کا ضائع کر دینا اور آئی ہوئی سلطنت کو کھو دینا جائز اور معقول تھا۔

"یہ تو آباء تھے تمہارے"

اور صحابہ اور ائمہ اسلام کے اس عمومی نمونے کے علاوہ خود ان کے اکابر کا اسوہ ان کے سامنے ہونا چاہئے، انھوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک، اصول وعقائد تو الگ رہے، بدعات ورسوم کے ساتھ بھی رواداری نہیں برتی، اور بہت سے اصلاحی وتبلیغی فوائد کے باوجود، جو ان کے اختیار میں متوقع تھے، ان سے اختلاف ہی کرتے رہے، اور عوام کی ایک بڑی تعداد کی ملامت واعتراض کا نشانہ بننا گوارا کیا، انھوں نے کسی شخص کی ظاہری ترقی، مادی کامیابی اور اس کی سیاسی فتوحات کی بنا پر اس کے دینی انحراف یا عمل تحریف کو معاف نہیں کیا، اور اس کا پوری اخلاقی جرأت کے ساتھ احتساب کیا اور بعض اوقات ان کو یہ فرض، عوام کے جذبات اور زمانے

کے سیلاب کے خلاف ادا کرنا پڑتا، اور وہ ''کلمة حق عند سلطان جائر'' کے ثواب کے مستحق ہوئے۔

صدر ناصر ناکام ترین لیڈر

جہاں تک صدر ناصر کی ذات اور قیادت کا تعلق ہے، ان کو تو اتاترک کی طرح کوئی ایسی ''فتح مبین''، بھی حاصل نہیں ہوئی، جس کی وجہ سے کسی کو صحیح فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا، بلکہ معاملہ بالکل برعکس ہے، اس پندرہ سولہ برس کی مسلسل تیشہ زنی اور ''کوہ کنی'' کا ماحصل اور خلاصہ ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' کے سوا کچھ نہیں نکلا، یہ ممالک جوان ڈکٹیٹروں کے اقتدار میں ہیں، اپنے بہترین فرزندوں اور منتخب مردان کار سے محروم ہو گئے ہیں، دینی اخلاقی، علمی اور حد یہ ہے کہ سیاسی اور معاشی حیثیت سے بھی یکسر دیوالیہ اور کھوکھلے ہیں، عام زندگی پورے طور پر مفلوج ہو کر رہ گئی ہے، جمہوری زندگی کی کوئی نشان وعلامت اور اظہار خیال کی کوئی آزادی پائی نہیں جاتی، معاشی حیثیت سے سخت تباہ حال وخستہ ہیں، ملک کی آمدنی کے تمام وسائل وذخائر ایک ذات کے پروپیگنڈے اور اس کی پارٹی کی تشہیر اور حفاظت میں صرف ہو رہے ہیں، ایک عام شہری اس سے زیادہ تباہ حال ہے، جتنا استعمار کے منحوس دور یا شخصی سلطنت کے معتوب عہد میں تھا، زندگی، ضمیر، روح کسی کو بھی کوئی آسودگی اور لذت حاصل نہیں، چشم دید گواہوں کا بیان ہے، کہ ایک فاروق کے بجائے اب ہر بڑا فوجی افسر اور پارٹی کا لیڈر فاروق بنا ہوا ہے، یہ وہ سب حقائق ہیں جواب دنیا کے سامنے آچکے ہیں م، ان پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔

امید کی ایک کرن تھی مگر.........

امید کی صرف ایک کرن تھی، جو ان ساری تاریکیوں پر حاوی وغالب ہو سکتی تھی، وہ یہ کہ فلسطین کو آزاد کرالیا جائے گا، اسرائیل کو اگر پورے طور پر تباہ نہ کر دیا جائے گا تو کم سے کم اس کو اس کے جرائم کی ایسی سزا دی جائے گی کہ وہ برسوں تک عربوں کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھ سکے گا، اس پندرہ برس کے عرصہ میں سب سے زیادہ اسی کی امید دلائی جاتی رہی، اسی نام پر عربوں کو اتحاد کی دعوت اور قومیت عربیہ کے جھنڈے کے نیچے آنے کا پیام دیا گیا، اسی کی خاطر ماسکو اور

کمیونسٹ ممالک سے روابط پیدا کئے گئے اور عربی خودداری، اسلامی غیرت اور کمیونسٹ ممالک سے تعلقات کے نتائج کو نظر انداز کر کے اسلحہ جنگی وسائل وحربی ذخائر کی دریوزہ گری میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا گیا، مصر کی قیادت میں اخیر دنوں میں بانگ دہل یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ ہم اسرائیل کو صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دیں گے، اور ایسا ہونا ان تیاریوں کے پیش نظر اور ان تقریروں اور اعلان کی روشنی میں، جن سے زمین وآسمان بھر گئے تھے، قرین قیاس تھا، اس میں تو کسی کو بھی شبہ نہ تھا کہ اسرائیل کو اس مقابلہ میں ایسی زک اٹھانی پڑے گی کہ وہ برسوں جنگ کا خواب بھی نہ دیکھ سکے گا، بات صرف یہیں تک محدود نہیں رہی بلکہ مصر نے آبنائے تیران اور خلیج عقبہ کی ناکہ بندی کر دی اور اسرائیل کے جہازوں کو گزرنے کی اجازت منسوخ کر دی، اقوام متحدہ کے فوجی حفاظتی دستہ کو ہٹ جانا پڑا۔

شرمناک ہزیمت

مصر میں جنگ کا بادل برسنے کو تلا کھڑا تھا اور ساری دنیا کی نگاہیں اس کی افق پر لگی ہوئی تھیں کہ اسرائیل نے حملہ کر دیا، لوگ ان ۱۵ برسوں کی تیاری کے نتیجہ دیکھنے کے لئے سراپا اشتیاق تھے کہ اچانک مصری فوجوں کی پسپائی کی خبریں آنے لگیں، اسرائیل کے ہوائی حملے نے چند گھنٹوں میں مصر کی فضائی طاقت کا خاتمہ کر دیا، یہودی (جن کی بزدلی کم سے کم عالم اسلام میں ضرب المثل تھی) یلغار کرتے ہوئے چلے آئے اور ان کو کہیں بھی روکا نہ جا سکا جزیرہ نمائے سینا پر یہود کا قبضہ ہو گیا، تیران وعقبہ سے مصری فوجیں بے دخل ہو گئیں، نہر سوئز کو بند کر دینا پڑا اور اس پر یہودیوں نے اپنے حق کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا، اس طرح صدر ناصر کے اس سب سے بڑے کارنامہ پر بھی پانی پھر گیا، اردنی علاقہ میں الخلیل کا محبوب اسلامی شہر جس کو مدفن خلیل ہونے کا شرف حاصل ہے، اور نابلس کا گلزار و پر رونق شہر یہودیوں کے قبضے میں چلے گئے، سوئز کے پورے مشرقی ساحل پر اسرائیل کا اس طرح قبضہ ہو گیا کہ سوئز کا مغربی ساحل اور اس کے مصری شہر ہر وقت اسرائیل کی زد میں آ گئے ہیں اور پورا ملک خطرہ میں۔

اندوہناک بات

سب سے زیادہ اندوہناک بات یہ ہوئی کہ مسجد اقصیٰ آٹھ سو برس تک مسلمانوں کی تولیت میں رہنے کے بعد یہودیوں کے قبضے میں چلی گئی اور پورے دو ہزار برس کے بعد یہودی اس پر قابض ومتصرف ہوئے دو ہزار برس سے یہودی بیت المقدس کی دیوار گریہ کے نیچے کھڑے ہوکر اپنی بداعمالیوں اور نامرادیوں کا ماتم کرتے تھے، اور یہ ان کی ایک دینی سنت اور موروثی فریضہ تھا، اس فتح کے بعد ان کے سب سے بڑے عالم اور مذہبی پیشوا حاخام نے اس رسم کو موقوف کیا کہ اب اس کی ضرورت نہیں۔

بدترین خود پرستی اور بے دانشی

جنگوں میں بہت سی خلاف قیاس باتیں پیش آئیں ہیں اور ملکوں اور سلطنتوں کی شکست تاریخ کا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں، لیکن ایک صاحب عقیدہ اور صاحب کردار قوم کی قوت مدافعت، اس کی معنوی طاقت، اس کا اپنے عقائد کی صحت، اپنے مقاصد کی عظمت پر یقین، نیز قائد کی قائدانہ صلاحیت، برسوں ایک اقلیت کو ایک اکثریت کے سامنے، ایک چھوٹے ملک کو بڑے ملک کے سامنے صف آرا اور نبرد آزما رکھتی ہے، اور بعض اوقات اس سے جنگ کا پانسہ پلٹ جاتا ہے، یہاں تو ایک وسیع عرب دنیا کا مقابلہ چھوٹی سی اسرائیلی ریاست سے تھا، جو عرب ملکوں سے گھری ہوئی تھی، لیکن دنیا نے بڑے استعجاب اور مسلمانوں نے بڑے کرب والم کے ساتھ پانچویں دن یہ سن لیا کہ عربوں کی مرکزی قیادت (مصر) نے جنگ بندی منظور کر لی، عالم اسلام کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور مسلمانوں کا سر ندامت وذلت سے جھک گیا، میں اپنے محدود مطالعہ تاریخ کی بنا پر یہ عرض کر سکتا ہوں کہ سقوط بغداد کے بعد سے پوری دنیائے اسلام میں مسلمانوں کو اتنی بڑی ذلت کا کبھی اور کہیں سامنا نہیں ہوا، اس لحاظ سے یہ بات اور بھی سنگین تھی کہ نیم وحشی صحرا نشین تاتاریوں کے برخلاف یہودی اپنی بزدلی، زندگی اور دولت کی محبت اور اپنی طویل وعالمگیر غلامی کے لئے ساری دنیا میں بدنام وذلیل تھے، مسلمانوں کی گھٹی میں یہ بات پڑی ہوئی تھی کہ [illegible]دی ہمیشہ غلام اور ذلیل رہیں گے، اور وہ مرد میدان

واہلِ شمشیر وتفنگ نہیں، اس واقعہ سے مسلمانوں کے قلب ودماغ اور ان کے تاریخی حاسے اور تجربہ کو جوصدمہ پہونچا اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا ان کے اعتماد علی النفس اور احساس عزت پر (جس پر صلاحیت کار اور عزم وولولہ کا انحصار ہے) اس واقعہ سے جو چوٹ پڑی اس کے بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں، مصر میں اس سے جودل شکستگی، احساس کہتری اور افسردگی پیدا ہوئی اور جس طرح مصریوں کے قدم مختلف محاذوں سے اکھڑنے لگے، اسماعیلیہ کے مشہور شہر کی آبادی جس طرح عظیم تعداد میں تخلیہ کرتی نظر آئی، عام زندگی پر مایوسی کی جو تاریکی چھا گئی، اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں، یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ صدیوں سے عالم اسلامی میں کسی ایک شخص کی خود پرستی وبے دانشی سے اتنا نقصان نہیں پہونچا اور اس سے اتنا بڑا رقبہ زمین اور اتنا وسیع حلقہ متاثر نہیں ہوا، جتنا کہ صدر ناصر کی خود پرستی اور بے دانشی سے۔

احتساب قوم کی زندگی کی علامت

قومیں اپنے اور اپنے قائدین کے احتساب سے زندہ اور باقی رہتی ہیں، بعض جمہوری مزاج قوموں نے تو جنگ کے جیتنے والوں اور اپنے ملک کی عزت بچا لینے والوں تک کا احتساب کیا ہے، اور ان کو اپنا کام ختم کر لینے کے بعد ریٹائر کر دیا ہے، قومیں بڑی بڑی شکستیں کھانے کے بعد سنبھل گئی ہیں، جرمن قوم ایک تباہ شدہ ملک کے ملبہ کے نیچے سے زندہ وتوانا نمودار ہوئی، جاپان نے ہیروشیما اور ناگاساکی کے المیے کے بعد اپنی زندگی کا نیا سفر شروع کیا، یہ سب بے لاگ احتساب، بےلوح اعتراف اور قیادت کی صالح تبدیلی سے عمل میں آیا، ہم کو امید ہے کہ احتساب کا یہ فرض خلوص اور جرأت کے ساتھ ادا کیا جائے گا، ایک غیر جانبدار نقاد ،اور ایک بے لاگ مؤرخ کی طرح ان غلطیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی جائے گی، جن کی وجہ سے سنت اللہ کے مطابق یہ شکست برداشت کرنی پڑتی، اور پھر زندگی کی تبدیلی، ایمانی قوت، حقیقت پسند، اور اس ابدی آئین کی پابندی کے ساتھ جو قوموں اور جماعتوں کی فتح اور ارجمندی کے لئے خدا کی طرف سے مقرر رہا ہے، اور جس کا تعلق عالم غیب سے بھی ہے، اور عالم اسباب سے بھی، زندگی کا نیا سفر شروع کیا جائے گا، اور پھر یہ سب واقعات داستان پارینہ اور کہن بن کر رہ جائیں گے۔

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين، ان يمسسكم قرح فقد مس القوم قرح مثله وتلك الايام نداولها بين الناس وليعلم الله الذين آمنو ويتخذ منكم شهدآء والله لايحب الظٰلمين.

(آل عمران. ۱۳۹. ۱۴۰)

دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم مومن ہو، اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے، یہ تو زمانہ کے نشیب وفراز ہیں، جنھیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں تم پر یہ وقت اس لئے لایا گیا ہے کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (راستی کے) گواہ ہوں، کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترکی کی مجاہد ملت اسلامی

۱۲ اگست ۱۹۸۹ء تا ۱۸/ اگست کے دوران ترکی کے دارالسلطنت، استنبول کے ایک نواحی محلہ کی ایک وسیع و عریض مسجد و مدرسہ میں کی گئی ایک شاہکار تقریر

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له و نشهد ان لا اله الا الله و نشهد ان محمد اعبده و رسوله الذى ارسله الله تعالى بالحق بشيرا و نذيرا و داعيا الى الله باذنه و سراجا منيرا

ترکی کی تاریخی حیثیت

میرے دینی بھائیوں اور دوستو!

میرے لئے بڑی مسرت اور عزت کی بات ہے کہ میں فاتحین اور شہداء کے شہر میں ہوں، حرمین شریفین کی زیارت کے بعد میری سب سے بڑی آرزو شام و ترکی کو دیکھنے کی تھی، اللہ تعالیٰ نے کئی بار مجھے اس کا موقع عطا فرمایا اس ملک کے لئے سب سے بڑے شرف کی بات یہ ہے کہ اس سے میزبان رسولؐ (اور عصر حاضر کے عظیم سیرت نگار نبویؐ علامہ شبلی نعمانی کے الفاظ میں "میزبان عالم کے میزبان، سیدنا ابوایوب انصاری .... رضی اللہ عنہ کی آرام گاہ ہونے کا فخر حاصل ہے یہ میزبانی اتنا بڑا اشرف تھا کہ یہ تنہا ان کی عزت و جلالت شان کے لئے کافی ہوسکتا تھا اس کے بعد صرف فرائض اور واجبات کی ادائیگی کافی ہوتی، لیکن آپ کی ہمت بلند نے (جو صحبت نبویؐ اور قرب خاص کا ثمرہ تھا) اس پر قناعت نہیں کی، آپ عہد نبویؐ کے تقریباً تمام اہم غزوات اور خلفائے راشدین کے زمانہ کی اہم بری اور بعض بحری جنگوں میں شریک

ہوئے اور یہ روح جہاد مرتے دم تک باقی رہی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے مہم بھیجی گئی، تو آپ اس مہم میں شریک ہوئے، اس وقت آپ کی عمر شریف پچھتر سال کے قریب تھی، اس وقت قسطنطنیہ کے فتح کی نوبت نہیں آئی، آپ اسی حالت حصار میں بیمار ہوئے، مسلمانوں کے لشکر کی فرودگاہ میں جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا، تو امیر جیش (یزید) عیادت کے لئے آئے، اور آپ سے دریافت کیا کہ **ماحاجتک؟** (آپ کی کیا خواہش ہے؟) آپ نے جواب میں فرمایا:

حاجتي اذا انا مت فاركب ثم اسع في ارج العدو، وما وجدت مساغا فادفني ثم ارجع۔ میرے دل کا تقاضہ اور خواہش یہ ہے کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھے گھوڑے پر سوار کر کے لے جایا جائے اور دشمن کی سرزمین میں جتنی دور لے جایا جا سکے لے جایا جائے، پھر اگر اس کے آگے جانے کا موقع نہ ہو تو مجھے وہیں دفن کر دیا جائے، اور واپس آجایا جائے۔

چنانچہ آپ کو موجودہ شہر قسطنطنیہ کی فصیل کے سامنے دفن کر دیا گیا۔ یہ بات پورے ملک کی آبادی کے لئے عزت و افتخار کی بات ہے کہ اس کو میزبان رسول ﷺ کی آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے، لیکن اسی کے ساتھ بڑی ذمہ داری اور امتحان کی بھی، جس شہر کے دروازہ پر میزبان رسول کی قبر مبارک ہو، اس شہر کے اندر کفر و الحاد اور فسق و فجور کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

اس شہر قسطنطنیہ (اور موجودہ عرف ورواج کے مطابق استنبول) کے لئے دوسرے شرف وامتیاز کی بات یہ ہے کہ تنہا اس شہر ودارالسلطنت کیلئے آنحضرت ﷺ نے نام لے کر فتح کی پیش گوئی فرمایا اور اس کی بشارت دی، اور اس کے امیر لشکر کی تعریف کی۔ حدیث ہے۔ **لتفتحن القسطنطنية، فنعم الامير اميرها ولنعم الجيش ذالك الجيش.** ۔ تم ضرور قسطنطنیہ فتح کرو گے، اس مہم کا امیر بہترین امیر ہے اور یہ لشکر بہترین لشکر۔

قسطنطنیہ عہد نبویؐ میں اور اس کے عرصہ بعد تک قیاصرہ کی عظیم الشان سلطنت رومۃ الکبری (THE GREAT ROMAN EMPIRE) کی جانشین مشرقی شاخ بازنطینیہ (BYZANTINE EMPIRE) کا دارالسلطنت تھا، جس کی مملکت اور نوآبادیات (ماتحت صوبوں) میں شام،

فلسطین۔ مصر وحبشہ وغیرہ مشرقی ممالک بھی تھے، اسی کے حکمران شہنشاہ، ہرقل اول (HERACLIUS THE FIRST) کے نام وہ فرمان نبوی گیا تھا، اور اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی، جس کا ذکر احادیث وسیر کی مستند کتابوں میں آتا ہے، اور جس پر اس کا ابوسفیانؓ کے ساتھ (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) مفصل مکالمہ ہوا، اس نے اپنی معلومات کیلئے کچھ سوالات کئے اور ابوسفیانؓ نے ان کا صحیح جواب دیا، صحیح بخاری کی کتاب الوحی میں اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔

اسی بازنطینی سلطنت کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں جنگیں ہوئی، جن کے نتیجہ میں پورا ملک شام اور مصر وحبشہ فتح ہوکر اسلام سلطنت اور خلافت راشدہ کے قلمرو میں شامل ہوئے بعد کی صدیوں میں بازنطینہ کی وسعت وقوت بہت گھٹ گئی، لیکن اس حالت میں بھی اس کے دارالسلطنت قسطنطنیہ (استنبول) کا وجود بجائے خود نہایت اہم تھا، اس سے مسیحی یورپ اور ایشیاء بلکہ پوری مسیحی دنیا کی عزت وآبرو قائم اور اس کو اس کے دینی وسیاسی مرکز ہونے کی حیثیت حاصل تھی، مسیحیت کے قصر سلطنت کی یہ پہلی اور آخری اینٹ اپنی جگہ قائم تھی، عربوں اور مسلمان فاتحین نے گیارہ بار اس کو فتح کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بے نظیر اور قابل صد فخر وموجب ہزار شکر سعادت وعزت جواں سال عثمانی سلطان محمد الثانی الفاتح ابن مراد الثانی (۸۳۳ھ-۸۸۶ھ.........۱۴۲۹ء-۱۴۸۱ء) کے حصہ میں رکھی تھی، انتظامی، سیاسی وحربی مصالح وضروریات کے علاوہ جن کا تقاضہ تھا کہ ایشیائے کوچک اور یورپ میں نوزائید عثمانی سلطنت کے بقاء واستحکام کے لئے قسطنطنیہ کو عثمانی سلطنت کے زیر نگیں لایا جائے کہ وہ اس کا فوجی اور سیاسی لحاظ سے موزوں ترین اور ضروری حد تک دارالسلطنت بن سکتا ہے، بلکہ نپولین کے بقول ''اگر دنیا کبھی ایک متحدہ سلطنت کی حیثیت اختیار کرلے گی، تو قسطنطنیہ اس کا (اپنی قدرتی قلعہ بندی اور جائے وقوع کی بناء پر) بہترین دارالسطنت ہوگا'' سلطان محمد کے لئے جس کی عمر ابھی تئیس چوبیس سال ہی کی تھی قسطنطنیہ فتح کرنے کا سب سے بڑا محرک اور قلبی ایمانی داعیہ) جو بعض اوقات سیاسی مصالح ومنافع پر بھی فوقیت رکھتا ہے) اس بشارت اور پیشین گوئی کا مصداق بننا تھا، جس میں کہا گیا تھا کہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے والے لشکر کا امیر بہترین امیر ہوگا، اور وہ لشکر بہترین لشکر ہوگا، اس نے ۱۱/ربیع الثانی

۸۵۷ھ (اپریل ۱۴۵۳ء) میں قسطنطنیہ پر اپنے اس وقت کے دارالسطنت ادرنہ (اڈریہ نوبل) سے چل کر حملہ کیا اور اس کے لئے وہ پوری حربی وانتظامی تیاری کی جو اتنی بڑی حربی مہم کیلئے کرنی چاہئے تھے اور اس وقت جدید ترین آلات حربی استعمال کئے، اور خاص طور پر سب سے بڑی دور مار اور طاقت ور توپ جو اس وقت تک ایجاد ہوئی تھی اور یہی قرآن مجید کی تعلیمات اور ایک حقیقت پسند اور تجربہ کار مجاہد کا شیوہ ہے۔

"واعدو لھم ما ستطعتم من قوۃ" (سورۃ الانفال ۶۰)

اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمیعت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلہ) کے لئے مستعد رہو۔

محمد الثانی کے اس دینی جذبہ، بشارت نبویؐ پر اعتماد اور اس کا مصداق بننے کے شوق کا اندازہ، اس کے طرز عمل اور جذبات سے ہوتا ہے جو اس جنگ میں ظاہر ہوئے۔

مؤرخ لکھتا ہے کہ! "فاتح اپنے خیمہ میں آیا فوج کے سپہ سالاروں اور لشکر کو جمع کیا اور ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر قسطنطنیہ کی فتح ہمارے ہاتھوں تکمیل پائی تو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوگئی، آپؐ کے ایک معجزہ کا ظہور ہوگا، اور ہمارے حصہ میں یہ عزت وشرف آئے گا، ہمارے فرزندوں (اہل لشکر) کو فرداً فرداً سنا دیجئے، اور تاکید کیجئے کہ شریعت غراء کی تعلیمات کو ہر شخص مد نظر رکھے اور کوئی کاروائی اس کے خلاف نہ ہو، گرجوں اور عبادت گاؤں کے ساتھ کوئی اہانت آمیز سلوک نہ ہو، پادریوں، کمزوروں اور معذور لوگوں سے جو جنگ نہیں کر رہے ہیں تعرض نہ کیا جائے۔"

محمد فاتح جب قسطنطنیہ میں فاتحانہ داخل ہوا اور اس نے وہاں کے تاریخی اور مقدس مرکز طوپ قابوسی (TOP KOPI) پر ترکی جھنڈا لہراتے ہوئے دیکھا تو اپنے گھوڑے سے اتر آیا، زمین پر سر رکھ کر سجدۂ شکرانہ ادا کیا، اور اپنے ہاتھوں رسول ﷺ کی پیشن گوئی کی تکمیل پر اللہ کی حمد وثناء کی، بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ فاتح نے زمین پر سجدہ کیا اور اپنے سر پر اس شکر میں مٹی ڈالی کہ اللہ نے یہ شرف اس کو نصیب فرمایا۔

محمد الفاتح ظہر کے قریب اپنے وراء وامرائے سلطنت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا تھا، سینٹ صوفیا کے گرجے کے پاس پہنچ کر وہ گھوڑے سے اترا، اس عالی شان معبد میں داخل ہو کر، جس

میں گیارہ سو برس سے تین خداؤں کی پرستش ہوتی تھی، خدائے واحد کی تقدیس کے لئے سر بہ سجود ہوا، اس نے ایک عالم کو جو اس وقت اس کی رفاقت میں تھے، حکم دیا کہ وہ بلند آواز سے اذان دیں، نماز عصر پڑھی گئی اور اعلان ہوا کہ جمعہ کی پہلی نماز جامع ایا صوفیا میں پڑھی جائے گی۔

حاضرین اور ترک نژاد بھائیوں کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ محمد الفاتح مرحوم کا قسطنطنیہ میں فاتحانہ داخلہ کس طرح ہوا لیکن اس کو پھر یاد دلانیکی ضرورت ہے کہ خلیج کو زنجیروں سے نا قابل عبور بنا دیا گیا تھا، اب جو حصہ غلط کہلاتا ہے، اس پر اہل وینس کا قبضہ تھا، قدیم قسطنطنیہ پر بیز نطینیوں کا ادھر حصار سخت تھا، محمد الفاتح کا بحری بیڑا بحر اسود کی طرف سے بیرہ مرمرہ (MARMARA) سے آ رہا تھا، خلیج القرن الذہبی کے دہانہ کو بیزنطینیوں نے اس ڈر سے لوہے کی زنجیروں سے بند کر دیا تھا کہ ان کو بحیرۂ مرمرہ کی طرف سے محمد الفاتح کی فوجوں کے آنے کا ڈر تھا، محمد الفاتح نے غلطہ کی خشکی پر پچاس کشتیوں کو پھسلا کر قاسم پاشا کی طرف سے خلیج القرن الذہبی GOLDEN HORN میں اتار دیا۔ اور اس طرح ایک ناممکن عمل کو ممکن کر کے دکھا دیا، صبح بیزنطینیوں کو اچانک معلوم ہوا، کہ محمد الفاتح کی کشتیاں خلیج میں موجود ہیں، لیکن یہ بات قسطنطنہ کی فتح کے لئے کافی نہ تھی، محمد الفاتح سخت مزاحمت کر کے تقریباً ایک ہفتہ میں اپنی فوجوں کے ذریعہ سیدنا ابو ایوبؓ کی طرف سے قسطنطنیہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا، شہنشاہ قسطنطین خود معرکہ کی قیادت کر رہا تھا، اس نے اپنی سرخ عبا جو یاصرہ کی امتیازی پوشاک تھی، اتار کر پھینک دی، اور ترکی فوج کے بڑھتے ہوئے طوفان میں گھس کر لڑتا ہوا مارا گیا۔

حضرات! مجھے بڑی خوشی ہے کہ ابھی ترکی میں محمد فاتح کا نام زندہ ہے اور شاید کسی ترکی سلطان اور ترک شخصیت کا وہ احترام اور اس سے وہ محبت نہیں جو سلطان محمد فاتح سے ہے، میں جب بچوں کا نام پوچھا تو اکثر ''محمد فاتح'' سننے میں آیا، میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اس نام کو زندہ رکھیں اور اپنے بچوں کا نام تیمناً و تبرکاً محمد فاتح رکھا کریں، شاید کسی سعید بچہ اور نوجوان کے دل میں وہ جذبہ پھر انگڑائی لے اور فوجی و سیاسی حیثیت سے نہ سہی اور دینی و دعوتی اور فکری اور اصلاحی راستہ سے پھر وہ اس ملک کا محمد فاتح ثابت ہو، ایک فرانسیسی مؤرخ حبیہ GIYAH نے سلطان محمد فاتح کے دو سو سال بعد اس کی حکومت کی تاریخ پر کتاب لکھی ہے، اس

میں لکھا ہے کہ'' دنیا کی تمام مسیحی اقوام کو یہ تمنا اور دعا کرنی چاہئے کہ دوبارہ روئے زمین پر سلطان محمد فاتح جیسا حکمران اور فاتح نہ پیدا ہو'' محمد الفاتح کتاب کے مصنف ڈاکٹر سالم الرشید اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اس کے مقابلہ میں ہر مسلمان کو یہ تمنا اور دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دوبارہ سلطان محمد فاتح جیسا طاقتور اور عبقری شخص نصیب فرمائے''۔

دوستو اور بزرگو!

محمد فتح کی اس تاریخ ساز اور عہد آفرین کامیابی اور فتح کے بعد پھر وہ دور آیا کہ اس ملک نے پورے عالم اسلام کی تولیت کی ذمہ داری اٹھائی، تاتاریوں کے حملہ (ساتویں صدی ہجری، تیرھویں صدی عیسوئی) سے عالم اسلام پامال ہو گیا تھا، اس وقت تاتاری خود مسلمان ہو گئے، وسط ایشیا کی تاتاری النسل قوم کی ایک شاخ نے ترکی میں اسلامی حکومت قائم کی، یورپ کے ایک بڑے رقبہ پر آل عثمان نے قبضہ کر لیا، سلطان سلیم اول (۹۱۸ھ-۹۲۶ھ......۱۵۱۲ء-۱۵۲۰ء) کے زمانہ میں مصر کی فتح کے بعد ترکوں کا حجاز پر بھی قبضہ ہو گیا، اور اس نے خادم الحرمین الشریفین کا لقب حاصل کیا، یہ شرف سلیم کے بعد اس کے جانشینوں کو چار سو برس تک حاصل رہا، حرمین شریفین کی خدمت کا شرف جب سلیم کو حاصل ہو گیا تو آخری عباسی خلیفہ المتوکل نے جو قاہر میں مملوک سلاطین کے زیر سایہ ظاہری شان وشوکت کے ساتھ مگر حقیقتاً بغیر کسی اختیار و اقتدار کے زندگی بسر کر رہا تھا، خلافت کے تمام حقوق و امتیازات بھی اسے تفویض کر دیئے اور مقامات مقدسہ، و حرمین شریفین کی کنجیاں، نیز آثار نبویہ (تلوار، علم اور چادر) کو بطور سند خلافت اس کے حوالہ کر دیئے، اس تاریخ سے سلاطین عثمانی ''خلیفہ'' کے لقب سے دنیا میں مشہور ہوئے اور خطبوں میں ان کا ذکر بہ حیثیت امیر المومنین کے ہونے لگا۔

ڈاکٹر عزیز صاحب مصنف ''دولت عثمانیہ'' لکھتے ہیں کہ! ''اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت دنیائے اسلام کی خلافت کا حق بھی ترکوں کو پہونچتا تھا، کوئی دوسری اسلامی سلطنت طاقت و وسعت میں دولت عثمانیہ کے برابر نہیں تھی، یہی سلطنت تمام دوسری سلطنتوں سے زیادہ شرع و ملت کی حفاظت کی طاقت رکھتی تھی، اور تقریباً ڈیڑھ صدی سے جہاد کا فرض ادا کرتی آ رہی تھی چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب سلطان سلیم کی خلافت کا اعلان کیا گیا، تو دنیائے اسلام کے کسی گوشہ

سے اس کی مخالفت نہیں ہوئی۔''

اس وقت سے مصر و شام، فلسطین، حجاز، ویمن اور عراق سب خلافت عثمانیہ کے دائرہ میں داخل ہو گئے، اس چار سو پانچ سو برس میں ساری دنیا میں اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، سلطان عبدالحمید ثانی کے وقت تک کوئی مقامات مقدسہ پر نظر اٹھانے کی جرأت نہ کرسکتا تھا، ترکوں نے حجاز مقدس کی بھی خدمت اور تولیت کا فرض انجام دیا، مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کی موجودہ عمارات سلطان مراد کی بنائی ہوئی، اور مسجد نبوی کی تعمیر و تزئین سلطان عبدالحمید اول کا کارنامہ ہے جو ۱۲۶۵ھ-۱۲۷۱ھ میں انجام پایا۔

حرمین شریفین کے ساتھ ترکوں نے مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کی بھی حفاظت کا فرض انجام دیا، میں نے الحاج سید امین الحسینی مفتی اعظیم فلسطین سے خود سنا ہے کہ ایک مرتبہ یہودیوں کا ایک وفد سلطان عبدالحمید خان سے ملا، اور اس نے کہا کہ اگر آپ قدس اور فلسیطن میں ہمیں اپنا مرکز و وطن بنانے کی اجازت دے دیں تو ہم ترکی سلطنت کا سارا قرضہ ادا کر دیں گے۔ سلطان عبدالحمید خان نے زمین سے مٹی کی ایک چٹکی اٹھائی اور کہا ہم فلسطین کی خاک میں سے اتنا بھی تم کو دینے کے لئے تیار نہیں، پھر اپنے محافظ افسر پر عتاب آمیز نظر ڈالی اور کہا اس کتے کو کس نے میرے پاس آنے کی اجازت دی؟

آپ یاد رکھیں کہ یورپ نے ترکی کو کبھی قبول نہیں کیا، یہ وہ نوالہ ہے جو اس سے نہ نگلا گیا، نہ اگلا گیا، پہلے اس نے بلقان کی ریاستوں کو بغاوت اور اس سے جنگ پر آمادہ کیا، اور ترکی کے بہت سے علاقے یورپ کے قبضہ میں چلے گئے، پھر جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء) میں اتحادیوں نے ترکی کو اپنے ساتھ شامل نہیں ہونے دیا، وہ مجبوراً جرمنی کے ساتھ شامل ہوا، اتحادیوں نے اس کے حصے بخرے کر لینے اور اس کے بیرونی مقبوضات پر قبضہ کر لینے کا پورا منصوبہ بنایا، جس کے نتیجہ میں شام، فلسطین، لبنان، اردن (جو سب شام کا جزء تھے) اور عراق پر اس کا اقتدار قائم ہو گیا، لیکن ترکی کا مرکز براہ راست یورپ کے قبضہ میں کبھی نہیں گیا۔

لیکن اب یورپ نے اپنا نقشہ جنگ بدل دیا ہے اب اس نے حملہ اسلحۂ جنگ اور فوجی طاقت کے ذریعہ سے نہیں، کلچر، ذرائع ابلاغ۔(PUBLIC MEDIA) نظام تعلیم اور افکار و نظریات کے ذریعہ شروع کیا ہے یورپ، ترکی کو مسلمان نہیں دیکھنا چاہتا، اس نے زیرزمین

سرنگ بچھا رکھی ہے، جو کام وہ اپنی فوجوں اور توپوں کے ذریعہ نہیں کر سکا وہ اندرونی ذرائع سے کر رہا ہے، عصر حاضر کے مشہور فلسفی مؤرخ (ARNOLD TOYNBE) نے لکھا ہے کہ عربوں کے کتب خانہ اسکندریہ جلانے کی روایت تاریخی طور پر صحیح ہو یا بے بنیاد، اب کسی کو کتابی ذخیرہ کو جلانے یا کسی زبان وثقافت کے مٹانے کی ضرورت نہیں، رسم الخط کا بدل دینا کافی ہے، اس طرح ملک وقوم کا رشتہ ماضی سے کلی طور پر منقطع کیا جا سکتا ہے، یورپ وامریکہ اور اس کے ایجنٹوں کی کوشش ہے کہ ترکی کو دوسرا اسپین بنا دیا جائے، اس لئے بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، فاتح مصر صحابی رسول سیدنا عمرو بن العاصؓ کی اس حکیمانہ وصیت اور تلقین کو ہمیشہ ہر زمانہ اور ہر اسلامی ملک میں یاد رکھنے کی ضرورت ہے جو انہوں نے مصر کو کلیہ فتح کر لینے کے بعد ایسی حالت میں کی کہ مصر کے قدیم باشندے جوق در جوق اسلام قبول کر رہے تھے اور "يدخلون في دين الله افواجا" کا منظر آنکھوں کے سامنے تھا، ملک کی زبان، تہذیب اور بالآخر رسم الخط بھی بدل رہا تھا، مساجد تعمیر ہو رہی تھیں اور شعائر اسلام بلند، جزیرۃ العرب سے قریب ہونے واسلامی فتوحات کے سیلاب اور اس کی پے در پے کامیابیوں کے پیش نظر بظاہر اس کا کوئی اندیشہ نہیں تھا کہ مصر اسلامی اقتدار کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا، لیکن انہوں نے اپنی اپنی ذہانت، دور بینی اور اس فراست کی بناء پر جو صحبت نبوی کی برکت سے ان کو حاصل ہوئی تھی، مسلمانوں اور عرب فاتحین سے کہا "انتم في رباط دائم" تم دائمی طور پر سرحد ومحاذ جنگ پر کھڑے ہوئے ہو اور دائمی ناکہ بندی کی حالت میں ہو، اس لئے کہ براعظم افریقہ کی ساری قوموں، غیر مسلم حکومتوں اور آبادی کی نگاہیں تمہارے اوپر ہیں، ان کے دل میں اس طرف لگے ہوئے ہیں کہ ملک کو پھر قدیم حالت میں لے آیا جائے۔

اب سوال یہ ہے یہ اس ملک وملت کو اسلام سے وابستہ پیوستہ رکھنے کی ترکیب کیا ہے اس کے لئے دعوت کے میدان کے تجربہ، قرآن کے تدبر اور تاریخ کے وسیع وعمیق مطالعہ کی بنا پر تین باتیں عرض کرتا ہوں، ان کو غور سے سنئے۔

ترکی کے مسلم عوام میں ایمان وعقیدہ کی طاقت کو طاقت پہونچایئے (جس کی یہ گڑیاں اس کے خاکستر میں بہر حال موجود ہیں) ان کے دینی شعور کو بیدار اور متحرک بنانے کی ضرورت ہے ان مسلم عوام کی اسلام کے ساتھ وابستگی اور اس کے لئے گرم جوشی ایک ایسی بلند اور مستحکم فصیل

اور اسلام کا آہنی حصار ہے، جس کی بدولت بہت سی مسلم (یا مدعی اسلام) قیادتوں اور حکومتوں کو کھل کر کفر کا راستہ اختیار کرنے اور اپنے ملکوں اور ماتحت مسلم قوموں کو فکر و الحاد کے آغوش میں ڈال دینے کی ہمت نہیں ہوسکتی، خدانخواستہ اگر کسی دن یہ حصار ٹوٹ گیا اور مسلم عوام کا رشتہ اور ان کی روحانی وابستگی اسلام سے ختم ہوگئی تو پھر ان ملکوں میں اسلام کے بقا اور تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں، اور ان ملکوں کو اسپین اور روسی ترکستان بنا دینے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی، یہ خام مال ہے جس سے بہترین انسانی مصنوعات تیار کی جاسکتی ھیں (RAWMATERIAL) ہے، جس سے بہترین انسانیری کا کام لیا جاسکتا ہے، صدہا خامیوں اور قابل اصلاح پہلوؤں کے باوجود یہ وہ انسانی مجموعہ ہے جس پر پیغمبرانہ توجہات اور اہل قلوب اور اہل خلوص کی محنتیں صرف ہوئیں ہیں، اور وہ آج بھی اپنے خلوص قلب، اپنی محبت، گرم جوشی اور ایثار و قربانی کے جذبہ اور صلاحیت میں دوسری انسانی جماعتوں اور مذہبی قوموں سے فائق و ممتاز ہے۔

اسی کے ساتھ ضروری ہے کہ ان عوام کی زندگی میں اسلام پورے طور پر کارفرما اور حکمران ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا ایھا الذین امنو ا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین (سورۃ بقرہ ۲۰۸)

مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔

کامل ایمان مطلوب ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی زندگی میں سو فیصد مسلمان ہونا چاہئے، دس فیصدی بیس فی صدی اسلام پر عمل کرنے سے کام نہیں چلے گا، یہ نسبت تعلیم میں، ملازمتوں میں اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں چل سکتی ہے، عقائد پر مضبوطی سے قائم رہنا، فرائض و عبادات کا پابند ہونا، اور بعض اسلامی شعائر و علامتوں کا حامل ہونا کافی نہیں، ضروری ہے کہ معاشرت بھی اسلامی و تمدن بھی اسلامی ہو عائلی قانون (PERSONAL LAW) میں بھی شریعت کے احکام پر عمل ہو، حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد بھی ادا کئے جائیں، پھر اسکے ساتھ دین کی محبت کے

ساتھ دین کی حمیت بھی ہونی چاہئے۔

ایمان عوام کا بڑا محافظ اور فصیل ہے، یہ وہ قلعہ ہے جو آسانی سے فتح نہیں ہوسکتا، اس لئے پہلا کام یہ ہے کہ پوری قوم کو پوری طرح مسلمان بنانے کی کوشش کیجئے، اس کے لئے دعوت عام کا راستہ اختیار کیجئے۔ نقل وحرکت، خطاب ودعوت اور سفر دان کی صعوبت برداشت کیجئے۔ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے عمل سے سبق لیجئے کہ انہوں نے (جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے) آنحضرت ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہونے اور ہمہ وقت صحبت اور عبادات جلیلہ کے ساتھ (جن کی اللہ نے ان کو توفیق دی) اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کی اشاعت کے لئے بڑی عمر میں بھی باہر نکلنا ضروری سمجھا اور مدینہ سے چل کر (جس میں ہر مسلمان کو مرنے اور اس کی خاک پاک میں جگہ پانے کی آرزو ہوتی ہے)۔ بحر وبر طے کر کے قسطنطنیہ جیسے دوردراز مقام پر تشریف لائے اور اس کو اپنا آخری مرقد بنایا۔

آئندہ نسل کی فکر کیجئے

دوسرا کام یہ ہے کہ اپنی آئندہ نسل کو مسلمان رکھنے کی کوشش کیجئے، ایسا نہ ہو کہ آپ کی آئندہ نسل صرف ترکی زبان جانے، صرف سرکاری اسکولوں میں اس نے تعلیم پائی ہو، دین کے بارے میں اس کی کچھ معلومات نہ ہوں، اگر آپ سب کے سب ولی اللہ اور تہجد گذار بن جائیں (اور خدا ایسا کردے) لیکن اگر آپ نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم سے غفلت برتی تو خطرہ موجود ہے، آپ کے بعد مسجدوں کو کون آباد کرے گا، اسلامیت کا یہ تسلسل جو کو من جانب اللہ اور حقانی داعیوں اور مبلغوں، علمائے ربانیین اور مخلص وسرفروش مجاہدین اور فاتحین کے ذریعہ حاصل ہوا، کیسے قائم رہے گا؟ آپ دیکھئے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جو خود انبیاء کی تیسری پشت میں تھے، ان کے والد ماجد حضرت اسحاقؑ پیغمبر، ان کے عم نامدار حضرت اسمٰعیلؑ پیغمبر اور ان کے جد بزرگوار حضرت ابراہیم (علیہ وعلی نبینا السلام) عالی مرتبت پیغمبر اور ابوالانبیاء تھے، ان کے گھر میں سوائے توحید خالص اور عبادت الٰہی کے اور کسی چیز کی فضا اور ہوا نہ تھی، شرک اور بت پرستی کا سایہ بھی اس گھر پر ایک صدی سے نہ پڑا ہوا گا، لیکن بقول شاعر

عشق است و ہزار بدگمانی

انہوں نے اس کو کافی نہ سمجھا اپنے فرزندوں نواسوں اور پوتوں کو جمع کیا اور ان سے کہا،

ماتعبدون من بعدی

(تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے)

گویا زبان حال سے کہا، میرے پیاروں! میری پیٹھ قبر سے نہ لگے گی، جب تک میں یہاں سے یہ اطمینان لے کر نہ جاؤں کہ تم میرے بعد کسی کی بندگی کروگے؟

مجھے یقین ہے کہ ان کے ان سب فرزندوں اور فرزندوں کے فرزندوں نے یہی کہا ہوگا کہ والد صاحب! دادا جان! نانا جان! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔؟ آپ نے ہمیں تعلیم کیا دی؟ اور ہم نے ساری عمر کیا دیکھا اور کیا کیا؟

نعبدالھک والہ ابائک ابراھیم و اسماعیل و اسحاق الھا واحدا ونھن لہ مسلمون"

(ہم آپ کے معبود، آپ کے چچا اور والد اسماعیلؑ واسحاقؑ اور آپ کے دادا جان حضرات ابراہیمؑ کے معبود کی پرستش کریں گے، جو اکیلا پرستش کے قابل ہے اور ہم اس کے آگے سر جھکانے والے اور فرماں بردار ہوں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے اس نازک وقت میں کوئی ایسی بات نہیں کہی جو عام طور پر بزرگ خاندان اپنے وارثوں سے سکرات کے ایسے نازک وقت میں کہا کرتے ہیں، نہ اتحاد و اتفاق کی بات، نہ کسی دفینہ اور خزانہ کی خبر، نہ قرض ومطالبات کے بارے میں ہدایت، نہ شریفانہ زندگی گذارنے کی تلقین، بس ایک بات "ماتعبدون من بعدی؟" انہیں صرف ایک بات کی فکر تھی کہ ان کے بعد ان کی اولاد وایمان اور دین صحیح پر قائم رہے، اور خدائے واحد کی بندگی کرتے اور انہیں اس وقت تک اطمینان نہیں ہوا۔ جب تک کہ انہوں نے اپنی اولاد سے اس پر قائم رہنے کا اقرار نہیں کروالیا۔ ہر ملک کی موجودہ مسلمان نسل کے لئے یہی اسوۂ نبویؐ، سنت انبیاء اور دین وایمان کا تقاضہ ہے۔

تیسری بات جو مجھے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا دین پر عمل کرنا مبارک، یہ نقل وحرکت، دعوت وتبلیغ مبارک، دینی مدارس میں فقہ وحدیث اور عربی کی تعلیم پانا اور قران مجید کا حفظ وتجوید مبارک اور اپنے بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کی فکر کرنا بھی مبارک لیکن ایک بات اور ہے

جو کچھ کم اہم نہیں، اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جو طبقہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پا رہا ہے، (اور وہی تعداد میں زیادہ اور اثر ورسوخ میں بڑھا ہوا ہے) اور جو نوجوان یورپ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے واپس آرہے ہیں، یہی طبقہ ہر ملک میں ملک پر حاوی اور بااثر ہوتا ہے وہی قیادت کرتا ہے وہی پلاننگ (منصوبہ بندی) کرتا ہے وہی ملک کا رخ متعین کرتا ہے اسی کا طرز زندگی ملک کا عوامی فیشن بنتا ہے ملک کا نظام تعلیم ذرائع ابلاغ اسی کے قبضہ میں ہوتا ہے وہی خوب کو ناخوب اور ''ناخوب'' کو خوب بنا دیتا ہے اور آخر میں ملک کے نظم ونسق پر حاوی ہو کر آئین سازی اور یقین LEGISLATION منصب پر فائز ہو کر وہ جس چیز کو چاہتا ہے اس کی اجازت دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے اس کو ممنوع اور خلاف قانون قرار دے دیتا ہے اس طرح پوری قوم اور اس کی معاشرت وتمدن اس کی نسل کا مستقبل، یہاں تک کہ (اللہ محفوظ رکھے) دینی فرائض کی ادائیگی، شائر اسلامی اور مدارس و مساجد اور اس کا عائلی قانون (PERSONAL LAW) اس کے رحم وکرم پر رہ جاتا ہے، یہ بہت سے آزاد مسلم ممالک کا تجربہ ہے جن کی اکثریت مسلمان ہے، بلکہ وہ ملک تقریب کلیۃً پشتینی مسلمان ہے اور کبھی وہ ممالک علم دین اور دعوت اسلامی کا عظیم ترین مرکز رہ چکے ہیں، اور اب بھی وہاں بڑی بڑی جامعات قائم ہیں، ان کے نام لینے کی ضرورت نہیں آپ خود ان کو سمجھ سکتے ہیں۔

مسلمانان ترکی کی اہم ذمہ داری

اس لئے آخر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ اس طبقہ کو ہرگز ہرگز نظر انداز نہ کیجئے علمی وفکری غذا کے ذریعہ موثر لٹریچر اور ان کی نفسیات اور علمی درجہ کے مطابق اسلام کی تفہیم اور اسکی ضرورت وعظمت کو ان کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کیجئے۔ اور ان کے دلوں اور دماغوں کو ایمانی وشعوری طریقہ پر اسلام کی ابدیت اور اس کی تعلیمات کی صداقت اور اس کے ہر زمانہ میں قیادت کی صلاحیت پر مطمئن کیجئے، یاد رکھئے یہ زمانہ نظریات وافکار اور بین الاقوامی تعلقات کا زمانہ ہے، اس لئے علمی وفکری سطح پر کام کرنے اور جدید طبقہ کو (جو برسر قیادت ہونے کو ہے) اس بات پر مطمئن اور اس کا قائل کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام ہی دنیا کا نجات دہندہ اسلام ہے صحیح زندگی گذارنے کا واحد راستہ ہے ورنہ یہ دنیا خدا فراموشی کے راستہ پر چل کر خود فراموشی اور بالآخر

خودکشی کی منزل کی طرف جارہی ہے۔

وصدق اللہ العظیم

ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانسٰھم انفسھم ط اولئک ھم الفاسقون"

اوران لوگوں جیسے نہ ہونا، جنہوں نے خدا کو بھلادیا تو خدا نے ایسا کردیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے یہ بدکردار لوگ ہیں۔اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اجازت چاہتا ہوں

وآخردعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

المیۂ فلسطین سے تین سبق

یہ تقریر شعبان ۱۳۸۹ھ (نومبر ۱۹۶۹ء) کو مدینہ منورہ میں مدرسہ ثانویہ طیبہ کے ہال میں کی گئی، اس جلسے میں رابطہ عالم اسلامی کے بعض مقتدر ارکان، جامعہ اسلامیہ کے اساتذہ اور شہر کے تعلیم یافتہ اصحاب تھے، ہال حاضرین سے بھرا تھا۔

الحمدللہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد۔

حقیقی خیر خواہی

میں چاہتا ہوں کہ اس مجلس میں آپ سے کچھ صاف باتیں کروں جو بات بھی کہوں پوری قوت، پورے یقین اور پورے اعتماد سے کہوں، آپ حضرات نے مجھ سے جس حسن ظن اور مجھ پر جس اعتماد کا مظاہرہ کیا ہے، آپ کا یہ اعتماد، میری طرف اٹھی ہوئی آپ کی نگاہیں، میری آواز پر لگے ہوئے آپ کے کان اس کے متقاضی ہیں کہ میں صاف گوئی سے کام لوں، ''مجالمت'' اور مداہنت نہ کروں بلکہ کچھ کھری کھری باتیں کروں اور اپنے گھر اور خاندان کے افراد کے ساتھ ''مجالمت'' کرتا بھی کون ہے؟ ہر انسان اپنے بھائی بندوں اور اپنے خاندان والوں سے سچی محبت رکھتا ہے یہ محبت اس صاف گوئی پر مجبور کرتی ہے، خاندان کا سربراہ افراد خاندان سے غلط بیانی نہیں کرسکتا۔

مجھے اجازت دیجئے کہ آپ سے کچھ صاف صاف باتیں کروں اور اپنا درد دل آپ حضرات کے سامنے کھول کر رکھ دوں۔

حادثات سے عبرت پذیری

اللہ تعالےٰ نے انسانوں کو جن اوصاف اور صلاحیتوں سے آراستہ فرمایا ہے، ان میں سے سب سے اہم حادثات سے عبرت پذیری اور زندگی کے تجربات سے نفع حاصل کرنا ہے، یہ

صلاحیت اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی بہت بڑی اور بہت اہم دولت ہے، اس نے تہذیب وتمدن، علوم وفنون اور صنعت وتجارت تمام میدانوں میں آگے بڑھنے کا راستہ کھولا ہے، اسی نے حفاظت اور دفاع کی راہیں دکھائی ہیں اور عزت وحرمت کی حفاظت کے طریقے سکھائے ہیں اور انسان تو روزمرہ کے معمولی واقعات سے سبق حاصل کرتا ہے، اور نتائج اخذ کرتا ہے، اور پورے طور پر اپنے فرائض کو ادائیگی اور اپنے عزت وشرف اور اپنے دین وایمان کی مناسب اور مکمل حفاظت بھی وہی انسان بہتر طریقے پر کرسکتا ہے، جو زندگی کے حادثات وواقعات سے صحیح نتیجہ اخذ کرے، ان سے سبق حاصل کرے، اور زندگی کے میدان میں ان سے فائدہ اٹھائے، یہ وصف تو انسان کی فطرت اور اس کے خمیر میں شامل ہے، ایک بچہ اگر زندگی کا بالکل ابتدائی مرحلہ طے کرچکا ہے اور عقل وشعور کی ابتدا ہوچکی ہے، وہ بھی اگر آگ کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے، اور اس کی انگلی جل جاتی ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے سبق حاصل کرتا ہے، اس کے دل ودماغ میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ اگر کبھی آگ کی طرف ہاتھ گیا تو انگلی ضرور جل جائے گی اور اس کو خطرہ پیش آئے گا، اسی کو علم استقراء کہا جاتا ہے، جزیات سے کلیات کی طرف انتقال اسی کا نام ہے اور یہی علم ہے جس نے انسانیت پر بے شمار احسانات کئے ہیں، اور علم وحکمت اور ایجاد واختراع کے میدانوں میں بہت فائدہ پہونچایا ہے، آپ حضرات تاریخ کا علمی اور تحقیقی مطالعہ کرنے والے ہیں، آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یورپ نے صنعت وحرفت اور علوم وفنون میں جو طویل مسافت طے کیا ہے، وہ ظن وتخمین اور اندازوں سے نہیں بلکہ اسی علم واستقراء کی بدولت کی ہے۔

مومن، انسانیت کا اعلیٰ معیار

ایک مومن تو انسانیت کا اعلیٰ معیار اور مثالی نمونہ ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ عقل سلیم میں سب سے فائق ہو اور زندگی میں پیش آنے والے اور اپنے جھیلے ہوئے یا جانے ہوئے واقعات وحوادث سے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ سرعت کے ساتھ اس کا ذہن صحیح نتائج اخذ کرے اور اپنے آپ بار بار ایک ہی خطرہ کی زد پر نہ آنے دے، اسی وجہ سے حدیث شریف مین آیا ہے "لایلدغ المومن من جحر مرتین" (مومن ایک سوراخ سے دو بار

نہیں ڈسا جاتا' عقل و ہوش والے کسی بھی انسان سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ ایک ہی سوراخ میں دوبارہ یا سہ بارہ ہاتھ ڈالے، لیکن مومن جو انسانیت کا اعلیٰ معیار ہے، جس میں انسانی صفات کے بہترین مظاہر نظر آتے ہیں، تمام انسانی خوبیوں کے جلوے نظر آتے ہیں، اسی سے بدرجہ اولیٰ اس کی توقع کی جانی چاہئے کہ وہ ایک دھوکہ کا بار بار شکار نہ ہو۔

منافق کی نفسیات

اور چونکہ ایک منافق کی نفسیات ایک مومن کی نفسیات کے بالکل خلاف اور اس کی ضد ہوتی ہے، اسی وجہ سے وہ حادثات اور اہم اور نتیجہ خیز واقعات سے بہت کم فائدہ اٹھاتا ہے، چنانچہ اللہ کا فرمان ہے" اولا یرون انهم یفتنون فی کل عام مرةً او مرتین ثم لایتوبون ولا هم یذکرون" (کیا وہ دیکھتے نہیں کہ وہ لوگ سال میں ایک بار یا دو بار آزمائے جاتے ہیں، پھر بھی وہ توجہ نہیں کرتے اور نہ وہ سبق حاصل کرتے ہیں) دوسری جگہ ہے"کلما ردوا الی الفتنة ارکسوا فیها"۔

منافق کی فطرت اور اس کی نفسیات مومن کی صحیح، سلیم اور بے داغ فطرت سے متضاد ہوتی ہے، ایمانی فطرت کا تقاضا ہے کہ حادثات سے عبرت حاصل کر کے ایک ہی خطرہ کا دوبارہ شکار نہ ہو، لیکن منافقین کی فطرت، فطرت سلیم کے برعکس ہوتی ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے ان کی صفت بیان کی ہے کہ وہ مصائب، المیوں، جھڑکیوں اور سخت سرزنش سے بھی متنبہ نہیں ہوتے، نہ اس سے سبق حاصل کرتے ہیں، اور نہ ان بڑی بڑی غلطیوں سے ہی کچھ عبرت حاصل کرتے ہیں، جن کے نتیجہ میں بہت دنوں تک تلخ گھونٹ پینے پر مجبور ہوتے ہیں، اور پوری زندگی ان کی بڑی مہنگی قیمت ادا کرتے رہتے ہیں۔

فطرت سلیم کی خلاف ورزی

ایک فرد اگر اس فطرت سلیم کی خلاف ورزی کرتا رہے، اور تجربات کو ہمیشہ پس پشت ڈالتا رہے تو اس سے صرف ایک فرد کو نقصان پہونچے گا، لیکن وہی فرد جتنا ممتاز مقام رکھتا ہے، اور اس کو اپنے ساتھیوں دوستوں اور اپنے معاشرہ کا جتنا اعتماد حاصل ہے، اسی قدر اس کو نقصان ہو

گا، اور قوم اور نسل کو نقصان پوری قوم یا پوری نسل کو محیط ہوگا۔

حالیہ واقعات کا روشن پہلو

حالیہ واقعات جو کسی توضیح وتشریح یا کسی حاشیہ آرائی کے محتاج نہیں، ہم میں سے ہر ایک اس کو اچھی طرح جانتا ہے، اس کی تلخی کو محسوس کرتا ہے، اور ایک مسلمان کی حیثیت سے میں بھی آپ لوگوں کے تمام مصائب وتکلیفات میں شریک ہوں، ان حادثات کی اگر کوئی قیمت ہوسکتی ہے تو یہی کہ ہم ان سے سبق حاصل کریں، اور ان سے صحیح، یقینی، صاف اور بے غبار نتائج اخذ کریں، یہ المناک حادثہ جس کی ہم نے اپنی عزت ووقار اور اپنے علاقہ سے بڑی سے بڑی قیمت ادا کی ہے، اس کا کوئی فائدہ ہوسکتا ہے، اور اس میں کوئی روشن پہلو نکل سکتا ہے تو یہی کہ ہم اس سے عبرت، نصیحت اور سبق حاصل کریں، میں اس کے اسباب کی تفصیل نہیں بیان کرنا چاہتا، نہ اس موضوع پر کوئی لمبی بات کرنا چاہتا ہوں، یہ بہت پامال اور مشہور ومعروف موضوع ہے، ممکن ہے اس سے اکتاہٹ پیدا ہوجائے۔

ان المناک حادثات کا سب سے پہلا نتیجہ جس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضروری ہے، یہ ہے کہ لادینی اور ملحدانہ قیادتیں ناکام ہوچکی ہیں۔

لادینی اور ملحدانہ قیادتیں ناکام

ان حادثات نے روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے، جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی ہے کہ لادینی قیادتیں جو عربوں و مسلم اقوام وقبائل پر مسلط ہوگئی تھیں اپنے تجربہ میں ناکام ہوگئیں، اگرچہ میں اس کو تجربہ نہیں سمجھتا بلکہ یہ طے شدہ پروگرام سوچے سمجھے منصوبے، دانستہ اور ارادی کارستانیوں اور سازشوں کا نتیجہ ہے۔

یہ قیادت صرف فلسطین کا مسئلہ حل کرنے ہی میں ناکام نہیں ہوئی ہے بلکہ اپنی قوم کی سلامتی کی حفاظت اور ملک کی عزت ووقار اور ان کے حدود کی حفاظت میں بھی ناکام رہی۔

کہا جاتا ہے کہ ان ترقی پسندانہ نظریات پر مبنی قیادتوں کو کچھ رعایت ملنی چاہئے، جو ترقی یافتہ، متمدن اور انقلابی عہد کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگی کی کوشش کر رہی ہیں، اور غیر مرئی

اور غیبی عوامل کو تسلیم نہیں کرتیں، بلکہ صرف موجود اور مرئی حقائق پر یقین واعتماد رکھتی ہیں، ان کو اس کا موقع ملنا چاہئے کہ وہ درپیش مسائل اور عرب قوم کی قیادت کے میدان میں اپنا کردار ادا کرسکیں، تو یہ بھی ہو چکا، اللہ نے ان کو میدان میں آنے اور اپنی صلاحیتوں کو آزمانے کا پورا پورا موقعہ دیا، دانا وبینا پروردگار کی اس میں بھی ایک حکمت ہے کہ یہ قیادتیں اپنے ترکش کا آخری بہترین، تیز ترین اور قوی ترین تیر بھی استعمال کر کے دیکھ لیں، تاریخ کے کسی زمانہ میں بھی ملتا ہے، یا جن تک فکر انسانی کی رسائی ہو سکتی ہے، اور جن کا وجود روئے زمین پر ممکن ہے اور ان تمام اسلحہ سے مسلح ہوں جن سے روئے زمین کی کوئی بھی طاقت بہرہ ور رہی ہے، قدرت نے کسی چیز میں بخل نہیں کیا، ان کی آرزوؤں میں رکاوٹ نہیں ڈالی، رائے عامہ کی تشکیل، ادب وصحافت کے استعمال، اداروں کی تنظیم اور نظریات وخیالات کی ترویج واشاعت کے لئے ان کو جدید بہتر اور مؤثر ذرائع ووسائل مہیا کئے گئے، اللہ کی حکمت بالغہ، جس کی گہرائی اور گیرائی کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا، کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ طاقتیں جو اپنے کو اس عہد کی قیادت کا اہل سمجھتی تھیں اور قوم کی رہنمائی کی دعویدار تھیں اس زمانہ کی بہترین ایجادات واختراعات ان کی دسترس میں ہوں اور وہ ان کو استعمال کر کے بھی دیکھ لیں، قیادت کا میدان ان کے لئے خالی ہو اور بغیر کسی خطرہ یا رکاوٹ کے پورے ساز وسامان ذہن ودماغ اور اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ ان کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملے لیکن اس کے باوجود ان کو انتہائی شرمناک شکست سے دوچار ہونا پڑا، اس کی مثال، اگر انسانی تاریخ نہ کہا جائے تو بھی کم از کم مسلم تاریخ میں نہیں ملتی۔

عرب قوم اور مسلمانوں کے دامن پر بدنما داغ

آج کے وہ قائدین جنھوں نے عرب اقوام کے مسائل اور خاص طور پر مسئلہ فلسطین کو حل کرنے کا دعویٰ کیا تھا، یہ انسانی تاریخ کے ناکام ترین قائدین میں ہیں، مشیت الٰہی نے انھیں سنہرا موقع دیا تھا، جو شاذ ونادر ہی کسی قائد کو ملتا ہے، ان کے لئے میدان بالکل خالی تھا، راہ کی ساری رکاوٹیں ختم ہو چکی تھیں، جن سے یہ گھبراتے تھے، وہ بھی میدان چھوڑ چکے تھے، لیکن نتیجہ کیا ہوا؟

انھوں نے عرب قوم کے دامن پر ایسا بدنما داغ لگا دیا ہے، جسے سات سمندروں کا پانی بھی

نہیں دھوسکتا، یہ صرف عرب ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے دامن پر بدنما داغ ہے۔

اس حادثہ کا یہ سب سے پہلا اور اہم سبق ہے، اسے فراموش نہیں کرنا چاہئے

عربوں کی فطرت کے خلاف بغاوت

عرب قوم پر اللہ کی عنایت اور خاص رحمت یہ ثابت ہوئی کہ خلاف اسلام رجحانات ونظریات رکھنے والے قائدین کو اس کا موقع ملا کہ وہ اپنے عزائم کو بروئے کار لاسکیں اور اپنے بنائے ہوئے پروگرام اور نقشوں کے مطابق عمل کرسکیں، اور پھر ناکام رہیں، عرب قوم کے لئے یہ مقدر ہو چکا ہے کہ وہ ہمیشہ اسلام کے پیغام کے ساتھ مربوط رہیں، اور اسی کی زیر سایہ ترقی کریں، حیرت انگیز طریقہ سے عرب کے سیاسی اسٹیج پر یہ رہنما نمودار ہوئے جنھوں نے عربوں کی فطرت کے خلاف بغاوت کی اور اسلام اور مسلمانوں کو پردہ کے پیچھے دھکیل دیا اور طویل مدت میں یہ بھی ممکن تھا کہ قدرت کی طرح ان کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالی جاتیں اور یہ اپنے منصوبوں کے مطابق کام نہ کرسکتے لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ ان کو پوری آزادی ملی اور جو جی میں آیا کرتے رہے، یہاں تک کہ عربوں کی نگاہوں میں روز روشن کی طرح یہ بات روشن ہوگئی کہ عرب کی بھلائی ان کے بس کی بات نہیں، اور یہ قیادت بدتوفیق، منحوس، بے نتیجہ اور بانجھ ہے۔

رسول اللہؐ کے حریفوں کا عبرت ناک انجام

محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی مخالفت کرنے والوں، آپ کی عالمی اور ابدی قیادت کو چیلنج کرنے والوں اور نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کا ہمیشہ یہی انجام ہوا ہے، قرآن کی آیت کریمہ: ان شانئک ھو الابتر (بیشک آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہونے والا ہے) کو میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بغض وحسد رکھنے والے اور آپ کی قیادت سے اختلاف کرنے والے قریش کے کسی اجڈ اور اکھڑ شخص کے لئے مخصوص نہیں مانتا، اسی طرح "ابتر" میرے خیال میں صرف نسلی اور نسبی انقطاع ہی کا نام نہیں، بلکہ اس کا مفہوم اس سے بہت وسیع ہے، اس کا پورا مفہوم یہ ہے کہ:

’’اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) جو بھی آپ کا مخالف ہو، آپ سے دشمنی رکھے آپ کی عالمگیر قیادت کو چیلنج کرے، آپ کی قیادت سے قوم کا تعلق منقطع کر کے ان کی گردنوں پر خود مسلط ہو جائے اور قوم کے ذہن ودماغ سے روحانیت کے مبارک عنصر کو خارج کرنا چاہے، اس کا انجام ہے بدتوفیقی، ناکامی، ذلت گمنامی، اور بے نشانی‘‘۔

یہی انجام ہوا مسلمہ کذاب کا، اسود عنسی کا، طلیحہ اسدی کا، سجاح کا، ابوطاہر جنابی کا، عبید بن میمون کا، حسن بن صباح کا، بہاء اللہ ایرانی اور غلام احمد قادیانی کا، اور اسلام سے بغض وعداوت رکھنے والے انتہا پسند قوم پرست لیڈروں کا بھی ہر زمانہ میں یہی انجام ہوا ہے، اور جو شخص بھی اس امت پر ناجائز طور پر اور زبردستی غلبہ حاصل کرے گا اور امت کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ابدی قیادت سے الگ کرنے کی کوشش کرے گا، اس کا انجام بھی وہی ہوگا، قرآن نے جس کی خبر دی، اور تاریخ سے جس کی ابدیت ثابت ہے۔

مفسرین کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، انھوں نے اس آیت کی تشریح میں جو کچھ لکھا ہے، اس کے اعتراف واحترام کے ساتھ میں اس آیت کے مفہوم کو اس قدر محدود نہیں سمجھتا، میرے نزدیک اس کا مفہوم وسیع ہے، اور یہ آیت اعلان کرتی ہے کہ ’’محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر حریف ورقیب اور آپ کی قیادت کو چیلنج کرنے والے ہر بدنصیب کا یہی انجام ہوگا‘‘۔ تاریخ، عقل سلیم اور حوادث سے صحیح نتائج اخذ کرنے والا باشعور ذہن ان رہنماؤں کو اس ناکام تجربہ کو دوبارہ دہرانے کی اجازت اور اس کا موقع ہرگز نہیں دے سکتا، انسان کی انفرادی زندگی میں بھی ناکام تجربات کا دہرانا خطرناک ثابت ہوا کرتا ہے، اور قوم کے قائدین کی غلطیوں کا اعادہ تو قوم کے مستقبل اور اس کے انجام کے لئے انفرادی زندگی کے محدود نقصان سے کہیں زیادہ مضرت رساں اور تکلیف دہ ہوگا۔

دوسرا سبق، خودغرض اور مفاد پرست رہنما

خودغرض اور مفاد پرست رہنماؤں کا یہ طریقہ جو اپنے نفس کی پرستش اور اقتدار کی اونچی کرسیوں کے سامنے سجدہ ریزی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں جو اپنے اغراض اور اپنی خواہشات کی تکمیل میں کسی چیز کو معیوب نہیں سمجھتے، جنھیں نہ دین ومذہب کا خیال ہے، نہ

انسانیت کا پاس، نہ افراد کی آزادی کا لحاظ نہ دین ومذہب اور نہ آخرت پر یقین، نہ اپنے ذاتی فوائد کے سامنے کسی قومی وملکی مصلحت کی فکر، نہ دوسروں کے خیالات ونظریات اور اصول وضوابط پر اعتماد، نہ ان کا لحاظ، جو خود ''اعلیٰ اقتدار'' اور افکار ونظریات کے بت تراشتے ہیں، پھر انھیں کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں اور ان کے سامنے کسی رائے، کسی نظریہ کو خاطر میں نہیں لاتے، اس قسم کے رہنما اور سربراہ اپنی قوم کے گناہوں کا نتیجہ ہیں، اور اسی کے پاداش میں ان پر مسلط کردیئے گئے ہیں، قرآن ان کی صحیح اور سچی تصویر کشی کرتا ہے:۔

ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیواۃ الدنیا ویشھد اللہ علیٰ مافی قلبہ، وھو الدالخصام، واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد. واذا قیل لہ اتق اللہ اخدتہ العزۃ بالا ثم فحسبہ جھنم، ولبئس المھاد. (بقرہ:۲۰۴-۲۰۶)

بعض انسان ایسے ہیں جن کی بات دنیا کی زندگی میں بڑی بھلی لگتی ہے، وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں، حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہیں اور جب وہ قابو پاتے ہیں تو زمین میں ان کی سرگرمیاں اس لئے ہوتی ہیں کہ اس میں فساد پھیلائیں اور جانوں اور کھیتوں کو برباد کر دیں، اور اللہ فساد پسند نہیں کرتا، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو غروران کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے ان کے لئے تو بس جہنم ہی کافی ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

ان لیڈروں کی اس سے بہتر اور سچی تصویر اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس کا ایک ایک جز وان پر منطبق ہو رہا ہے، ان کی چکنی چپڑی باتیں، سنئے، انسانیت، آزادی جمہوریت، اشتراکیت، انسانی حقوق اور معاشرتی انصاف جیسے موضوعات پر ان کی ان کے حواریین اور ان کے گرگوں کی رواں اور فصیح وبلیغ عبارتیں پڑھئے، عرب ممالک کے کسی بھی مرکز سے بہترین اور دل نواز نشریات سنئے، اخبارات میں شائع ہونے والی ان کی وجیہہ وشکیل تصویریں دیکھئے، آپ تعجب کریں گے کہ یہ وجیہہ اور بارعب سورما کیا اسرائیل سے شکست کھا سکتے ہیں؟۔

اگر آپ قرآن کی تصدیق اور اس کی عملی تفسیر چاہتے ہیں تو ذرا اخبارات میں گزشتہ واقعات کی تفصیل پر ایک نظر ڈال لیجئے اور ان حادثات سے ان رہنماؤں کے دل ودماغ پر جو اثرات مرتب ہوئے ہیں، ان پر غور کیجئے اور اسی طرح قرآن کی یہ آیت پڑھئے۔

واذا رايتهم تعجبک اجسامهم وان يقولوا تسمع لقولهم ، كانهم خشب مسندة يحسبون كل صيحة عليهم هم العدو فاحذرهم.

(منافقون۔ ۴)

اگر تم ان کو دیکھو تو ان کے جسم تم کو بھلے لگیں گے اور وہ کچھ کہیں تو تم ان کی باتیں سنو گے جیسے وہ ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ہر آواز انہی کے خلاف ہے، وہی دشمن ہیں ان سے محتاط رہو۔

قرآن کی اس آیت میں ان کی صحیح اور حقیقی تصویر پوری طرح اور مجسم شکل میں آجاتی ہے وہ قرآن کا ابدی معجزہ ہے۔

حالیہ واقعات سے ملنے والا یہ دوسرا سبق ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ ''جب یہ قابو پاتے ہیں تو ان کی ساری سرگرمیاں زمین میں فساد پھیلنے اور جان و مال برباد کرنے کے لئے ہوتی ہیں'' ذرا ان ملکوں میں جان و مال کی بربادی پر نظر ڈالئے جہاں یہ خودسر اور خوف خدا سے آزاد حکمراں مسلط ہو گئے ہیں، جو جدید فلسفوں اور شیطانی نظریات کا پرچار کر رہے ہیں، انھوں نے اپنے ملکوں کو بالکل خالی کر دیا ہے، جیسے موسم خزاں میں سرسبز و شاداب درخت پھولوں اور پتیوں سے بالکل خالی ہو جاتے ہیں، مصیبت کے مارے یہ ممالک بالکل ویران ہو گئے ہیں، تمام دینی و دنیاوی نعمتوں سے خالی، ان میں نہ بڑے بڑے علماء رہ گئے ہیں، نہ وہ ماہرین جن پر علاقہ فخر کرتا تھا، ان ممالک میں نہ آزادی ہے نہ خود اعتمادی۔

ناقابل تلافی نقصان

خود اعتمادی جو انسان کی بہترین دولت ہے اور ہر زمانہ میں انسان سے متمتع ہوتا رہا ہے، یہاں تک کہ قدیم فرمانرواؤں اور ظالموں نے بھی ان سے یہ دولت چھینی، لیکن نام نہاد ''جمہوریتوں'' اور ''ترقی پسند قیادتوں'' نے مسلم اور عرب اقوام کو اس دولت سے بھی محروم کر دیا، ان کی خود اعتماد جاتی رہی، ان کو اپنی صلاحیتوں پر اعتماد نہ اپنی عقل پر نہ اپنی کارگذاریوں پر، طالب علم میں اگر خود اعتمادی نہ ہو تو کتنا ہی ذہین ہو امتحان میں کامیاب نہیں ہوسکتا، فوج کا ایک ایسا

سپاہی اگر تلوار نہ رکھتا ہو تو کوئی زیادہ فکر کی بات نہیں بندوق نہ ہو، کوئی حرج نہیں، گولیاں ختم ہو جائیں، جب بھی کوئی پریشانی کی بات نہیں لیکن اگر اسے اپنے اوپر اعتماد نہ ہو، اپنے اصول ونظریات پر اعتماد نہ ہو، اپنے دین پر اعتماد نہ ہو تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں۔

اس قوم کو پہونچنے والا سب سے بڑا نقصان یہی ہے، جس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔

اقوام وملل کی مثال رواں دواں نہروں جیسی ہے، اس میں جھاگ اٹھتا ہے، پتھر آتے رہتے ہیں، لکڑیاں بھی بہتی رہتی ہیں، اور نہر کی روانی میں کوئی فرق نہیں آتا۔

فاما الزبد فيذهب جفآءً واما ماينفع الناس فيمكث في الارض

(الرعد ۱۷)

جھاگ خشک ہو کر اڑ جاتا ہے اور جو انسانوں کے لئے نفع بخش ہوتا ہے وہ زمین پر ٹھہر جاتا ہے۔

زندگی میں نہ مصائب وآلام کی چنداں اہمیت ہے نہ شکست وناکامی کی اہمیت ہے قوم کی خودشناسی اور خوداعتمادی کی، ضمیر کی بیداری کی اور گردوپیش کے صحیح شعور وادراک کی۔

لیکن جب قوم کا احساس اتنا مردہ ہو جائے کہ اسے فتح وشکست کا فرق ہی نہ محسوس ہو، اس کا شعور اتنا خام ہو کہ دوست ودشمن میں تمیز نہ کر سکے، اسے دشمن سے عداوت ہو، نہ دوست سے محبت، تو ایسی قوم خود ہی اپنے لئے خطرہ اور اپنے آپ کی دشمن بن جاتی ہے۔

ہماری موجودہ قیادت نے ہم کو صلاحیت اور قوت کے خزانہ سے عاری اور بے بہرہ کر دیا ہے، حالانکہ اسی کی بدولت ہم نے تاریخ کے ہر دور میں ایسے حملوں اور مصیبتوں کا سامنا کیا ہے کہ کسی دوسری قوم کو ان سے سابقہ پڑتا تو وہ تاریخ کے صفحات کی زینت بن کر رہ جاتی، لیکن اس امت نے پختہ ایمان، زندہ شعور، اور اسی خوداعتمادی کی وجہ سے تاریخ کے ہر موڑ پر بڑے بڑے مہیب اور مہلک حملوں کا مقابلہ کیا ہے، ایک شکست خوردہ فوج بھی اگر ایمان، اور ایمانی اور نبوی تربیت کے پیدا کردہ اسلحہ سے عاری نہ ہو تو اس کی ہمت پست نہ ہوسکتی، اور بالآخر کامیابی اس کے قدم چومے گی، کیا آپ نے غزوۂ حمراء الاسد کا واقعہ نہیں پڑھا؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب (رضوان اللہ علیہم اجمعین) زخموں سے چور غزوۂ احد سے واپس ہوتے ہیں، انھوں نے ابھی میدان جنگ کے گرد بھی نہیں جھاڑی ہے، اسی کٹھن موقع پر رسول اللہ صلے

اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ کر قریش سے دو بدو ہونے کا حکم دیتے ہیں، کامیابی کے نشہ میں جن کے دماغ آسمان پر پہونچ رہے تھے۔

دنیا کی کسی بھی فوج کو اتنے زخم لگے ہوئے ہوں تو وہ دوبارہ حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی، لیکن وہ لوگ دوبارہ مقابلہ کے لئے بڑھے، اگرچہ مقابلہ نہیں ہوا، کیونکہ قریشی الٹے پیروں واپس ہو گئے۔

تیسرا سبق

ان حوادث سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری زندگی غلط پٹری پر پڑ گئی ہے، اور ضرورت اس کی ہے کہ ہم پہلی فرصت میں اس کی تلافی کریں، جب تک یہ غلطی باقی ہے، جب تک کشتی میں کوئی سوراخ ہے، جس سے پانی ابل رہا ہے، زندگی کی کشتی خطرہ سے باہر نہیں آ سکتی، آج عرب اقوام اور ان کی قیادتوں کی مثال اسی کشتی کے سواروں جیسی ہے، جسے کے پیندے میں سوراخ تھا، اور پانی آ رہا تھا، لیکن کشتی کے سوار خیالی بحری قزاقوں سے بچنے کی فکر میں تو پریشان رہے لیکن اس سوراخ سے غافل رہے، ایسی کشتی اور ایسے سواروں کا انجام کیا ہو سکتا ہے؟۔

''شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر''

حکومتوں اور انسانی معاشرہ کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے، ایک قوم اٹھتی ہے، اور ایک طاقتور اور شان وشوکت کی حکومت قائم کرتی ہے، ابتدا میں ان کی طبائع پر جرأت بہادری، استقلال اور متانت کا اثر غالب رہتا ہے، وہ دھن کے پکے اور محنت ومشقت کے عادی ہوتے ہیں، پھر ان میں کمزوری پیدا ہونے لگتی ہے، ان کی ہمتوں اور ان کے عزائم میں گھن لگ جاتا ہے، رفتہ رفتہ یہ روگ رگ رگ میں سرایت کر جاتا ہے، پھر یہ قومیں ہواوہوس اور خواہشات نفسانی کو چھوٹ دے دیتی ہیں، عیش وتنعم اور تفریحات کے وسائل واسباب بہت زیادہ ہو جاتے ہیں، موسیقی، ورقص وسرور، تصویریں اور... جذبہ کو تسکین دینے والے دوسری اشیاء کی کثرت ہو جاتی ہے، یہاں کی حکومت اور قومی عزت وشرف کا آخری وقت ہوتا ہے، اقبال نے اسی تاریخی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

جب پورا معاشرہ، پوری قوم اور حاکم طبقہ اس فساد کا شکار ہو جائے، وہ لہو ولعب رقص وسرور اور عیش وعشرت میں ڈوبا رہے، ہنسی مذاق کو سنجیدگی اور متانت، اور دل بہلانے والے کاموں کو بہادری، مردانگی، عزیمت اور استقلال پر ترجیح دینے لگے تو اس کا نتیجہ سوائے تباہی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

تاریخ کا ایک ورق

عباسی حکومت اور تاتاریوں کے حملہ کی تاریخ دیکھئے، بغداد کے رہنے والے محلات وقصور میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں لگے رہے، انواع واقسام کے کھانوں اور مشروبات کی ایجاد پر اپنی ذہانت صرف کرتے رہے، لہو ولب میں منہمک رہے، نمازوں اور دوسری شرعی پابندیوں کا خیال ولحاظ دماغ میں رہا نہیں، مغنیات اور رقاصاؤں کے رقص وسرور میں ہمہ دم مشغول رہے، اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

مشرق اقصی کے قراقرم سے تاتاری نکلے اور بغداد کے ساتھ جو کچھ کیا وہ سب کو معلوم ہے۔

مغلوں کا زوال

ہندوستان میں مغل حکومت کی کہانی بھی ویسی ہی ہے، مغلوں نے ہندوستان میں چار صدیوں تک اس شان وشوکت اور رعب وقوت سے حکومت کی ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی، اس نے پورے برصغیر کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنے زیر نگیں کر لیا، یہاں تمام طاقتیں حکومت کے سامنے جھک گئیں، لیکن جب اس مضبوط حکومت میں ضعف وپیری کے آثار ظاہر ہونے لگے تو امراء اور ذمہ داران حکومت کی حالت یہ ہو گئی کہ انھیں تفریحات اور دل بہلانے والے کاموں سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی، وہ ہر وقت ظاہری شان وشوکت اور عیش وتنعم میں مشغول رہتے تھے، نادر شاہ جس نے ایران میں نئی اور جواں

ہمت حکومت قائم کی تھی، اس نے ہندوستان پر بہت چھوٹے اور معمولی لشکر کے ساتھ حملہ کیا، اس کو کہیں سے کسی قسم کی امداد یا کمک کی امید نہیں تھی، اور چاروں طرف سے ہندوستانی اور مقامی طاقتوں اور فوجوں سے گھرا ہوا تھا لیکن وہ سخت جان اور محنت ومشقت کا عادی تھا، اس کے مقابلہ میں ہندوستان کے مغل بادشاہ محمد شاہ جو تفریحات اور عیش وعشرت میں انہماک کی وجہ سے ''رنگیلے'' کے نام سے مشہور تھا، جب اس کو نادر شاہ کے حملہ کی خبر ملی تو اپنے محل کی چھت پر گیا اور حسرت بھرے لہجہ میں کہا

شامت اعمال ماصورت نادر گرفت

اپنی غلطی تلاش کیجئے

ہمیں بھی اپنی غلطی اسی لہوولعب، کھیل کود، ناز ونعمت تفریحات اور دلفریبیوں سے بھرپور زندگی میں تلاش کرنی چاہئے جس زندگی کا دارومدار ان رنگینیوں، رعنائیوں اور دلفریبیوں پر ہو وہ کسی شدت، کسی خطرہ اور کسی بھی نئی اور مشکل صورت حال کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اس سے یہ امید کبھی نہیں کی جاسکتی، نہ یہ ممکن ہے کہ وہ کسی بیرونی حملہ کا مقابلہ کرے، اپنی عزت وشرف اور اپنے وقار کا دفاع کرسکے اور کارزار حیات میں اپنا حق ادا کرسکے، اعلیٰ اخلاقی اقدار سے خالی زندگی اور ہمارا تیز رفتاری کے ساتھ اور مسلسل ومتواتر اخلاقی زوال یہی ہمارے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے، رومیوں اور ایرانیوں کے خلاف قدیم عربوں کی کامیابی بلاشبہ ان کے ایمان کی رہین منت رہی ہے، میں اسے مانتا ہوں اور سب سے پہلے مانتا ہوں، لیکن ان کی فتح اور غلبہ کے اسباب میں ایک اہم سبب ان عربوں کی سخت کوشی بھی تھی۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اسی امت کے سب سے بڑے مربی حضرت عمرؓ بن خطاب کی تاکید تھی ''سخت ہو جاؤ'' گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو اور اچھل کر سوار ہو'' لیکن آج ہماری زندگی میں سخت کوشی کہاں؟

عرب نوجوان کا ماضی اور حال

عرب نوجوانو: مشرقی اقوام کو تم ہی نے زندگی میں سخت کوشی اور محنت ومشقت برداشت

کرنا سکھایا تھا، عیش وعشرت سے بے نیازی، شدائد کی برداشت اور بہادری وشہسواری میں تمہاری زندگی مثالی سمجھی جاتی تھی، ہم ہندوستان سے آتے ہیں تو ہماری آنکھیں ان اصیل اور برق رفتار گھوڑوں کو تلاش کرتی رہتی ہیں، جن کا ذکر بار بار اور کثرت کے ساتھ دیوان حماسہ، عربوں کے اشعار اور ان کی قدیم داستانوں اور حدیث اور سیرت کی کتابوں میں پڑھ چکے ہیں، لیکن کہاں ہیں، آج وہ شوخ وشنگ گھوڑے اور وہ ماہر اور جری شہسوار؟ آج ہماری حکومت یہ ہے کہ ہم چند قدم پیدل نہیں چل سکتے، دھوپ میں چلنا ہمیں شاق گذرتا ہے، کسی قسم کی سختی یا تکلیف برداشت کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔

ذرا یہودی نوجوانوں کو دیکھئے اور اپنی حالت سے ان کی حالت کا مقابلہ کیجئے، محترم مفتی امین الحسینی (مفتی اعظم فلسطین) یہاں موجود ہیں، ان سے یہود کی حالت معلوم کیجئے وہاں یونیورسٹی کے ہر طالب علم کے سالانہ چھٹیوں میں ایک متعین مسافت پیدل دھوپ میں طے کرنا ضروری ہے، یہ یہودی پہلے سستی، کاہلی اور نزاکت میں مشہور ہوا کرتے تھے لیکن آج دنیا بدل گئی۔

تفریحات اور لہو ولعب کی طبعی خصوصیات

ان تفریحات اور لہو ولب کی طبعی خاصیت ہے، سستی، کاہلی، پست ہمت، سہل پسندی، اس لغویات بھری زندگی کا طبعی انجام ہے، شکست ونا کامی۔

ہمیں چاہئے کہ فتح وشکست کے ان اسباب کو تلاش کریں جو قرآن نے بیان کئے ہیں، رسول اللہؐ نے بیان کئے ہیں، اور جن کو مسلم قائدین نے ہمیشہ حرز جاں بنایا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عالم عربی، اہل مغرب کی آماجگاہ کیوں؟

عالم عربی دنیائے انسانیت کا دھڑکتا ہوا دل ہے جو بد قسمتی سے اہل مغرب کی نظروں کا مرکز، ان کی خواہشات کی آماجگاہ اور قیادت و لیڈرشپ کے لئے مقابلہ کا میدان بنادیا گیا ہے، موجودہ حالات میں اس کی حفاظت، امن و استحکام تمام عالم اسلام کا بنیادی فریضہ ہے، داعی کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ عالم عربی کے معروضی حالات کا جائزہ پیش فرماتے ہیں۔ اگر عرب سنبھل جائیں تو تمام عالم کی قیادت اور دنیائے انسانیت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہوگی

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد.

عالم عربی کی اہمیت:

دنیا کے سیاسی نقشہ میں عالم عربی بہت اہمیت رکھتا ہے، وہ ان قوموں کا گہوارہ ہے جنہوں نے انسانی تاریخ میں سب سے اہم پارٹ ادا کیا۔ اس کے سینہ میں دولت و طاقت کے عظیم الشان خزانے محفوظ ہیں، اس کے پاس پٹرول ہے جو آج جنگی اور صنعتی جسم کے لیے خون کا درجہ رکھتا ہے اور یورپ و امریکہ اور مشرق بعید کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے۔

وہ عالم اسلام کا دھڑکتا ہوا دل ہے جس کی طرف روحانی اور دینی طور پر پورے عالم اسلامی کا رخ ہے جو ہر وقت اس کا دم بھرتا ہے اور اس کی محبت و وفاداری میں سرشار رہتا ہے۔

اس کی اہمیت اس لیے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس کا امکان ہے کہ خدانخواستہ اس کو تیسری (عالمی) جنگ کا میدان بننا پڑے۔ وہاں طاقتور بازو ہیں، سوچنے سمجھنے والی عقلیں ہیں اور جنگجو جسم ہیں، وہاں بڑی بڑی تجارتی منڈیاں ہیں اور قابل کاشت زمینیں ہیں۔

مصر وہیں واقع ہے جو اپنی پیداوار: مدنی، زرخیزی و شادابی، دولت و ترقی تہذیب و تمدن میں خاص درجہ رکھتا ہے، جس کی گود میں دریائے نیل رواں دواں ہے۔ یہاں فلسطین ہے اور

اس کے ہمسایہ ممالک ہیں جو اپنی آب وہوا کی لطافت وحسن وخوبصوتی اور فوجی اہمیت میں ممتاز ہیں۔

اس کے پاس عراق ہے جو اپنی بہادری، سخت جانی، شجاعت، عزم اور پٹرول کے ذخیرہ کی وجہ سے مشہور ہے۔

یہاں جزیرہ عرب جو اپنے روحانی مرکز، دینی اثر میں سب سے منفرد ہے، جس کے حج کے سالانہ اجتماع کی نظیر دنیا میں نہیں، جہاں تیل کی چشمے سب سے زیادہ تیل پیدا کرتے ہیں۔

یہ سب چیزیں ہیں جنھوں نے عالم عربی کو اہل مغرب نظر کا مرکز، ان کی خواہشات کی آماجگاہ اور قیادت لیڈر شپ کے لیے مقابلہ کا میدان بنا دیا اور جس کا ردعمل یہ ہوا کہ ان ملکوں میں عربی قومیت اور وطن پرستی کا شدید احساس پیدا ہو گیا ہے۔

محمدؐ رسول اللہ عالم عربی کی روح ہیں:

ایک مسلمان، عالم عربی کو جس نظر سے دیکھتا ہے اس میں اور ایک یورپین کی نظر میں آسمان کا فرق ہے، بلکہ خود ایک وطن پرست عرب عالم عربی کو جس نگاہ سے دیکھتا ہے وہ ایک مسلمان کی نگاہ سے بالکل مختلف ہے۔

مسلمان عالم عربی کو اس حیثیت سے دیکھتا ہے کہ وہ اسلام کا گہوارہ ہے، انسانیت کی پناہ گاہ ہے، عالمی قیادت کا مرکز ہے روشنی کا مینار ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم عالم عربی کی جان، اس کے عزت افتخار کا عنوان اور اس کا سنگ بنیاد ہیں۔ اگر اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جدا کر دیا جائے تو اپنے تمام قوت ذخیروں اور دولت کے چشموں کے باوجود اس کی حیثیت ایک بے جان لاشہ اور ایک نقش بے رنگ سے زیادہ نہ ہوگی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے جس کی وجہ سے عالم عربی عالم وجود میں آیا۔ اس سے پہلے یہ دنیا منقسم اور منتشر اکائیوں، باہم دست وگریباں قبیلوں، غلام قوموں اور بے مصرف صلاحیتوں کا دوسرا نام تھی، اس پر جہل وگمراہی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ عرب رومی شہنشاہی سے جنگ مول لینے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، اس کا تصور کرنا بھی ان کے لیے مشکل تھا۔ شام جو بعد میں عالم عربی کا بہت اہم حصہ قرار پایا ایک رومی نوآبادی تھی جو مطلق العنان حکومت اور سخت ترین

ڈکٹیٹر شپ کے رحم و کرم پر تھی، اس نے ابھی تک آزادی وانصاف کا مفہوم ہی نہیں سمجھا سکا۔
عراق کیانی حکومت کی اغراض وخواہشات کا شکار تھا، نئے نئے محاصل اور بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے اس کمر جھک گئی تھی۔ رومی مصر کے ساتھ ایک گائے کا سا برتاؤ کرتے تھے جس کو دوہنے اور فائدہ اٹھانے میں وہ کمی نہ کرتے لیکن چارہ دیتے وقت حق تلفی اور بخل سے کام لیتے۔ پھر وہاں سیاسی استبداد کے ساتھ مذہبی استبداد کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ دفعتاً اس متفرق منتشر مظلوم دنیا پر اسلام کی باد بہاری کا ایک جھونکا چلا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس وقت یہ عربی دنیا ہلاکت کے قریب تک پہنچ چکی تھی، آپ ﷺ نے اس کی دستگیری فرمائی، اس کی نبضیں ڈوب رہی تھیں آپ ﷺ نے اس کو زندگی بخشی روشنی عطا کی کتاب وحکمت کی تعلیم دی تزکیہ کا سبق پڑھایا آپ ﷺ کی بعثت کے بعد اس دنیا کی نوعیت بدل گئی، اب وہ اسلام کی سفیر تھی، امن وسلامتی کی پیامبر تھی، تہذیب وتمدن کی علمبردار تھی، قوموں کے لیے رحمت کا پیغام تھی۔ اب ہم شام کا نام بھی لے سکتے ہیں، عراق کا ذکر بھی کر سکتے ہیں، ہم مصر پر بھی فخر کر سکتے ہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت نہ ہوتی تو آج نہ شام کا کہیں پتہ ہوتا نہ عراق کا کہیں ذکر ملتا نہ مصر کا وجود ہوتا اور عالم عربی، عالم عربی ہی نہ ہوتا اور یہیں تک نہیں دنیا بھی تمدن وشائستگی، علم وفن تہذیب وترقی کی اس سطح پر نہ ہوتی۔ اب اگر عرب قوموں اور حکومتوں میں کوئی دین اسلام سے مستغنی ہونا چاہتا ہے سیاست وحکومت میں مغربی دستور اور مغربی قوانین کی پیروی کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا قائد، امام، رہبر اور اسوہ ومعیار نہیں سمجھتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کی ہوئی نعمت کو فوراً واپس کر دے اور اپنے پہلے دور جاہلیت کی طرف واپس چلا جائے جہاں رومیوں اور ایرانیوں کا سکہ چلتا تھا، جہاں ظلم واستبداد کا بازار گرم تھا، جہاں سامراج کی فرمانروائی تھی، جہاں جہل وگمراہی تھی، جہاں غفلت اور بیکاری تھی، جہاں دنیا سے الگ تھلگ گمنامی کے گوشہ میں ایک مجہول زندگی گذاری جا رہی تھی، اس لیے کہ یہ شاندار اور روشن تاریخ، یہ تابناک تہذیب، یہ بازار ادب، یہ عرب سلطنتیں اور حکومتیں صرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک بعثت کا فیض اور آپ کی آمد کا نتیجہ ہیں۔

ایمان، عالم عربی کی طاقت ہے:

اسلام عالم عربی کی قومیت ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے امام اور قائد ہیں۔ ایمان اس کی قوت کا خزانہ ہے جس کے بھروسہ پر اس نے دوسری قوموں کا مقابلہ کیا اور فتحیاب ہوا اس کی طاقت کا راز اور اس کا کارگر، ہتھیار جو کل تھا وہی آج ہے جس کے ساتھ وہ دشمنوں سے جنگ کر سکتا ہے اپنی ہستی کی حفاظت کر سکتا ہے اور دوسروں تک اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے۔

عالم عربی کو اگر کمیونزم یا یہودیت سے جنگ کرنا ہے یا کسی دوسرے دشمن کا مقابلہ کرنا ہے تو اس دولت کے بل بوتے پر جنگ نہیں کر سکتا جو برطانیہ اس کو عطا کرتا ہے یا امریکہ اس کو خیرات دیتا ہے یا پٹرول کی قیمت کے طور اس کو حاصل ہوتی ہے، وہ اپنے دشمن کا مقابلہ صرف اس ایمان معنوی قوت، اس روح اور اسپرٹ کے ساتھ کر سکتا ہے جس اسپرٹ کے ساتھ کبھی اس نے بیک وقت رومی و ایرانی حکومتوں کو جنگ کی دعوت دی تھی اور فتح حاصل کی تھی۔ وہ اس دل کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتا جس کو زندگی سے عشق اور موت سے نفرت ہو، اس جسم سے مقابلہ نہیں کر سکتا جو عیش و عشرت کا دلدادہ ہو اس عقل کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا جس کو شک وشبہ کا گھن لگ چکا ہو اور افکار و خواہشات باہم دست و گریباں ہوں، اس کو یاد رکھنا چاہئیے کہ ضعیف الایمان اور متشکک قلب اور میدان میں ساتھ چھوڑ دینے والی قوت کے ساتھ میدان جنگ کبھی نہیں جیتا جا سکتا۔

عرب کے قائدین اور عرب لیگ کے ذمہ داروں کے لیے سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ عربی فوج، کسانوں، تاجروں اور جمہور کے ہر طبقہ میں ایمان کی تخم ریزی کریں۔ ان میں جہاد کا جذبہ جنت کا شوق اور ظاہری آرائشوں کی تحقیر و اہانت کا احساس پیدا کریں، ان کو خواہشات نفس اور زندگی کی مرغوبات پر قابو حاصل کرنے خدا کے راستہ میں مصائب اور تکلیفیں برداشت کرنے، مسکراتے چہروں کے ساتھ موت کے استقبال اور اس پر پروانوں کی طرح گرنے کا سبق دیں۔

شہسواری اور فوجی زندگی کی اہمیت:

یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ عربی اقوام نے اپنی بہت سی فوجی خصوصیات کو ضائع کر دیا، خاص طور پر شہسواری ان کی زندگی سے بالکل خارج ہوگئی، جو ایک بہت بڑا نقصان اور میدان جنگ میں ہزیمت اور کمزوری کا بہت اہم سبب ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان قوموں کی فوجی اسپرٹ جوان کا طغرائے امتیاز تھی ختم ہوگئی جسم کمزور ہو گئے، لوگ ناز و نعم میں زندگی گذار نے لگے، موٹروں نے گھوڑوں کی جگہ لے لی اور قریب ہے کہ عربی گھوڑے جن کی دنیا میں دھوم ہے جزیرہ عرب سے نیست و نابود ہو جائیں گی۔ لوگوں نے کشتی، شہسواری، جنگی مشقوں اور دوسری جسمانی ورزشوں کو فراموش کر دیا اور ان کھیلوں کو اختیار کیا جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے تعلیم و تربیت کے راہنماؤں کے لیے ضروری ہے کہ عرب نو جوانوں میں شہسواری، فوجی زندگی، سادگی، استقلال، عزیمت اور مصائب پر صبر و استقامت کی اہلیت پیدا کریں۔

امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عجمی ممالک میں اپنے عرب عمال کو لکھتے ہیں:۔

ایاکم و التنعم وزی العجم وعلیکم بالشمس فانها حمام العرب و تمعددوا واخشوا شنوا واخلد لقوا واعطوا لراکب استنها و انزوا نزوا وارموا الاغراض (بغوی)

تن آسانی و راحت طلبی کی زندگی اور عجمی لباسوں سے ہمیشہ دور دور رہنا، دھوپ میں بیٹھنے اور چلنے کی عادت برقرار رکھنا کہ وہ عربوں کا حمام ہے جفاکشی سادہ زندگی صبر و تحمل موٹے جھوٹے پہننے کے عادی رہو گھوڑے پر جست لگا کر بے تکلیف بیٹھنے کی مشق رہنی چاہئے نشانے درست ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ارموا بنی اسمعیل فان ابا کم کان رامیا (بخاری)

اے اہل عرب تیراندازی کی مشق رکھو اس لیے کہ تمہارے جد امجد (حضرت) اسمٰعیل تیرانداز تھے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:۔

الا ان القوۃ الرمی، الا ان القوۃ الرّمی (مسلم)

یادرکھو جس قوت کے تیار رکھنے کی قرآن مجید میں تاکید ہے وہ تیر اندازی ہے، وہ تیراندازی ہے۔

تعلیم وتربیت کے ذمہ داروں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ہر ایسی چیز کا مقابلہ کریں جو مردانگی و شجاعت کی روح کو کمزور کررہی ہو اور عجز وتخنث پیدا کرتی ہو، عریانی، صحافت نگاری فحش اور ملحد ادب کی روک تھام کریں جو نوجوانوں میں نفاست، بے حیائی، فسق وفجور اور شہوت پرستی کی تبلیغ کررہا ہو۔ ان پیشہ وروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوجی کیمپ میں نہ داخل ہونے دیں جو نسل اسلامی کے قلب واخلاق میں فساد برپا کرنا چاہتے اور فسق ومعصیت اور فحش پسندی کو چند پیسوں کے لیے خوبصورت اور مزین بنا کر پیش کرتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کسی قوم میں مردانگی اور غیرت انسانی کو زوال ہوا، عورتوں نے اپنی نسوانیت اور فطرت مادری کے خلاف بغاوت کی اور آزادی وبے حجابی کی راہ اختیار کی، ہر چیز میں مردوں کی مسابقت کی کوشش کی، خانگی زندگی سے نفرت وغفلت بڑھی اور ضبط تولید کی رغبت پیدا ہوئی، اس کا ستارہ اقبال ہوا اور رفتہ رفتہ اس کے نشانات بھی مٹ گئے۔ یونانی، رومی اور ایرانی اقوام کا انجام یہی ہوا اور یورپ بھی آج اسی راہ پر گامزن ہے جو اس انجام تک لے جاتی ہے۔ عالم عربی کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں اس کا انجام بھی ایسا نہ ہو؟

طبقاتی تفاوت اور اسراف کا مقابلہ:

عربوں کو مغربی تہذیب کے اثر سے اور بہت سے دوسرے اسباب کی بنا پر عیش وعشرت، غیر ضروری لوازم زندگی کے شدید اہتمام، اسراف لذت وخواہش اور فخر وآرائش کے لیے فضول خرچی کی عادت پڑ چکی ہے۔ اس عیش وتنعم اور بیدردی کے ساتھ خرچ کے پہلو بہ پہلو فقر وفاقہ اور عریانی بھی موجود ہے، جب ایک شخص بڑے بڑے عرب شہروں پر نظر ڈالتا ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں اور سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ایک طرف وہ آدمی ہے جس کو اپنی ضرورت سے زائد غذا، لباس کا مصرف نظر نہیں آتا دوسری طرف اس کی نگاہ ایسے بدوی پر پڑتی ہے جس کو ایک روز کا کھانا اور ستر پوشی کے لیے کپڑا بھی نصیب نہیں جبکہ

عرب کے امراء واصحاب ثروت ہوا سے باتیں کرنے والی موٹروں پر سرگرم سفر ہوتے ہیں، اسی وقت چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے بچوں اور بچیوں کی ایک فوج سامنے آتی ہے جن کا لباس تار تار ہوتا ہے جو ایک پیسہ کے لیے ان کی موٹروں کے ساتھ دوڑنے لگتی ہے۔

جب تک عرب ملکوں میں فلک بوس محلوں بہترین کاروں کے ساتھ ساتھ حقیر جھونپڑیاں تنگ وتاریک مکانات نظر آئیں گے، جب تک تخمہ وفاقہ ایک شہر میں شباب پر ہوگا اس وقت تک کمیونزم کے لیے دروازے کھلے ہوئے ہیں، ہنگامے جھگڑے ہونا لازمی ہیں، کوئی پروپیگنڈا اور طاقت اس کو روک نہیں سکتی۔ وہاں اگر اسلامی نظام اپنے جمال واعتدال کے ساتھ قائم نہیں ہوگا تو تعزیر خداوندی کے طور پر اور ردعمل کے طریقہ پر اس کی جگہ کا ظالم وجابر نظام کا قائم ہونا ضروری ہے۔

تجارت اور مالی نظام میں خودمختاری:

عالم اسلامی کی طرح عالم عربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تجارت، مالیات، صنعت وحرفت اور تعلیم میں پورے طور پر آزاد اور خود کفیل ہو، وہاں کے رہنے والے انہیں چیزوں کا استعمال کریں جو ان کی زمین کی پیداوار اور ان کی صنعت ومحنت کا نتیجہ ہوں، زندگی کے ہر شعبہ میں وہ مغرب سے مستغنی ہوں۔ اپنی تمام ضروریات، مصنوعات، غذا، لباس ہتھیار، مشینیں، آلات حرب کسی چیز میں وہ غیر کے دست نگر اور مغرب کے پروردہ رحمت اور نمک خوار نہ ہوں۔

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ عالم عربی اگر بعض ناگزیر حالات کی بنا پر مغرب سے جنگ کرنا چاہے تو وہ اس لیے جنگ نہیں کرسکتا کہ وہ اس کا مقروض اور اس کی امداد کا محتاج ہے۔ جس قلم سے وہ مغرب کے ساتھ معاہدہ پر دستخط کرتا ہے وہ قلم بھی مغرب ہی کا بنا ہوا ہے اگر وہ مقابلہ کرتا ہے تو میدان جنگ میں اسی گولی کو استعمال کرتا ہے جو مغرب کے کارخانہ کی تیار شدہ ہے۔ عالم عربی کے لیے یہ ایک بڑی ٹریجڈی ہے کہ وہ اپنے دولت کے ذخیروں اور قوت کے سرچشموں سے خود فائدہ نہ اٹھا سکے زندگی کا خون اسکو فائدہ پہنچانے کے بجائے اسی کی رگوں سے دوسروں کے جسم میں پہنچتا ہو، اس کی فوجوں کی ٹریننگ مغرب کے ایجنٹ اور فوجی افسران کے ہاتھ میں ہو اور حکومت کے دوسرے شعبے بھی انہیں کے سپرد ہوں۔ عالم عربی کے لیے

ضروری ہے کہ وہ اپنی ضروریات کا خود کفیل ہو، تجارت و مالیات کی تنظیم اور آمد برآمد، قومی صنعت فوج کی ٹریننگ اور مشینوں اور آلات حرب کی تیاری پر اس کا مکمل قبضہ ہو۔ ایسے اشخاص کی تربیت کی جائے جو حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں اور سرکاری فرائض پوری واقفیت فنی مہارت دیانت اور خیر خواہی کے ساتھ انجام دیں۔

انسانیت کی سعادت کے لئے عربوں کی ذاتی قربانی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس وقت ہوئی جب کہ انسانیت کی شقاوت و بدبختی انتہائی حد کو پہنچ چکی تھی اس وقت انسانیت کی اصلاح کا مسئلہ ان افراد کی دسترس سے باہر تھا جنکی زندگی ناز ونعمت میں بسر ہو رہی تھی اور جو محنت و مشقت کے برداشت کرنے اور مالی وجانی نقصانات کو جھیلنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اور جن کے لیے ہمہ وقت عیش ونشاط کا سامان موجود تھا اس وقت انسانیت کو ایسے افراد درکار تھے جو انسانیت کی خدمت میں اپنے مستقبل کو قربان کر سکتے تھے اور منافع سے دستبردار ہو کر اپنے جان و مال عیش و آرام اور اپنے تمام دنیاوی مفاد کو خطرات و مشکلات کے مقابلہ میں پیش کر سکتے تھے، ان کو اپنے پیشہ و تجارت کی کساد بازاری اور کسی طرح کے مالی نقصان و خطرات کی پرواہ نہ تھی، جن کو اپنے آباؤ اجداد اپنے اپنے دوستوں اور قرابتمندوں کی قائم کی ہوئی امیدوں پر پانی پھیر دینے میں تامل نہ تھا صالح علیہ السلام کی قوم نے جو کچھ ان سے کہا تھا وہی ان تعلق والوں کی زبان پر بھی جاری ہوتا۔

قالوا یصلح قد کنت فینا مر جو ا قبل ھذا

اے صالح تم سے تو ہماری بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔

جب تک دنیا میں ایسے مجاہد تیار نہ ہوں اس وقت تک انسانیت کا بقاء استحکام اور کسی اہم دعوت کا کامیاب ہونا ناممکن ہے یہ کردار رکھنے والے گنتی کے چند افراد جو دنیا کی اصلاح میں محروم اور کوتاہ قسمت سمجھے جاتے ہیں انہیں کی بلند ہستی اور جذبہ قربانی پر انسانیت کی فلاح و کامرانی اور عیش و شادمانی کا دارو مدار ہے وہ چند افراد جو اپنی جان کو مصائب میں ڈال کر ہزاروں بندگان خدا کے ابدی مصائب سے بچنے کا سبب بنتے ہیں اور دنیا کے ایک بڑے گروہ کو شر سے خیر کی طرف لاتے ہیں۔ اگر چند افراد کی محرومی و ہلاکت ایک پوری ملت کے لیے خوشحالی

اور سرفرازی کا باعث ہو اور اگر کچھ مال و زر اور تجارت وحرفت کے نقصان اور گھاٹے سے بے شمار اور لاتعداد انسانوں کے لیے دینی و دنیوی فلاح کا دروازہ کھلتا ہو تو یہ سودا ہر طرح سستا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو وہ جانتا تھا کہ روم وفارس اور دنیا کی متمدن قومیں جن کے ہاتھ میں اس وقت عالم کی باگ ڈور ہے ہرگز اپنے عیش ونشاط کو نہیں چھوڑ سکتیں، وہ اپنی ناز پروردہ زندگی کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتیں، وہ بے یارومددگار انسانیت کی خدمت دعوت وجہاد کے لیے مصائب وآلام کے برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتیں، ان کے اندر اتنی استطاعت ہرگز نہیں کہ اپنی پرتکلف زندگی اور زیب وزینت کا ایک معمولی سا جز بھی قربان کریں۔ ان میں ایسے لوگ بالکل مفقود تھے جو اپنے خواہشات پر قابو رکھتے ہوں اپنی حرص وطمع کو روک سکیں، اور جو تمدن کے لوازم اور فیشن کی پابندی سے بے نیاز ہوکر واجبی گذران پر اکتفاء کرسکیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے پیغام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لیے ایسی قوم کا انتخاب فرمایا جو دعوت وجہاد کے بوجھ کو اٹھا سکتی تھی اور ایثار وقربانی کے جذبے سے بھرپور تھی یہ وہی عربی قوم تھی جو طاقتور، سادہ منش اور جفاکش تھی، جس پر مصنوعی تمدن کا کوئی وار کارگر نہ ہوا اور دنیا کی رنگینیوں کا کوئی جادو نہ چل سکا، یہی لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ ہیں جو دل کے غنی علم سے بھرپور اور تکلفات سے کوسوں دور تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عظیم الشان دعوت کو لے کر اٹھے اور آپؐ نے جدوجہد وجانفشانی کا حق پوری طرح ادا کردیا، اس دعوت کو ہر اس چیز پر ترجیح دی جو آپ کے لیے رکاوٹ کا سبب بن سکتی تھی، آپ ﷺ خواہشات سے بالکل کنارہ کش تھے، دنیا کی دلفریبیوں کا آپؐ پر کوئی جادو نہ چل سکا یہی وہ چیز تھی جو دنیا کے لیے اسوہ حسنہ اور راہنمائی۔

جب قریش کے وفد نے آپ ﷺ سے اس سلسلہ میں گفتگو کی اور آپؐ کے لیے وہ تمام چیزیں پیش کیں جو ایک نوجوان کے دل کو فریفتہ اور نفسیات رکھنے والے انسان کو خوش کرسکتی تھیں۔ مثلاً حکومت وریاست، عیش وعشرت، دولت وثروت، تو آپ ﷺ نے ان تمام چیزوں کو بے تامل ٹھکرا دیا اسی طرح جب آپ کے چچا نے گفتگو کی اور چاہا کہ آپ ﷺ کو اس دعوت کے پھیلانے اور اس میں حصہ لینے سے روک دیں تو آپ نے صاف صاف فرمادیا کہ ”اے

چچا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور میرے بائیں ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں جب بھی میں اس کام سے باز نہیں آ سکتا اور اس وقت تک کوشش کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس دعوت کو غالب نہ کر دے یا میں خود اسی سلسلہ میں کام نہ آ جاؤں۔'' یہی جد و جہد اور قربانی، دنیا کی نفع اندوز ذہنیت سے بے تعلقی اور پر مسرت زندگی کے مقابلہ میں تکلیف ومشقت کی زندگی کی ترجیح اہل دعوت کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک نمونہ اور اسوہ بن گیا آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں اپنے اوپر تمام عیش وآرام اور راحت وآسائش کے دروزے بند کر لیے۔ خود اپنے ہی اوپر نہیں بلکہ اپنے پورے خاندان اہل بیت اور تمام عزیزوں کو بھی عیش و عشرت کے مواقع سے مستفید ہونے کا موقعہ نہیں دیا۔ وہی لوگ جو آپ سے زیادہ قریب و عزیز تھے زندگی کے عیش وراحت میں انہیں کا حصہ سب سے کم تھا اور جہاد قربانی میں وہ سب سے آگے رکھے گئے تھے۔ جب آپ کسی چیز کی حرمت کا ارادہ کرتے تو اس کی ابتداء اپنے قبیلہ اور اپنے ہی لوگوں سے کرتے اور جب کسی حق کی باری آتی یا کوئی نفع پہنچانا ہوتا تو دور کے لوگوں سے شروع کرتے اور بسا اوقات آپ کے قرابت دار اور قبیلہ والے اس سے محروم ہی رہ جاتے۔

آپ نے جب سودی کاروبار ختم کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کے کاروبار کو مٹایا اور ان کے تمام سودی منافع کو ختم کر دیا۔ اسی طرح جب جاہلیت کے انتقامات ومطالبات کو باطل کرنے اٹھے تو ربیعہ بن حارث ابن عبد المطلب کے خون کو پہلے باطل کیا۔ اور جب آپ نے زکوٰۃ کا قانون جاری فرمایا، (جو درحقیقت ایک بہت بڑی مالی منفعت ہے اور تا قیامت باقی رہنے والی چیز ہے) تو آپ نے اپنے قبیلہ بنی ہاشم کے لیے اس کو قیامت تک کے لیے حرام کر دیا فتح مکہ کے دن جب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے بنی ہاشم کے لیے سقایت زمزم کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ کی کلید برداری کا مطالبہ کیا تو آپ نے شدت سے انکار فرما دیا اور عثمان بن طلحہ کو بلا کر خانہ کعبہ کی کنجی ان کے سامنے رکھ دی اور فرمایا کہ اے عثمان دیکھو یہ تمہاری کنجی ہے تم اس کو لے لو آج احسان اور وفا کا دن ہے اور اب یہ تمہارے خاندان میں ہمیشہ رہے گی، کوئی اس کو تم سے نہیں لے سکتا، الا یہ کہ کوئی ظالم اس کی جرأت کرے۔ آپ نے ازواج مطہرات کو زہد وقناعت اور روکھی پھیکی

زندگی گذارنے کی ترغیب دی اور صاف صاف فرمایا کہ اگر تم فقر و فاقہ کی زندگی گذارنے کے لیے آمادہ ہوتو میری رفاقت اختیار کرسکتی ہو ورنہ ناز و نعمت و راحت کے ساتھ تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتیں، اور اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھ کر سنایا:

یآیھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا و زینتھا فتعالین امتعکن و اسرحکن سراحاً جمیلاً وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنٰت منکن اجرًا عظیما.

اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرمادیجئے کہ تم اگر دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہوتو آؤ میں تم کو کچھ متاع دے دوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کردوں اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو، تو تم میں سے نیک کرداروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

لیکن اس انتخاب میں آپ کے گھر والوں نے اللہ اور رسول ہی کو اختیار کیا...... اسی طرح حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے جب سنا کہ آپ کے پاس کچھ غلام و خادم آئے ہیں اور جب کہ ان کے ہاتھوں میں چکی چلانے سے گٹے پڑگئے تھے، آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم کے پاس پہنچیں کہ یا رسول اللہ مجھے بھی ایک خادم عنایت فرمادیجئے تاکہ میں کچھ آرام حاصل کر سکوں تو آپ ﷺ نے ان کو تسبیح و تحمید کی وصیت فرمائی اور کہا کہ تمہارے لئے یہ چیز خادم سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ یہی معاملہ آپ کا اپنے تمام قریبی رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ تھا اور جو جتنا ہی قریب ہوتا جاتا اسی قدر اس کی ذمہ داری بڑھتی جاتی۔

مکہ کے لوگ جب ایمان لائے تو ان کی اقتصادی زندگی کا نظام درہم برہم ہوگیا، ان کی تجارت کساد بازاری کا شکار ہوگئی اور بعض اپنے راس المال سے بھی محروم ہوگئے تھے جس کو انہوں نے اپنی زندگی میں جمع کیا تھا، ان میں ایسے بھی ایمان لانے والے تھے راحت و آرام کے سامان اور آرائش و زینت کے اسباب بھی ختم کر چکے تھے حالانکہ پہلے ان کی امتیازی شان یہی تھی کہ وہ زینت و آرائش کے دلدادہ تھی اسی طرح اس دعوت کے پھیلانے اور اس راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے سلسلہ میں بہتوں کی تجارت برباد ہوگئی اور کتنے اپنے آبائی دولت کے حصوں سے محروم ہوگئے۔

اسی طرح جب آپ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور انصار نے آپ ﷺ کا ساتھ دیا تو اس کا اثر ان کے کھیتوں، ان کے باغات پر پڑا مگر بایں ہمہ جب انہوں نے اپنا کچھ تھوڑا سا وقت ان کی نگہداشت کے لیے چاہا تو اس کی اجازت نہیں ملی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو متنبہ کیا گیا۔ ارشاد ہوا:۔

انفقوا فی سبیل اللہ و لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

یہی حال عرب اور ان تمام لوگوں کا ہوا جو اس دعوت سے متاثر اور اس پر عمل پیرا ہوئے۔ چنانچہ جہاد کی مشقت اور جان و مال کے خسارہ میں ان کا اتنا بڑا حصہ تھا جو دنیا کی کسی قوم کے حصہ میں نہیں آیا، اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے:۔

قل ان کان آباؤکم و ابناؤکم و اخوانکم واز واجم وعشیر تکم و اموال ن اقتر فتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ و رسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ واللہ لایھد ی القوم الفسقین۔

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جس کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

دوسری جگہ فرمایا:

ماکان لاھل المدینۃ ومن حولھم من الاعراب ان یتخلفوا عن رسول اللہ و لایزغبوا بانفسھم عن نفسہ (التوبۃ رکوع ۱۵)

مدینہ کے باشندوں کو اور ان اعرابیوں کو جو اس کے اطراف میں بستے ہیں لائق نہ تھا کہ اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دیں اور پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ بات لائق تھی کہ اس کی جان کی پرواہ نہ کر کے محض اپنی جانوں کی فکر میں پڑ جائیں۔

اس لیے کہ انسانی سعادت کی عمارت انہیں لوگوں کی قربانیوں کے ستونوں پر قائم ہونے والی تھی اور حالات کی تبدیلی میں صرف اسی بات کا انتظار تھا کہ یہ مہاجرین والانصار اپنے کو متاع انسانیت کی سرسبزی اور قوموں کی ہدایت وفلاح کا فیصلہ حاصل کرلیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات (البقرہ ۱۵۵)

ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کچھ نہ کچھ خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی اور نقصان کے ساتھ۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون۔

کیا لوگ اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی۔

اگر عرب اس سرفرازی کو قبول کرنے سے ہچکچاتے اور انسانیت کی اس عظیم خدمت میں تر دد سے کام لیتے تو بدبختی اور عالم کے فساد کی مدت اور بڑھ جاتی اور جاہلیت کی تاریکی بدستور دنیا پر چھائی رہتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

الاتفعلوہ فتنة فی الارض وفساد کبیر. (الانفال ع ۱۰)

اگر تم ایسا نہ کروگے تو زمین میں بڑا فتنہ پیدا ہوگا بڑی ہی خرابی پھیلے گی۔

چھٹی صدی عیسوی میں دنیا ایک دوراہہ پر کھڑی تھی۔ اس وقت دو ہی راستے تھے، یا تو عرب کے لوگ اپنی جان و مال، آل اولاد اور تمام محبوب چیزوں کو خطرہ میں ڈال کر آگے بڑھ جاتے اور دنیا کی ترغیبات سے کنارہ کش ہوکر اجتماعی مصلحت کی راہ میں اپنا سارا سرمایہ قربان کر دیتے جب دنیا کی سعادت نصیب ہوتی اور انسانیت کی قسمت بدلتی، جنت کا شوق ابھرتا اور ایمان کی ہوائیں چلتیں، یا پھر وہ اپنی خواہشات ومرغوبات اور اپنی انفرادی لذت وعیش کو انسانیت کی سعادت وفلاح پر ترجیح دیتے تو ایسی صورت میں دنیا گمراہی وبدبختی کے دلدل میں پھنسی رہ جاتی اور غفلت ومدہوشی کے عالم میں پڑی رہتی لیکن اللہ تعالیٰ کو انسانیت کی بھلائی منظور تھی اس لیے عربوں میں اس نے ولولہ پیدا کیا، آنحضرت ﷺ نے اس کے اندر ایمان و

ایثار کی روح پھونک دی اور ان کو آخرت اور اس کے بے پایاں ثواب کی ترغیب دی تو انہوں نے اپنے آپ کو انسانیت پر قربان کرنے کے لیے پیش کر دیا اور اللہ کے ثواب اور نوع انسانی کی سعادت کی امید میں انہوں نے دنیا کے تمام عیش و آرام سے آنکھیں بند کر کے اپنی جان و مال کو اللہ کے راستے میں جھونک دیا اور ان تمام چیزوں کو تج دیا جن پر لوگ حریصانہ نظریں اٹھاتے ہیں، انہوں نے پورے خلوص اور صداقت کے ساتھ راہ خدا میں جانیں دیں اور محنتیں کیں تو اللہ نے انکو دنیا اور آخرت کے بہتر اجر سے نوازا۔ و اللہ یحب المحسنین (اور اللہ محسنین سے محبت رکھتا ہے۔)

آج دنیا ہٹ ہٹا کر پھر اسی نقطہ پر پہنچ گئی ہے جس پر وہ چھٹی صدی عیسوی میں تھی، یہ عالم پھر اسی دوراہہ پر نظر آرہا ہے جس دوراہہ پر رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت تھا، آج اس کی ضرورت ہے کہ عرب قوم (جس کو رسول ﷺ سے تعلق خاص ہے) میدان میں نکل آئے اور پھر دنیا کی قسمت بدلنے کے لیے جان کی بازی لگائے اور اپنی تمام آسائش و ثروت، دنیا کی نعمتوں ترقی وخوشحالی کے امکانات اور اپنے سامان راحت کو خطرہ میں ڈال دے تا کہ دنیا اس مصیبت سے نجات پائے جس میں وہ مبتلا ہے اور زمین کا نقشہ بدل جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عرب بدستور اپنے حقیر اغراض اور ذاتی سربلندی وترقی، عہدہ و منصب، تنخواہوں کی بیشی، آمدنی کے اضافہ اور کاروبار کی ترقی کی فکر میں رہیں اور سامان عیش اور اسباب راحت کی فراہمی میں مشغول رہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا اسی زہریلے تالاب میں غوطہ زن رہے گی جس میں وہ صدیوں سے ہلاک ہو رہی ہے اگر اچھے اچھے ذہن عرب نوجوان بڑے بڑے شہروں میں خواہشات کے غلام بن کر بیٹھے رہیں، اور اگر ان کی زندگی کا محور صرف مادہ اور معدہ ہو اس کے علاوہ ان کی کوئی اور فکر نہ ہو، اور ان کی تمام جدوجہد صرف اپنی ذاتی زندگی ار اپنی مرفہ الحالی کے گرد چکر لگا رہی ہو تو ایسی صورت میں انسانی سعادت کا تصور بھی مشکل ہے۔ بعض جاہلی قوموں کے نوجوان ان سے زیادہ حوصلہ مند تھے اور ان کا ذہن ان سے کہیں زیادہ بلند تھا، جبکہ انہوں نے اپنے پسندیدہ مقاصد کی راہ میں اپنی تمام راحت وآرام اور اپنے مستقبل تک کو قربان کر دیا۔ جاہلی شاعر امراءالقیس انؒ سے کہیں زیادہ باہمت تھا کہ کہتا ہے:

ولو انني اسعى لادنى معيشة
كفاني ولم اطلب قليل من المال
ولكنما اسعى لمجد مؤثل
وقد يدرک المجد المؤثل امثالی

(ترجمہ) ''اگر میں کسی ادنی زندگی کے لیے کوشش کرتا ہوتا تو مجھے تھوڑا سا مال بھی کافی ہوتا اور اس کے لیے ایسی جدوجہد کی ضرورت نہ ہوتی۔

لیکن میں تو ایسی عظمت کا طالب ہوں جس کی جڑیں مضبوط ہوں اور مجھ جیسے آدمی ہی ایسی عظمت کو حاصل کر لیتے ہیں۔''

دنیا کی سعادت وکامرانی کی منزل تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان نوجوان اپنی قربانیوں سے ایک پل تعمیر کریں، اس پل پر سے گذر کر دنیا بہتر زندگی کی منزل تک پہنچ سکتی ہے۔ زمین کھاد کی محتاج ہوتی ہے لیکن انسانیت کی زمین کی کھاد جس سے اسلام کی کھیتی برگ وبار لاتی ہے، وہ وہی انفرادی خواہش وہوس ہے جس کو مسلم نوجوان اسلام کا بول بالا کرنے اور اللہ کی زمین میں امن وسلامتی پھیلانے کے لیے قربان کریں۔ آج انسانیت کی افتادہ زمین کھاد مانگتی ہے۔ یہ کھاد راحت وآرام کے مواقع، انفرادی ترقی کے امکانات اور عیش کے اسباب ہیں جن کو مسلمان بالخصوص عرب اقوام قربان کر دینے کا ارادہ کر لیں۔ چند انسانی جانوں کی جدوجہد اور ان کی قربانیوں سے اگر انسانی گلہ آگ کی راہ سے نکل کر جنت کی راہ پر لگ جاتا ہے تو یہ بڑا سستا سودا ہے۔ اس لیے کہ جو نعمت حاصل ہوگی وہ بہت ہی جنس گراں مایہ ہے اور اس کے لیے جو کچھ قربان کرنا پڑے وہ اس کے مقابل میں بہت ہی معمولی اور ارزاں ہے:

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

عالم اسلامی کی توقع عالم عربی سے:

عالم عربی اپنی خصوصیات، محل وقوع اور اپنی سیاسی اہمیت کی بنا پر اسلام کی دعوت کی ذمہ داری اٹھانے کا حقدار ہے، وہ یہ کرسکتا ہے کہ عالم اسلامی کی قیادت کا بیڑا اٹھائے اور مکمل تیاری

کے بعد یورپ سے آنکھیں ملا سکے اور اپنے ایمان، دعوت کی طاقت اور خدا کی نصرت سے اس پر غالب آجائے اور دنیا کو شر سے خیر کی طرف تباہی و بربادی سے امن وسلامتی کی طرف لے آئے یا جس طرح مسلمانوں کے قاصد نے یزدگرد کی مجلس میں کہا تھا۔

''انسانوں کی پرستش سے نکال کر خدائے واحد کی پرستش میں، دنیا کی تنگی سے اس کی کشادگی میں اور مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کی عدل گستری میں داخل کرے''۔

عالم انسانی عالم اسلامی کی طرف اپنے نجات دہندہ کی حیثیت سے دیکھ رہا ہے اور عالم اسلامی عالم عربی کی طرف اپنے لیڈر اور رہبر کی حیثیت سے نظریں اٹھائے ہوئے ہے۔ کیا عالم اسلامی عالم انسانی کی توقع کو پورا کر سکتا ہے، اور کیا عالم عربی عالم اسلامی کے سوالوں کا جواب دے سکتا ہے! عرصہ سے مظلوم انسانیت اور برباد شدہ دنیا اقبالؔ کے پر درد الفاظ میں مسلمانوں سے فریاد کر رہی ہے، اسکو اب بھی یقین ہے کہ جن مخلص ہاتھوں نے کعبہ کی تعمیر کی تھی وہی دنیا کی تعمیر نو کا فرض انجام دے سکتے ہیں:

ناموس ازل را تو امینی تو امینی
دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی!
اے بندہ خاکی تو زمانی تو زمینی
صہبائے یقین درکش واز دیر گماں خیز
از خواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز

فریاد از افرنگ ودل آویزی افرنگ
فریاد ز شیرینی و پرویزی افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ زچنگیزی افرنگ
معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز!
از خواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جہاد افغانستان کا تاریخی پس منظر

فتح وشکست کے اسباب اور قوت کا سرچشمہ

افغان علماء، مشائخ، فضلا، طلباء اور عامۃ المسلمین سے داعی کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا فکر انگیز خطاب، جس میں افغانستان کے حالیہ بدترین انقلاب کی پیشن گوئی، پس منظر، عوامل ومحرکات کی نشاندہی، تدارک اور اسلامی انقلاب کے لائحہ عمل، اور خالص اسلامی ومستحکم افغانستان کی تعمیر وتشکیل کی دعوت دی گئی ہے افغان مجاہدین ان مراحل سے گذرے ہیں۔ نو سال کے طویل ترین اور صبر آزما جہاد کے بعد اب فتح ونصرت کے نازک اور حساس ترین مرحلے میں داخل ہورہے ہیں۔

ادھر پاکستان میں ان تمام اسباب ومحرکات کو کھلے بندوں اپنایا جارہا ہے جو افغانستان کی موجودہ ہلاکت وتباہی کا ذریعہ بنے ایسے حالات میں حضرت کا گرانقدر خطاب افغانیوں سمیت برصغیر کے تمام مسلمانوں بلکہ پوری امت مسلمہ بالخصوص اہل پاکستان کی دینی حمیت وغیرت اور خالص اسلامی انقلاب کی انگیخت کا ذریعہ بن سکتا ہے حضرت نے یہ تقریر ۱۹۷۳ء میں کابل یونیورسٹی کے ہال میں کی تھی۔

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد oفاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم oبسم اللہ الرحمن الرحیم o .

محترم حاضرین!.........................

آپ حضرات اور خاص طور سے ادب اور تاریخ کا ذوق رکھنے والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ افغانی قوم ان قدیم اقوام میں سے ہے جو سینکڑوں اور ہزاروں سال سے آزادی اور عزت وسربلندی کی زندگی گذار رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قدیم زمانہ ہی سے اسے غیر معمولی انسانی قوتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے۔

دوستو! میرا ذوق تاریخی رہا ہے اور میں اس کے اظہار میں کوئی تکلف محسوس نہیں کرتا کہ تاریخ ہی کے مطالعہ وتحقیق میں میری عمر گذری ہے یہی میرا محبوب ترین موضوع رہا ہے۔

میں اپنے تاریخی ذوق سے مجبور ہوکر آپ حضرات کے سامنے یہ سوال رکھنا چاہتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ صدیوں تک افغانی قوم دنیا سے بالکل الگ تھلگ رہی، دنیا میں گذرنے والے خیر وشر، نیک وبد، فتح وشکست اور ظلم وستم سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

اس جسور وغیور، قیادت کی مستحق، زندگی سے بھرپور، دست وبازو کی طاقت، اور جذبہ کی فراوانی سے بہرہ ور، باصلاحیت اور باعزت قوم کے طویل عرصہ تک دنیا سے کنارہ کش رہنے اپنے خول میں بند رہنے اور ایک گوشہ میں محدود رہنے کا راز کیا ہے؟

کیا اس عزلت اور گوشہ نشینی کی وجہ یہ تھی کہ افغانستان اور دنیا کے دوسرے ممالک کے درمیان بلند اور دشوار گذار پہاڑوں کی ناقابل عبور دیوار حائل تھی؟ نہیں میرے دوستو!

تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ آسمان سے باتیں کرتے ہوئے برف پوش اور دشوار گذار پہاڑ کبھی بھی غازیوں اور اولوالعزم فاتحین کی راہ کی رکاوٹ نہیں بن سکے۔ آپ حضرات واقف ہیں کہ یہ ناقابل عبور اور پیچ در پیچ راستے جن میں انسان کی عقل جواب دے جاتی ہے جو افغانستان کو ہندوستان اور پاکستان سے الگ کرتے ہیں۔ جب اللہ نے اس امت میں سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین محمد غوری اور احمد شاہ ابدالی جیسے صاحب عزم وہمت پیدا کئے تو یہ اونچی چوٹیاں یہ خطرناک گھاٹیاں اور یہ دشوار راستے اسلام کے سیل رواں کے سامنے حقیر تنکے ثابت ہوئے۔

پھر کیا یہ قوم قید وبند کی زندگی گذار رہی تھی اور اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں، بارہا یہ قوم اپنی شجاعت کے جوہر دکھا چکی تھی، اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر چکی تھی لیکن اس کے باوجود سرسبز وشاداب چراگاہوں، مویشیوں اور زرخیز جیسے محدود وسائل زندگی پر قانع کیوں تھی؟ اس کا جواب آپ کا ذمہ ہے۔

پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ تاریخ میں ہم پڑھتے ہیں کہ جب اسلام اس علاقہ میں آیا تو اچانک یہ قوم ہزاروں سال کی نیند سے بیدار ہوگئی اور اتنی لمبی چھلانگ لگائی جس کی دوسری قوموں میں مثال نہیں ملتی۔ اسلام کے زیر سایہ آتے ہی یہ لوگ سب سے زیادہ طاقتور سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ بلند ہمت، دور بین اور فولادی عزائم کے مالک ہونے لگے۔

یہ قوم جب بزم کائنات میں شامل ہوئی تو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی مدفون خزانہ یا کوئی سر

بستہ راز تھا جو اچانک منکشف ہوگیا۔ کیا ان کے جسوں سے بجلی کرنٹ چھو گیا تھا یا کوئی جادو کی چھڑی تھی جس نے آن کی آن میں ان قناعت شعار، ٹھہری ہوئی پرسکون اور عزلت گزیں قوم کو غیور وجسور، ظفر منداور رواں دواں قوم میں بدل دیا۔ کیا اس طوفانی ندی کے دہانے پر کوئی بڑی سی چٹان پڑی ہوئی تھی جو اس کے زور اور روانی کو روکے ہوئے تھی؟

افغانیوں کی زندگی کے انقلاب کا حقیقی سبب اور اس کی شاہ کلید یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو اسلام کی برکت سے تین بنیادی اور اہم جوہروں سے نوازا تھا۔

(۱) طاقتور پیغام اور اس کے اغراض ومقاصد۔

(۲) نوع انسانی خارجی دنیا اور حقائق اشیاء کے بارے میں وسیع نقطہ نظر۔

(۳) اللہ کی مدد تائید پر کامل اعتماد اور جد وجہد کے نتائج پر یقین۔

یہ وہ تین عناصر ہیں جن سے قوم کے کردار کی جدید تشکیل ہوتی ہے اس کو نئی زندگی ملتی ہے اور وہ نئی تاریخ بناتی ہے اور اپنی مخفی طاقتوں اور نامعلوم وسعتوں سے دنیا کو حیران وششدر کر دیتی ہے۔

پہلے اس قوم کے پاس کوئی پیغام یا کوئی بلند مقصد نہیں تھا ایک چھوٹے سے علاقے تک محدود تھی۔ اپنے جانوروں اور مویشیوں میں مگن رہتی تھی اکثر آپس میں برسر پیکار رہتی تھی اور جیسا کہ ایک عرب شاعر نے کہا ہے:

واحیانا علیٰ بکر اخینا
اذا مالم نجد الا اخانا

(اور جب جنگجو فطرت کو جوہر دکھانے کیلئے کوئی دشمن نہیں ملتا تو ہم اپنے ہی بھائی بندوں کو تاکتے ہیں۔) اور جنگوں اور آویزشوں کا انجام اخلاقی اور روحانی بے مائیگی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے زمانہ جاہلیت میں عرب خانہ جنگی میں مصروف رہتے تھے ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کو تاخت وتاراج کرتا۔ ایک شاخ دوسری شاخ پر دھاوا بولتی اور ایک خاندان دوسرے خاندان کی تاک میں رہتا۔

اسی طرح افغانیوں کے سامنے بھی اپنی خون آشام فطرت کی تسکین اپنی جنگ کی پیاس بجھانے اور خطر پسند طبیعت کو مطمئن کرنے کے لئے خانہ جنگیوں، چراگاہوں اور جانوروں کے

لئے لڑائیوں ،قبائل یا انفرادی غیرت ونخوت کے اظہار یا نام نہاد اور خیالی اہانتوں کا بدلہ لینے کے لئے برسر پیکار ہونے کے علاوہ اور کوئی میدان نہیں ملتا تھا ایک عرب شاعر نے حقیقت کی صحیح ترجمانی کی ہے:

الناركا كل نفسها
ان لم تجد ماتا كله

(آگ کو جلانے کے لئے کچھ نہیں ملتا تو خود اپنے آپ کو جلا ڈالتی ہے)

لیکن جب اسلام آیا تو عربوں کے سامنے ایک بلند مقصد اور انسانیت کی لئے ایک طاقتور پیغام آ گیا یہی حال افغانیوں کا ہوا۔ اسلام سے پہلے یہ صرف اپنے لئے زندگی گزار رہے تھے اور اب اللہ کا یہ فرمان ان کے کانوں کی راہ سے دل میں اتر رہا تھا۔

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون المنكرو تومنون با لله

تم بہترین امت ہو،انسانوں کے لئے خاص طور پر بنائے گئے ہو بھلائیوں کا حکم دیتے ہو برائیوں سے روکتے ہو اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔،، اور ان کے ذہن و دماغ میں یہ بات جاگزیں ہوگئی کہ وہ باغوں اور کھیتوں میں آپ سے آپ اُگ جانے والے خودرو گھاس پھوس نہیں ہیں بلکہ بجائے خود مطلوب ومقصود ہیں،ان کے ساتھ بلند مقاصد میں ان کی ذمہ داریاں ہیں، جدوجہد اور کارکردگی کے نشانے متعین ہیں۔ ان کے دلوں میں یہ بات جم گئی کہ وہ ایسی امت ہیں جو انسانوں کے لئے خاص طور سے بنائی گئی ہے جو لوٹ مار اور خونخواری کے جذبے کو تسکین دینے کے لئے آپ سے آپ نہیں پیدا ہوئی۔

تو ان کی زندگی ان کے خیالات اور رجحانات میں زبردست انقلاب آ گیا۔ اب وہ اپنا مقصد وجود اور اپنی زندگی کی غرض وغایت یہ سمجھنے لگے کہ دنیا کو فتنہ وفساد سے پاک کرنے کے لئے جدوجہد کریں اور اس راہ میں قربانیاں دیں۔ یہاں تک کہ عبادت صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص ہو جائے۔ اور انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر اجالے میں لائیں بندوں کی غلامی سے نجات دلائیں اور خدائے واحد کے آستانہ، عالی پر پہنچائیں، دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا و آخرت کی وسعت سے روشناس کرائیں۔ اور دوسرے مذاہب کی زیادتیوں سے آزاد کرا کے

اسلام عدل و مساوات کے زیر سایہ لائیں۔

حضرات!

اس قوم کے پاس کوئی پیغام نہیں تھا۔ اسلام آیا تو ایک بلند پیغام اور زندگی کا بلند مقصد اس کے سامنے آ گیا اس نے اسلام کے ابدی پیغام کو اپنے سینے سے لگایا۔ اور اسی نے ان میں نئی روح پھونک دی۔ وہ بدترین جہالت اور گھنگھور تاریکی میں زندگی گذار رہی تھی، خرافات اور حماقتوں میں بھٹک رہی تھی۔ ایک انسان دوسرے انسان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا تھا۔ طاقتور کمزور کو نگل جانے کی کوشش کرتا تھا، حقوق پامال ہو رہے تھے عزتیں لٹ رہی تھیں اور ہر طرح کے جذبات و خواہشات پوری کی جارہی تھیں کہ:

اچانک ان کے جسم میں ایک نئی روح دوڑ گئی۔ ان کے افکار و خیالات، احساسات اور اعصاب پر چھا گئی اور اب وہ نئی قوم تھے نئے انسان تھے انکی زمین وہی تھی، آب و ہوا وہی تھی دست و بازو وہی تھے لیکن اس جدید پیغام نے انہیں جدید امت بنا دیا۔

دوسرا عنصر یہ ہے کہ افغانی بہت تنگ اور محدود زندگی گذار رہے تھے کائنات اور انسان کے بارے میں انکا نقطۂ نظر بہت محدود تھا۔ انسان کون ہے؟ افغانی انسان ہیں جو اس علاقہ میں رہتے ہیں یہاں کی زبان بولتے ہیں اس ملک کا لباس پہنتے ہیں اس کی محبت کے گیت گاتے ہیں اسی تنگ نقطۂ نظر نے انہیں اس تنگ دائرہ میں محدود کر رکھا تھا۔

اسی طرح زندگی کیا ہے؟ کھانا پینا عیش و آرام قوت و شوکت حکومت و ریاست، وہ اسی طرح زندگی گذارتے تھے جیسے مچھلیاں یا مینڈک تالابوں میں جیتے ہیں۔ اسلام سے پہلے عرب ترک اور ایرانی سب کا یہی حال تھا اسلام نے ان سب کو اس تنگ و تاریک قید خانے سے نکالا جیسا کہ ایک عرب قاصد نے شاہ ایران سے کہا تھا:۔

"لنخرج من شاء الله من ضيق الدنيا الى سعة الدنيا والآخرة."

"جسے اللہ توفیق دے اسے ہم دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا و آخرت کی وسعت میں پہنچا دیں۔"

حضرات! آپ کے آباؤ اجداد انسان کے بارے میں بہت تنگ نقطۂ نظر رکھتے تھے۔ اس میں اعلیٰ ظرفی نہیں تھی۔ بلند نگاہی نہیں تھی اس میں گہرائی نہیں تھی اسلام نے ان کو وسیع نقطۂ

نظر عطا کیا تو ان کی نگاہوں میں تمام انسان ایک خاندان اور پوری دنیا ایک گھر ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان انکا عقیدہ بن گیا۔

کلکم من آدم و آدم من تراب لا فضل لعربی علیٰ عجمی و لا لعجمی علیٰ عربی الا بالتقوی.

تم میں کا ہر ایک آدم کی اولاد ہے اور آدم مٹی سے بنے ہیں نہ تو کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت ہے نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر مگر تقویٰ کے اعتبار سے۔

پھر ان کا نقطہ نظر اتنا وسیع ہو گیا کہ وہ نہ جغرافیائی حدود کو تسلیم کرتے تھے نہ خود ساختہ اور بے دلیل تقسیمات کو مسلمان ان حدود سے نکل کر وسیع کائنات میں آ گئے۔ اور اگر یہ وسیع نقطہ نظر نہ ہوتا تو وہ بھی اپنے آباؤ اجداد کے طرح صدیوں تاریکیوں میں بھٹکتے رہتے۔

تیسرا عنصر ہے مضبوط مستحکم اعتماد۔

جب وہ خدائے واحد پر ایمان لے آئے، اسکے رسول اور آخرت پر ایمان لے آئے اور یہ سمجھ گئے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے اس سے نہ ایک لحظہ پہلے آ سکتی ہے نہ مؤخر ہو سکتی ہے اور انہوں نے اللہ کا فرمان سنا اور اس کو دل میں بسا لیا کہ:

این ما کنتم یدرککم الموت و لو کنتم فی بروج مشید ة .

"تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی تم کو موت آ دباوے گی اگر چہ تم قلعی چونا کے قلعوں ہی میں ہو۔

اذا جاء اجلهم فلا يستأ خرون ساعة و لا يستقد مون .

"جب انکا وہ معین وقت آ پہنچتا ہے تو (اس وقت) ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔"

اس ایمان نے ان کو خود شناسی اور خود اعتمادی عطا کی۔ وہ یہ سمجھ گئے کہ انسان کی موت اسی وقت آ سکتی ہے جو اللہ نے مقرر کر رکھا ہے تو انہوں نے اس کا بھی یقین کر لیا کہ دنیا میں ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے اور ہر چیز اللہ ہی کے دست قدرت و اختیار میں ہے۔ پھر انہوں نے مزید خود اعتمادی اس آسمانی پیغام سے حاصل کی کہ ان کی حیثیت خدا کی فوج کی ہے اور وہ اللہ اور اس کے دین کے معین و مددگار ہیں۔

انہوں نے اللہ کا یہ فرمان سنا:۔

انهم لهم المنصورون وان جند نا لهم الغالبون (الصّٰفّٰت ،آیت ۱۷۲ ،۱۷۳)

''بے شک وہی غالب کئے جائیں گے اور (ہمارا تو قاعدہ عام ہے کہ) ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے۔''

الا ان حزب الله هم المفلحون (المجادله آیت ۲۲)

''خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے''

انا لننصر رسلنا والذين آمنو افی الحیوٰة الدنیا ویوم یقوم الا شها د (المو من آیت ۵۱)

ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس روز بھی جس میں گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔

ولله العزة ولرسوله وللمو منين (المنا فقون آیت ۸)

(بلکہ اللہ کی ہے عزت (بالذات) اور اس کے رسول کی (بواسطہ تعلق مع اللہ والرسول کے)اور مسلمانوں کی (بواسطہ تعلق مع اللہ والرسول کے)۔

ولاتهنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين.(آل عمران آیت ۱۳۹)

اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔

اور اس طرح کی دوسری آیتیں ان کے کانوں میں پڑیں تو اس سے ان کے یقین واعتماد میں مزید قوت واستحکام پیدا ہو گیا۔

اس موقع پر میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اسلامی لشکر کے ساتھ موجیں مارتے ہوئے دجلہ کے سامنے پہنچے تو ایک لمحہ کے لئے رکے،موج بداماں اور طوفان در آغوش دریا کا جائزہ لیا۔گرد وپیش پر نظر ڈالی پھر حضرت سلیمان فارسیؓ کے طرف متوجہ ہوئے اور ان سے مشورہ کیا کہ بپھرے ہوئے دریا میں گھس پڑیں ! یا لوٹیں اور اسے عبور کرنے کے لئے پل کا انتظام کریں؟ حضرت سلمان فارسیؓ نے اس وقت جو لافانی جملہ کہا تاریخ نے اسے محفوظ کر لیا انہوں نے کہا:۔

''یہ دین تازہ اور نیا ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ اس دین کو ضرور غالب کرے گا، اور ابھی اس حد تک نہیں پہنچا ہے کہ جہاں تک پہنچنا اس کے لئے مقدر کیا گیا ہے۔ پھر میں کیسے یہ سمجھ لوں کہ اس پیغام کے حامل غرق ہو جائیں گے۔،،

حضرت سلمان فارسیؓ کا یہ جملہ اپنے اندر بڑے گہرے معانی وحقائق رکھتا ہے کہ جب یہ دین بالکل نیا اور تازہ ہے تو یہ ضروری ہے کہ دنیا کی تعمیر، کائنات کی قیادت اور انسانیت کی ہدایت ورہنمائی میں اپنا کردار ادا کرے۔

چنانچہ امیر لشکر حضرت سعد بن ابی وقاص نے فوج کو حکم دیا کہ اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیں اور دریا پار کر جائیں۔ مورخ طبری کی روایت ہے کہ ایرانیوں نے ان کو دیکھا تو چیخ پڑے ''دیو آمدن دیواں آمدند'' کہ یہ انسان نہیں جن اور بھوت ہیں یہ اعتماد اور یقین تھا جو ان کے دلوں میں رچ بس گیا تھا اور ان میں ایک نئی روح ڈال دی تھی۔

افغانی نوجوانو اور دوستو!

آؤ اپنی تاریخ پر نظر ڈالو، سلطان محمود غزنوی کس طرح وسیع وعریض ممالک کو فتح کرتا چلا گیا۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور اندرون ملک گھستا چلا گیا یہاں تک کہ مشرق اور جنوب کی آخری سرحدوں تک پہنچ گیا حالانکہ اس کے پاس نہ رسد کا انتظام تھا نہ کمک کا امکان، اس کا مرکز بہت دور تھا درمیان میں سر بفلک پہاڑ، دشوار گذار راستے اور تنگ گھاٹیاں حائل تھیں۔

وجہ یہ ہے کہ ان جنگوں اور حملوں کی اس کے نزدیک اتنی ہی اہمیت تھی جتنی اہمیت ایک ماہر اور مضبوط کھلاڑی میچ یا کھیل کے میدان کو دیتا ہے وہ اللہ پر کامل بھروسہ رکھتا تھا پھر یہ سمجھتا تھا کہ جہاد عبادت ہے اور اس راہ میں موت شہادت ہے اور شہداء مرتے نہیں بلکہ انہیں حیات جاودانی عطا ہوتی ہے اور انکے رب کی جانب سے ان کو روزی ملتی ہے وہ اس پر سچا اور پختہ ایمان رکھتا تھا کہ وہ اللہ کے پیغام کا حامل اور امین ہے اور ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کرے گا۔

حضرات! جن عناصر کا میں نے تذکرہ کیا ہے وہ افراد ہی کی تعمیر میں نہیں بلکہ قوموں کی تشکیل میں بھی زبردست رول ادا کرتے ہیں شخصیت کی تعمیر کا مسئلہ بھی بڑا اہم ہے اور نفسیات اور تعلیم وتربیت کے ماہرین نے اسے اپنا موضوع بحث بنایا ہے لیکن میں اس وقت قوموں کے

گردار کے متعلق گفتگو کر رہا ہوں انہی عناصر نے افغانی قوم کو بلند و بالا حیثیت دی جسکا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا اور جسے شکست نہیں دی جاسکتی۔

اور جب قومیں شخصیت کی تعمیر کرنے والے ان عناصر سے محروم اور ان قوتوں سے محروم ہو جاتی ہیں تو انجام شکست و ناکامی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر افغانی قوم اپنی ان طاقتور اور قائد انہ خصوصیات سے محروم نہ ہو جائے اور خدا نخواستہ وہ دور پھر واپس نہ آجائے جب وہ اسلام سے نا آشنا اور اسلامی دعوت سے بے بہرہ تھی۔

میں نوجوانوں سے خاص طور سے کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی قوم کے دلوں میں ان عناصر کی جوت جگادو اور ان کو پروان چڑھاؤ اور انکی حفاظت کرو، ضائع نہ ہونے دو، کیونکہ قدیم ترین زمانے سے قوم وہی ہے پہاڑیاں اور گھاٹیاں وہی ہیں، آسمان وہی دریائے کابل ہزاروں سال سے اپنی گذرگاہ پر بہہ رہا ہے یہاں کی سرزمین جسے اللہ نے بے بہا نعمتوں سے نوازا ہے وہ بھی وہی ہے خوش ذائقہ پھل، لذیز میوہ جات، شیریں پانی، یہ ساری نعمتیں اور نوازشیں ہزاروں سال سے بدستور ہیں لیکن اصل مسئلہ قوم کی تعمیر کے عناصر کا ہے پیغام مقصد زندگی، خود اعتمادی اور کار گذاری کے نشانے کا ہے تا کہ زندگی کا مقصد متعین ہو، صلاحیتوں کے ظہور کے لئے میدان میسر آسکے حسن و خوبی کا کوئی قابل تقلید نمونہ مل جائے۔

علامہ اقبال نے اس حقیقت کو پالیا تھا اور خدا کے حضور میں مسلمانوں کی بے حسی، جمود، مصیبت اور بدحالی کی شکایت کی تھی تو جواب ملا کر یہ لوگ بغیر کسی مقصد اور پیغام کے زندگی گذار رہے ہیں ان کے سامنے کوئی اسوہ کوئی نمونہ، کامل اور کوئی محبوب نہیں جس کے عشق سے اپنے دلوں کو آباد کریں جس کے حسن وخوبی کے گیت گائیں جس کے نقش قدم کو اپنا نشان راہ بنائیں:

شبے پیش خدا بگریستم زاد
مسلماناں چرا زارند وخوارند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارندو محبوب ندارند

افغانی نوجوانو! خدا نے تمہارے اوپر بڑا فضل فرمایا۔ تمہارے لئے کسی چیز کی کمی نہیں اور

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ان اللہ لا یغیر بقوم حتیٰ یغیر و اما بانفسہم (الرعد آیت ۱۱)

''اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا تا آنکہ وہ خود اپنے آپ کو بدل ڈالیں۔''
اللہ اس سے بہت بلند ہے کہ کسی قوم کو عطا کردہ نعمتیں اس سے چھین لے۔

الم ترالی الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا واحلوا قومھم وار البوار.
تو نے نہ دیکھا؟ جنہوں نے بدلہ دیا اللہ کے احسان کا، ناشکری اور اتارا اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اصل مسئلہ خود شناسی کا ہے اپنی قدر و قیمت پہچاننے کا ہے آپ اپنی قدر و قیمت پہچان لیجئے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا اپنا تو بن

وما علینا الا البلاغ

مسلمان کی اصل طاقت و قیمت، ایمان و سیرت ہے

رانی پورہ مین روڈ اندور کے جلسۂ عام میں ۲۶ نومبر ۱۹۸۳ء بروز جمعہ بعد نماز عشاء

الحمد للہ و کفی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد. فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم. یا ایھا الذین آمنو ان تتقو اللہ یجعل لکم فرقاناً ویکفر عنکم سیئاٰتکم ویغفر لکم ذنوبکم. واللہ ذو الفضل العظیم.

مومنو اگر تم خدا سے ڈرو گے، تو وہ تمھارے لئے امر فارق پیدا کر دے گا، (یعنی تم کو ممتاز کر دیگا) اور تمھارے گناہ مٹا دے گا، اور تمھیں بخش دے گا، اور خدا بڑے فضل والا ہے۔

بھائیو اور دوستو: آپ حضرات جانتے ہیں کہ مسلمان کی دو حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت عام انسان کی ہے، جس قانون اور اللہ تعالےٰ کے مقرر کئے ہوئے ضابطہ کے مطابق سب انسان دنیا میں آتے ہیں، وہ بھی دنیا میں آیا ہے، وہی اعضائے انسانی، وہی جسم اور جسم کے تقاضے، جسم کی کمزوریاں، جسم کی بیماریاں لے کر کے آیا ہے، جو انسانوں میں مشترک ہیں، قانون فطرت اس کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے، وہ بچہ سے جوان ہوگا، جوان سے بوڑھا ہوگا، پھر ایک وقت عمر طبعی کو پہونچنے کے بعد (اگر اللہ کو منظور ہوا) اس کا اخیر وقت بھی آئے گا، اور وہ کیسا ہی عبادت گذار، خدا ترس، کیسا ہی زبردست عالم فاضل ہو، مصنف ہو، مفکر ہو، فلسفی ہو، دانشور ہو، شیخ طریقت ہو، صاحب کشف و کرامات ہو، اس کو دنیا سے جانا ہے۔ "انک میت وانھم میتون" اللہ تعالیٰ نے یہ صاف فرمایا ہے، تو پھر مسلمان کا استثناء کیسے ہو سکتا ہے۔

مسلمان کے دو وجود

ایک وجود مسلمان کا انسانی وجود ہے، فطری وجود ہے، جسمانی وجود ہے، اس کے لحاظ

سے وہ عام انسانوں کی طرح ہے، اس کو کھانے کی بھی ضرورت ہے، کمانے کی بھی ضرورت ہے، کھانے کے لئے کمانے کی ضرورت، کمانے کے لئے کھانے کی ضرورت ہے، سونے کی، صحت کا خیال رکھنے کی، حفظان صحت کے اصولوں پر چلنے کی ضرورت ہے، بیمار ہو جائے تو دوا علاج کی ضرورت ہے، کمزور ہو جائے تو اچھی غذا اور طاقتوں دواؤں کی ضرورت ہے، سردی میں سردی کا لباس پہننے کی ضرورت ہے، گرمی میں گرمی کا لباس رکھنے کی ضرورت ہے، مکان کی ضرورت اور سینکڑوں ضرورتیں ہیں، جو اس کے ساتھ لگی ہوئی ہیں، یہ اس کا انسانی وجود ہے، اس میں وہ قانون قدرت کے ماتحت ہے، اسی طرح سے وہ قانون قدرت کا غلام ہے، جیسے دنیا کے تمام انسانی وجود اور نوع انسانی کے تمام افراد، آدم کی ساری اولاد ہے، کوئی استثناء اس میں نہیں ہے، یہاں تک کہ خدا کے پیغمبر بھی کھاتے پیتے تھے، اور یہ طعنہ دیا گیا تھا ''ما لھٰذا الرسول یا کل الطعام ویمشی فی الاسواق '' (یہ کیسا رسول ہے، کھاتا پیتا ہے، اور بازار میں چلتا پھرتا ہے) اس لحاظ سے مسلمان میں کوئی ایسی غیر معمولی طاقت اور کوئی ایسا امتیاز نہیں ہے کہ دنیا میں دوسرے ذلت کے ساتھ رہیں اور وہ عزت کے ساتھ رہے، دوسرے ناکام ہوں اور وہ ہمیشہ کامیاب ہو، دوسرے مفتوح بنیں اور وہ ان سب کا فاتح ہو، دوسرے محکوم ہوں وہ ان کا حاکم ہو، اور زمین، آسمان اور کائنات ساری اس کے ارادے اور اس کی منشا کا احترام کرے، اسکے لئے راستہ صاف کرے، سمندر اس کے لئے پایاب ہو جائیں، دریاؤں میں سے راستہ اس کے لئے نکال دیا جائے، پہاڑ اس کا راستہ روکنے سے ہٹ جائیں، اس مسلمان کے (جیسا ہمارے یہاں کہتے ہیں) کچھ سرخاب کے پر نہیں لگے ہیں، قانون قدرت اس پر ویسے ہی جاری وساری ہوگا، جیسے تمام انسانوں، وجودوں اور تمام انسانی اجسام پر جاری ہوا کرتا ہے، غلطی کرے گا، سزا پائے گا، بد پرہیزی کرے گا، بیمار ہو جائے گا، کمزوری دکھائے گا، مار کھائے گا، آنکھ جھپکے گی پٹ جائے گا، ہاتھ پاؤں نہیں چلائے گا، محنت نہیں کرے گا، تو بھوکوں مرنے لگے گا، اس میں اس کے اور انسانی کنبہ کے دوسرے افراد میں کوئی فرق نہیں۔

لیکن ایک دوسری حیثیت ہے، وہ حیثیت اگر اس کے ساتھ قائم ہو جائے گی تو پھر وہ انسان رہتے ہوئے بھی کچھ اور چیز بن جاتا ہے، پھر اس کا معاملہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جاتا ہے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر بن جاتا ہے، اس کے لئے اللہ تبارک وتعالی اپنے

قانون کو جو ہزاروں لاکھوں برس سے چلے آرہے ہیں، بعض اوقات معطل، بعض اوقات مؤخر کر دیتا ہے، اور اس کو غالب کرتا ہے، اس کو عزت دیتا ہے، اس کو فتح عطا فرماتا ہے، اس کو نیک نامی بخشتا ہے، اس کو فتح اور منصور بناتا ہے، یہ حیثیت ارادی اور اضافی ہے، یعنی اس کے لئے فیصلہ اور اضافہ کی ضرورت ہے، کوئی اپنے ساتھ لے کر کے نہیں آتا اس کو، ماں کے پیٹ سے، جہاں سے جسمانی اعضاء لایا ہے، ایسے ہی ایمان اور شریعت کی پابندی بھی لایا ہے، اس کو کسی ارادہ کی، فیصلہ کی ضرورت نہیں، وہ تو اس کے ساتھ گویا جسم کا ایک حصہ ہے، اب اسے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، یہ بھی ایک موروثی اور پیدائشی چیز ہے، ایسا نہیں ہے۔

ٹارچ کی قیمت اس کے سیلز سے ہے

اس کی موٹی سے مثال میں آپ کو دیتا ہوں، یہ ٹارچ ہے، اس میں سیلز رکھے جاتے ہیں، اگر قسمت سے سیلز رکھ دیئے گئے، اور مسالہ بھر دیا گیا تو اس ٹارچ میں اور اس ٹارچ میں جو خالی ہے، زمین وآسمان کا فرق ہوگا، یہ ٹارچ کہلائے گی، یہ اندھیرے میں اجالا کر دے گی، روشنی کا ایک تیز دھارا اس میں سے نکلے گا، یہ ہاتھ میں ہوگی تو آدمی ٹھوکر کھانے سے بچے گا، دیوار سے ٹکرا جانے سے بچے گا، کسی سوتے ہوئے بچہ پر پاؤں رکھ کر چلے جانے سے بچے گا، اور معلوم ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک بڑی طاقت ہے۔

اومن کان میتاً فاحیینه وجعلنا له نوراً یمشی به فی الناس کمن مثله فی الظلمٰت لیس بخارج منها.

بھلا جو (پہلے) مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لئے روشنی کر دی، جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، کہیں اس شخص جیسا ہوسکتا ہے، جو اندھیرے میں پڑا ہوا ہو، اس سے نکل ہی نہ سکے؟ (الانعام-۱۲۲)

اللہ تعالیٰ نے (جیسے کوئی ہجے کر کے بتاتا ہے) ہجے کر کے بتایا ہے، اور دو اور دو چار اس طریقہ سے سمجھایا ہے، بھلا وہ جو مردہ تھا'' **اومن کان میتاً فاحیینه** ''ہم نے اس کو زندہ کیا، اور اتنا ہی نہیں'' **وجعلنا له نوراً یمشی به فی الناس** '' ہم نے اس کو ایک روشنی عطا کی، جس سہارے سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے،'' **کمن مثله فی الظلمات لیس**

بخارج منہا" کیا وہ اس کی طرح ہوسکتا ہے کہ جو اندھیروں میں بھٹکتا پھرتا ہے، نکلنے کا اس کو کوئی راستہ ہی نہیں ملتا۔

مسلمان پر بھی فطری و اخلاقی قانون نافذ ہے

مسلمان بحیثیت انسان کے عام انسانوں کی طرح ہے، اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے، کوئی ٹھیکہ نہیں ہے، خدا کی طرف سے کوئی ذمہ نہیں ہے، کہ وہ غلطی کرے جب بھی ٹھیک، اس کی چت بھی چت اور پٹ بھی چت، خدا کے یہاں اندھا قانون نہیں ہے، جیسے انسانوں کے یہاں کا ہوتا ہے، کہ برہمن کے یہاں پیدا ہوگیا تو برہمن ہے، کوئی اس کو شرف وعزت سے محروم نہیں کرسکتا، وہ الٹا کرے تو سیدھا اور سیدھا کرے تو سیدھا، بس اس کی ہر بات برہمن کی بات ہے، برہمن کی بات ہی اور ہوتی ہے، میں سیدوں کا، شیوخ کا نام بھی لے سکتا ہوں، آپ سید صاحب ہیں، سید کے گھر پیدا ہوئے ہیں، اب ان کے ستر خون معاف ہیں، اب جو چاہیں کریں، ظلم کریں تو ظلم نہیں، جرم کریں تو جرم نہیں، غلطی کریں تو غلطی نہیں، دو دو چار کہنے کی بجائے پانچ کہیں تو ماننا چاہئے، اس لئے کہ سید صاحب نے کہا ہے کہ دو دو مل کر پانچ ہوتے ہیں، یہ کسی معمولی آدمی نے نہیں کہا، ان کے اندر سارے اخلاق رذیلہ پائے جائیں، ان کے اندر قساوت ہو، سنگدلی، ظالم کا مادہ ہو، کوئی حرج نہیں، میں سب پر ایک حکم نہیں لگاتا، میں یہ کہتا ہوں کہ یہ تصور جو کسی اونچے خاندان میں پیدا ہو جائے تو پھر وہ دنیا سے الگ ہے، اور اس پر خدا کا قانون اور عقل کا قانون نہیں چلتا، وہ قانون سے بالاتر ہے، جیسے شاہان ایران جن کے یہاں سینکڑوں برس سے موروثی سلطنت چلی آرہی تھی، کیانی خاندان تھا، ساسانی خاندان تھا، رومن ایمپائر کے جو تاجدار ہوا کرتے تھے، وہ ماں کے پیٹ سے شہزادے ہی ہو کر پیدا ہوا کرتے تھے۔

اسلام کا معاملہ، اور خدا کے دین کا معاملہ یہ نہیں ہے، ایمان اور تقوی ایک لازمی واضافی چیز ہے جو بالارادہ ہوتا ہے، اور اس کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

پاور ہاؤس سے کنکشن ضروری ہے

دیکھئے یہ بلب ہے، یہ وائرنگ ہے، وائرنگ بالکل صحیح ہے، لیکن اس کا پاور ہاؤس سے کنکشن نہیں ہے، اور وہ کرنٹ اس میں نہیں آتا تو اگر اس کی وائرنگ آپ ریشم کی کریں، اور سونے کے تار لگائیں، لیکن کنکشن نہیں ہے، بجلی کی رو اس میں نہیں آرہی ہے تو سب بیکار ہے، روشنی ہے، نہ کوئی فائدہ، معاملہ ٹارچ میں سیلز اور مسالہ رکھنے کا ہے، یہ مسالہ بارگاہ نبوت سے ملتا ہے، اس کے لئے ایک ہی جگہ، ایک ہی ٹھکانہ ہے، حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد اب وہ سیلز اور کہیں نہیں مل سکتے، نہ امریکہ میں، نہ روس میں، نہ دنیا کے کسی کارخانہ میں، وہ ایمانی سیلز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں، وہ اگر آپ ٹارچ میں رکھتے ہیں، فٹ کر دیتے ہیں، تو ذرا سا بٹن دبایئے، ذرا سا ہاتھ کا اشارہ کیجئے اور روشنی کی ایک تیز دو نکلے گی، جس سے آپ کو بھی راستہ نظر آئے گا، دوسروں کو بھی راستہ نظر آئے گا، اور اس کی یہی قیمت ہے کہ یہی اسلام کی شان ہے کہ جب وہ سیلز بھر دیئے جاتے ہیں، تو صرف اس مسافر ہی کو جس کے ہاتھ میں وہ ہے جو اس کا مالک ہے، اسی کو راستہ نظر نہیں آئے گا، بلکہ بیسیوں جو بالکل اندھوں کی طرح راستہ چل رہے تھے، ان کو بھی راستہ نظر آنے لگے گا، یہ ہے مسلمان کی شان۔

یاایھا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقاناً (الانفال ۲۹)

اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرو گے اور اس سے شرم کرو گے اس کا لحاظ کرو گے اور اس کے احکام کا احترام کرو گے اس کی شریعت کو قبول کرو گے، اس پر چلنے کا فیصلہ کرو گے، اس پر اعتماد کرنا شروع کرو گے، تو تمہارے لئے امر فارق پیدا کر دے گا (یعنی تم کو ممتاز کر دے گا)

مابہ الامتیاز صفت

فرمایا "**یجعل لکم فرقانا**" اللہ تم کو ایک مابہ الامتیاز چیز عطا کرے گا، تمھاری سطح ایک دم سے بلند ہو جائے گی، تم اس پستی سے، ماحول کی خرابی سے نکل جاؤ گے، جب انسان اپنے کو اللہ کی روشنی سے محروم کر لیتا ہے، تو پھر اس کا کیا حال ہوتا ہے؟ وہ اس ٹارچ کی طرح ہو جاتا ہے، جس کے سیلز ختم ہو چکے یا اس میں رکھے ہی نہیں گئے، اب اس سے تو یہ لکڑی اچھی کہ اس سے

ہم کتے کو مار سکتے ہیں، اس سے اپنا دفاع کر سکتے ہیں، اپنی حفاظت کر سکتے ہیں، اس ٹارچ سے تو یہ کام بھی نہیں کر سکتے، ٹارچ کی ساری قیمت اس کے سیلز ہیں، اس کو نکال لیجئے تو اس سے لاٹھی اچھی، بندوق کے اندر کارتوس ہے، تو وہ بندوق، بندوق ہے، اس کی بڑی قیمت ہے، آپ شیر کا شکار کر سکتے ہیں لیکن اگر اس کے اندر کارتوس نہیں رکھا جا سکتا، یا کارتوس ہی خالی ہے، تو اس سے لاٹھی اچھی، جب مسلمان کے سیلز ختم ہو جائیں، جب اس کے اندر سیلز رکھے ہی نہ جائیں، یا وہ اپنی ناقدری سے، کفران نعمت سے ان سیلز کو بیکار کر دے تو پھر مسلمان میں اور غیر مسلم میں کیا فرق؟ پھر تو وہ غیر مسلم جو اس سے زیادہ مضبوط ہے، اچھا ہے، اس سے زیادہ پیسے والا ہے، وہ اچھا ہے، اس سے بڑی کوٹھی رکھنے والا ہے، وہ اچھا ہے، جس کی موٹر اس سے اچھی ہے، وہ اچھا اور بعض اوقات تو ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کے گھر کا کتا بھی اس سے اچھا کھاتا ہے، جیسے بہت سے انگریزوں کے یہاں کتے پلے ہوئے ہوتے ہیں، جن کو وہ ملتا ہے، جو اچھے اچھے انسانوں کو نہیں ملتا، بات صرف ہاتھ پاؤں، کان، ناک، آنکھ کی اور صورت کی، اور انسان کے نام کی نہیں، جس میں جسمانی طاقت زیادہ ہوگی، وہ اس سے بڑا، جس کے پیسے زیادہ ہوں گے، وہ اس سے بڑھا اور جس کے پاس اونچی کوٹھی ہوگی وہ اس سے چڑھا، پھر تو سارا معاملہ اس پر آ گیا کہ کس کے پاس پیسے زیادہ ہیں، کس کے پاس طاقت ہے۔؟

مسلمانوں کی اصل طاقت

ہم مسلمانوں کی جو اصل خصوصیت، ہمارا مابہ الامتیاز، ہمارا سرمایہ، ہمارا فخر، ہماری طاقت ہے، وہ سیلز تھے، جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں سے لے کر آئے ہیں، اور انسانوں کے دماغ اور انسانوں کے دل کے اندر رکھے، دماغ میں بھی سیلز رکھے ہیں، اور دل میں بھی، ایمان کا کچھ تعلق انسان کے ضمیر اور قلب سے ہے، کچھ انسان کے دماغ اور فکر سے ہے، اس سے خاص طرح کے اخلاق پیدا ہوتے ہیں، خاص طرح کا طرز عمل، زندگی کا رویہ اور مسلک پیدا ہوتا ہے، خاص طرح کے برتاؤ کرنے کا طریقہ آتا ہے، خالق کی معرفت ہوتی ہے، مخلوق سے محبت ہوتی ہے، خدا کا خوف ہوتا ہے، بندوں کی شرم ہوتی ہے، اللہ کا ڈر اور اس کی محبت ہوتی ہے، اور انسانوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے، غریبوں پر آدمی رحم کھاتا ہے، بے

ایمانی سے بچتا ہے، چوری سے پناہ مانگتا ہے، اس کو جرائم سے ظلم سے گھن آتی ہے، بالکل سیرت ہی بدل جاتی ہے، یہ کس کا کرشمہ ہے، یہ ان سیلز کا کرشمہ ہے۔

معنوی خودکشی

مسلمان اپنے کو ان سیلز سے محروم کر دے تو یہ معنوی خودکشی ہے، جیسے کوئی زہر کھا کر مرجائے، یا کوئی گلے میں پھندا ڈال کر کے اپنا گلا گھونٹ لے، مسلمان ہے، لیکن اس کے اندر ایمان کے وہ سیلز نہیں ہیں، عقیدہ کے وہ سیلز نہیں ہیں وہ ''فرقان'' نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یآ یھا الذین آمنو ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقاناً (الانفال. ۲۹)

مومنو اگر تم خدا سے ڈرو گے تو وہ تمھارے لئے امر فارق پیدا کر دے گا

اے ایمانوالو: اگر تم اللہ سے ڈرنے لگو گے، اور احتیاط کی زندگی گذارو گے، آپ کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل کرو گے، ادھر چلو، اُدھر مت چلو، اس راستہ چلو، اس راستہ نہ چلو، اس لکیر کو نہ چھوڑو، یہ سرحد پار نہ ہونے پائے، اس کا نام تقویٰ ہے، تقویٰ کے معنی بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو نماز ہی نماز پڑھتا چلا جائے، رات کو پلک سے پلک نہ لگے، اس کو لوگ متقی کہتے ہیں، تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ جن چیزوں سے اللہ اور رسولؐ نے منع کیا ہے، اس سے بچیں اس کے تصور سے خیال بھی آ جائے تو خدا کی پناہ مانگیں اور جن چیزوں کا حکم دیا ہے، ان کی پابندی کریں ہفت اقلیم کی سطنت مسلمانوں کو مل جائے، ان کے قدموں پر بادشاہوں کے تاج رکھ دیئے جائیں، اور قارون کا خزانہ ان کو مل جائے لیکن ان کے اندر وہ سیلز نہ ہوں، نبوت کی لائی ہوئی روشنی نہ ہو، وہ فرقان نہ ہو، جو اللہ تعالیٰ دین پر چلنے والوں کو عطا کرتا ہے، تو دو کوڑی کی قیمت نہیں، مسئلہ بہت صاف اور بہت ہی واضح ہے، میں کوئی پہیلی نہیں بجھا رہا ہوں، ہماری آپ کی ساری طاقت، سارا امتیاز، اللہ کے یہاں بھی جو مرتبہ اور مقام ہے، اور مخلوق کی نگاہ میں بھی جو وزن اور طاقت ہے، وہ سب ان سیلز کے صدقہ میں ہے، سیلز سلامت سب کچھ سلامت، یہ دل سلامت سب سلامت یہ دماغ سلامت سب سلامت، عقیدہ سلامت، اخلاق سلامت، مسلمان مسلمان ہے، نہ پہاڑ اس کا راستہ روک سکتے ہیں اور نہ سمندر۔

ایمان وسیرت کی کرامت

میرے بھائیو: بات یہ ہے کہ یہ سب سیلز کی کرامت ہے، یہ مسالہ جو اس کے اندر بھرا ہوا ہے، ایمان کا مسالہ، عقیدہ کا مسالہ، اخلاق کا مسالہ، مقاصد کا مسالہ، ہمارا عقید الگ، ہمارا ایمان الگ، ہمارے اخلاق الگ ہونے چاہئیں، پھر کیا ہوگا "**یجعل لکم فرقانا**" اللہ تم کو ایسی مابہ الامتیاز چیز بخشے گا کہ دور سے پہچانے جاؤ گے، جہاں جاؤں گے، تمھاری عزت ہوگی، مسلمان کا کیا حال تھا، آبادیوں کی آبادیاں بلاتی تھیں،، آج کتنے ملک فتح ہوئے ہیں، جہاں کی آبادی نے بلایا تھا، مسلمانوں کو، تاریخ والوں نے پوری حقیقت لکھی نہیں، بیان نہیں کی ہاب بہت سی حقیقتیں سامنے آرہی ہیں، مصر کے لوگوں نے بلایا تھا، دعوت دی تھی، عربوں کو کہ آؤ ہمیں اس مصیبت سے نجات دو کہ ذرا سا اختلاف ہے، عقائد کا، ہمارا اور رومیوں کا تو ہم سے وہ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کرتے ہیں، الفرڈ بٹلر ALFRED BUTLER کی کتاب ہے "عربوں کا مصر فتح کرنا" اس نے لکھا ہے کہ بوروں میں بھر بھر کر رومی ان قبطیوں کو سمندر میں ڈال دیتے تھے، کیوں؟ محض اس لئے کہ ان میں اور رومیوں میں حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کچھ اختلاف تھا، کہ بالکل خدا کی طرح ہیں، بالکل وہ خدا کا جزء ہیں، یا انسان ہیں، اور ان میں تھوڑی سی خدائی بھی ہے، اس میں اختلاف تھا تو اتنا بڑا ظلم ہوتا تھا کہ کوئی حد نہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ ان قبطیوں نے دعوت دی تھی، اور کہا تھا کہ خدا کے لئے آؤ اور ہمیں بچاؤ، ایسے معلوم نہیں کتنے ملک تھے اور جب کہیں کسی فوجی مصلحت سے کسی صوبہ کو، کسی شہر کو چھوڑتے تھے، تو لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے اور کہتے تھے کہ تم کیوں ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہو، اور ان ظالموں کے حوالے کر رہے ہو، اور جب وہ کہتے تھے کہ نہیں ہم پھر آئیں گے تو کہتے تھے کہ اللہ تم کو جلد لائے، اور دعائیں کرتے تھے۔

ہندوستان پر ہمارا حق اور اس کی ذمہ داری

میرے مسلمان بھائیو: تم کو اس ملک میں رہنا ہے، تمھارا حق اس سرزمین پر ہے، تم نے اس ملک کو بنایا، سنوارا، تم نے اس ملک کو تہذیب سے تمدن سے اور ترقیوں سے مالا مال کر دیا،

تمھارے اوپر بھی اس ملک کا احسان ہے، اس نے تمھیں ایسے آڑے وقت میں پناہ دی، اور یہ فیاض ملک ثابت ہوا، جب پناہ نہیں مل رہی تھی، جب تا تاری ایران اور ترکستان کے باغ بہار شہروں پر حملہ کررہے تھے، اور شہر کے شہر بے چراغ ہو رہے تھے، اس وقت بڑے بڑے مسلمان خاندان یہاں آئے اور اس ملک نے اپنے بازو پھیلا دیئے، اپنی گود خالی کرلی تو ہمارے اوپر اس ملک کا حق ہے، اور اس ملک پر ہمارا حق ہے، دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں ہے، جو بیچ میں کھڑی ہو جائے، اور کہے کہ نہیں تمھارا اس ملک پر حق نہیں ہے، مگر آپ کو اپنے اندر ایمان وسیرت اور دعوت وہدایت کا امتیاز پیدا کرنا ہوگا، جب آپ اس ملک میں عزت کے ساتھ رہ سکیں گے، توحید کی طاقت آپ کے اندر ہو، اس سے بڑھ کر دنیا میں کسی طاقت کا تجربہ ابھی تک نہیں کیا گیا، ایک آدمی جس کے اندر توحید کا عقیدہ ہو کہ خدا کے سوا نفع وضرر کی طاقت کسی میں نہیں "لا نافع ولا ضار الا الله لا اله الا الله "وہی نافع وہی ضار" وان یمسسک الله بضر فلا کاشف له الاھو وان یردک بخیر فلا راد لفضله "اے محمد (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر اللہ تعالے تمھارے ساتھ ضرر کا ارادہ کرلے تو کوئی روک نہیں سکتا، نفع کا ارادہ کرلے تو کوئی آڑے نہیں آسکتا۔ (سورۂ یونس۔۱۰۷)

مسلمان کے امتیازات

پھر اس کے ساتھ تمھارے اندر شریعت کی پابندی ہو، تم شریعت کے احکام پر چلتے ہو، جب ساری دنیا کی قومیں اپنے اپنے مذہب کے احکام کو چھوڑ چکیں، اب صرف رسم ورواج رہ گئے، صرف تہوار رہ گئے، صرف میلے ٹھیلے رہ گئے، صرف سوشل چیزیں رہ گئیں، تو اس حالت میں تم نمازوں کے پابند ہو، تم شریعت کے احکام پر چلنے والے ہو، تم حلال وحرام میں فرق کرنے والے ہو، اور اس کے ساتھ پھر تمھارے اخلاق اعلیٰ ہوں، دنیا دودھ میں پانی ملائے، تم حرام سمجھو، دنیا کے درزی کپڑا چرائیں، تمھارے درزی اس کو حرام سمجھیں، دنیا ڈنڈی مارے اور کم تولے تم اس کو حرام سمجھو، اس راستہ سے آئے ہوئے پیسے کو تم نجس وناپاک سمجھو، مرجانا دس مرتبہ اچھا ہے لیکن رشوت لینا اچھا نہیں، اگر کوئی غیر مسلم چار گھنٹے کام کرتا ہو تو تم چھ گھنٹے اپنے آفس میں بیٹھ کر کام کرو کہ نہیں ہم جب اس کی تنخواہ پاتے ہیں تو پھر ہمیں خدمت کرنی چاہئے،

اور اس ملک نے ہم پر احسان کیا، ہم نے اس ملک میں صدیاں گذاریں، ہم پھلے پھولے، ہم نے ہر طرح کا لطف اٹھایا، یہاں کی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھایا، ہم اس ملک کے ساتھ غداری نہیں کر سکتے، ہم اس ملک میں کام چوری کی عادت نہیں اختیار کریں گے، گپ کرتے رہے اور ایک دو فائلیں دیکھیں جیسے آج کل رواج ہے، اور پھر لنچ کا وقت آ گیا، لنچ کھایا، اس کے بعد پھر کچھ گپ کی، کچھ چائے پی، کوئی دوست آ گیا تو اس سے بات کرنے لگے، نہیں، ڈیوٹی پر وقت پر جانا، وقت پر آنا، پورا کام کرنا، ہر آدمی کے ساتھ خیر خواہی کرنا، کوئی انسان کسی مذہب وملت کا ہو، وہ اگر تمھاری مدد کا محتاج ہو، تو تم بالکل نہ دیکھو کہ یہ کلمہ گو ہے یا نہیں، تمھیں اس کی مدد کرنی چاہئے، کوئی اگر ظلم کر رہا ہو تو اس کا ہاتھ پکڑنا چاہئے، ظلم کو روکنا چاہئے، مظلوم کی حمایت کرنی چاہئے، سچی بات کوئی کہے اس کی قدر کرنی چاہئے۔

ملک کے حالات میں تبدیلی

یہ اخلاق اگر ہمارے ہوں گے تو وہی بات ہوگی "ان تتقو الله يجعل لكم فرقانا" اگر تم اللہ سے ڈرو گے اللہ تمھارے لئے فرقان پیدا کر دیگا، ہندوستان ہی میں دنیا دیکھے گی کہ مسلمان کا کیا احترام ہوتا ہے، مسلمان کو کس طرح لوگ آنکھوں میں جگہ دیتے ہیں، کس طرح مسلمان ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر مسلمان نہ رہے گا تو اس ملک کا رہنا مشکل ہے، مسلمان ہی اس ملک کو تباہی سے بچا سکتے ہیں، اپنے اندر یہ اعتماد پیدا کرو، اپنے اندر یہ قوت پیدا کرو، جب آپ کے یہ اخلاق ہوں گے، تو انشاء اللہ پھر آپ کے لئے راستہ صاف ہے، آپ اپنے کو بھی بچائیں گے، اپنی عزت وناموس کو بھی بچائیں گے، اور اس ملک کو بھی تباہی سے بچائیں گے۔

ملک تباہی کے کنارے کھڑا ہے اور مسلمان اس کو بچا سکتے ہیں

میں صاف کہتا ہوں کہ یہ ملک تباہی کے کنارے کھڑا ہے، کیوں کھڑا ہے؟ پیسے کی لالچ کی وجہ سے، بے ایمانی کی وجہ سے، رشوت کی وجہ سے، کام چوری کی وجہ سے، فرض ناشناسی کی وجہ سے، اور یہ بھاؤ بھید جو ہیں، ذاتوں اور برادریوں کے اس کی وجہ سے، آپ اس پورے بحر ظلمات میں روشنی کا مینار ہیں، روشنی کا مینار ادھر ادھر نہیں جاتا، کھڑا رہتا ہے، سب کو راستہ دکھاتا

ہے، آپ ہمت سے کام لیں اور اپنے اندر فرقان پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

ایمانی صفات، اسلامی اخلاق اور دعوت وہدایت اور ہمدری خلائق کے جذبہ کے ساتھ آپ کو یہاں کی زندگی سے کٹنا بھی نہیں چاہئے، آپ یہ نہ کہیں کہ صاحب ہماری بلا سے یہ ملک ڈوبے یا بچے ہم نہیں جانتے، ہم تو بس اپنی عاقبت کی فکر میں ہیں نہیں یہ بات ٹھیک نہیں ہے، مسلمان کا منصب نہیں ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ملک تباہ ہو جائے، خدا آپ سے پوچھے گا، آپ جس کشتی پر سوار ہیں، وہ کشتی ڈوبے، پھر آپ کی کیا خصوصیت رہی، آپ ڈوبتی ہوئی کشتی کو ہاتھ لگادیں تو وہ ساحل تک پہونچ جائے گی، یہ آپ کی شان ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محسن عالم

رحمۃ للعالمین ﷺ

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ . اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم o بسم اللہ الرحمن الرحیم "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین"

حضرات!: میں نے آپ کے سامنے سورہ انبیاء کی ایک آیت پڑھی ہے اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ اے محمد رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ کو سارے جہاں اور جہاں والوں کے لئے محض رحمت بنا کے بھیجا ہے" یہ خدا کی طرف سے ایک حیرت انگیز (اور اگر رحمت کی روح اور مفہوم کے منافی نہ ہوتا تو میں کہتا کہ) ایک تہلکہ خیز اعلان ہے' یہ اعلان اس صحیفہ میں کیا گیا ہے' جس کے لئے تقدیر الٰہی کا فیصلہ تھا کہ وہ دنیا کے ہر حصہ میں (اور اپنے نزول کے بعد) تاریخ انسانی کے ہر دور میں پڑھا جائے گا۔ اس کے پڑھنے والے بھی لاکھوں کروڑوں انسان ہوں گے' اس پر غور کرنے والے' اس کی تشریح کرنے والے' اس کے اسرار اور رموز بیان کرنے والے' اس کے ایک ایک لفظ' بلکہ ایک ایک حرف کی تحقیق کرنے والے' اس کو تنقید اور شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھنے والے، اور اس کو علم و تحقیق کی ترازو میں تولنے اور اس کو واقعات کی کسوٹی پر کسنے والے انسانوں کا سلسلہ بھی قیامت تک ختم نہیں ہوگا، ایک شخص ایک بیان جاری کرتا ہے، کوئی مضمون نگار کسی اخبار یا رسالہ میں (جس کی زندگی عام طور پر مختصر اور پڑھنے والوں کا حلقہ اکثر محدود ہوتا ہے) کوئی مضمون لکھتا ہے، تو......

اس کو اس اندیشہ سے کئی کئی بار غور کرنا پڑتا ہے، اور وہ ترازو میں تول تول کر کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ کوئی اس کی تردید نہ کردے، اور اس کی صداقت کو چیلنج نہ کرے، کتابوں کا معاملہ اس سے بھی مختلف ہے کہ ان کی عمریں عام طور پر اخبارات ورسائل سے زیادہ طویل ہوتی ہیں، اور بعض اوقات سالہا سال تک وہ لوگوں کے مطالعہ میں رہتی ہیں، اور کوئی کوئی کتاب صدیوں تک بھی زندہ رہتی ہے، اس میں کسی بات کو درج یا کسی چیز کا دعویٰ کرتے ہوئے مصنف کو اپنی ذمہ داری کا زیادہ احساس ہوتا ہے، وہ لکھنے کے لئے قلم اٹھاتا ہے تو اس کو پہلے کسوٹی پر کستا ہے، اور دیکھتا ہے کہ اس دعویٰ یا اعلان کا پڑھنے اور سننے والوں پر کیا ردعمل ہوگا، اس کے بعد غور کیجئے کہ خدائے علام الغیوب ایک ایسی کتاب میں یہ اعلان کرتا ہے جس کے متعلق وہ خود ہی کہتا ہے کہ ''لا یاتیه الباطل من بین یدیه و لا من خلفه تنزیل من حکیم حمید (اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے خدا کی اتاری ہوئی ہے) اور جس کے متعلق اس کا اعلان ہے کہ'' انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحا فظرن'' (بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں) اس اعلان کی وسعت وعظمت اس کے زمانے ومکانی رقبہ کا طول وعرض دونوں ایسی غیر معمولی باتیں ہیں، جن سے سرسری طور پر گزرا نہیں جا سکتا۔ زمانی رقبہ سے مراد یہ ہے کہ بعثت محمدی سے لے کر قیامت تک جتنی نسلیں دنیا میں آئیں گی اور تاریخ کے جتنے دور گزریں گے' یہ اعلان ان سب پر حاوی ہے، اور یہ آیت اس پورے زمانی رقبہ کو جو ہزاروں سال پر پھیلا ہوا ہے، گھیرتی) کرتی ہے۔

مکانی رقبہ کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ دنیا کا کوئی گوشہ بھی اس سیس مستثنیٰ نہیں کیا گیا، یہ نہیں کہا گیا کہ ہم نے آپ کو جزیرۃ العرب کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، یا مشرق کے لئے یا کسی براعظم مثلاً ایشیاء کے لئے پیام رحمت بنایا ہے، اس کے برخلاف یہ کہا گیا ہے کہ یہ رحمت ساری دنیا پر محیط ہے گویا اردو کے شاعر حالی کی زبان میں۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

واقعہ یہ ہے کہ اس اعلان کی وسعت، عمومیت، عظمت اور لامحدودیت کے سامنے دنیا کے سارے مؤرخین، فلاسفہ، مفکرین، مصنفین بلکہ پورے فکر انسانی کو انگشت بدنداں، حیرت

زدہ اور ششدر رہو کر کھڑا ہو جانا چاہئے، اور ایک بار سب کام چھوڑ کر اس واقعہ کی تصدیق، اور اس اعلان کی صداقت کی تحقیق میں مصروف ہو جانا چاہئے۔ مذاہب ہی تاریخ میں نہیں، تمدنوں اور فلسفوں ہی کی تاریخ میں نہیں، اصلاحی اور انقلابی تحریکوں اور کوششوں ہی کی تاریخ میں نہیں، بلکہ پوری تاریخ انسانی، اور پورے انسانی لٹریچر میں ایسا پراز اعتماد، ایسا واضح اور بے لاگ، ایسا عمومی و عالمگیر اعلان، کسی شخصیت یا کسی مذہب و دعوت کے متعلق نہیں ملتا مذاہب عالم کی تاریخیں، انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں، اور تعلیمات کا جو ریکارڈ دنیا میں محفوظ ہے، وہ بھی اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

دنیا کا ایک مشہور اور قدیم مذہب یہودیت ہے، اس کا حال یہ ہے کہ وہ خدا کا تصور بھی جو کائنات اور تمام مخلوقات کا خدا ہے، زیادہ تر بنی اسرائیل کے خدا کی حیثیت ہی سے کرتی ہے، عہد عتیق کے اکثر صحیفے، اور یہودیوں کا مذہبی لٹریچر، خدا کے رب کائنات اور رب العالمین کے تصور سے خالی ہے، اس لئے ان کی تاریخ اور ان کے صحیفوں میں کسی پیغمبر کے متعلق وہ چاہے، موسیٰ و ہارون جیسے باعظمت، یا داؤد اور سلیمان جیسے صاحب سلطنت پیغمبر ہوں، کسی ایسے اعلان کو تلاش کرنا فعل عبث اور اضاعت وقت کے مرادف ہے، یہ مذہب کبھی بھی نسل انسانی کا عمومی اور ان کے لئے بلا تفریق نسل و نسب ہدایت و رحمت کا پیغام نہیں رہا، اور نہ اس میں کبھی غیر اسرائیلی قوموں اور افراد کو یہودیت کی دعوت و تبلیغ کی ہمت افزائی کی گئی۔

عیسائی مذہب جو اپنے تبلیغی جوش و ہمدردی بنی نوع انسان کے لئے مشہور ہے، اس کے پیغمبر (حضرت مسیح علیہ السلام) بار بار اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ" وہ بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے آئے ہیں"۔ انہوں نے اپنے شاگردوں سے صفائی سے کہا۔" میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔" جب ان کی توجہ ان مریضوں کی مسیحائی کی طرف منعطف کی گئی، جو بنی اسرائیل سے نسل و نسب کا کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے تو انہوں نے معذرت کر دی اور فرمایا کہ" لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں ہے"۔ انہوں نے جب اپنے بارہ حواریوں کو تبلیغ کے لئے بھیجا تو انہوں نے ان کو حکم دے کر کہا۔" غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔"

دوسرے مشرقی وایشیائی مذاہب ہندومت وغیرہ کا معاملہ اس سے زیادہ کچھ مختلف نہیں، بلکہ نسل ونسب کی تقدیس اور بے لوث اور بے رحم انسانی تقسیم میں وہ کچھ آگے ہی بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں، قدیم ہندوستانی سماج میں شودر ہر قسم کی عزت ومساوات بلکہ اکثر اوقات عام انسانی حقوق اور عام انسانی ہمدردی سے بھی محروم تھے، ان کو علم حاصل کرنے، دوسروں کو تعلیم دینے، اور روحانی ترقی کے مدارج طے کرنے کی اجازت نہ تھی، وید کی تعلیم اپنے لئے اور دوسروں کے لئے دیوتاؤں کے چڑھاوے چڑھانا، اور دان دینا برہمنوں کا حق قرار دیا گیا تھا، وید کی تعلیم حاصل کرنے اور پڑھنے کی اجازت صرف چھتریوں اور ویش کو دی گئی تھی، اور منوساستر کی تصریح کے مطابق "شودر کے لئے قادر مطلق نے صرف ایک ہی فرض بنایا اور وہ ان تینوں کی خدمت کرنا ہے۔" ہندوستان کے قدیم باشندے عام طور پر ہمالیہ پہاڑ کے پیچھے دنیا کا تصور نہیں کرتے تھے، ان کو باہر کی دنیا اور عام انسانوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اس لئے یہاں کسی مصلح، کسی رشی بلکہ کسی پیغمبر کے متعلق بھی (جن کا اس ملک میں پیدا ہونا قرآن مجید کے نصوص کے مطابق ممکن اور ہر طرح قرین قیاس ہے) اس قسم کے کسی اعلان کا تلاش کرنا بیکار ہے، حقیقت یہ ہے کہ جن مذاہب میں رب العالمین ہی کا تصور نہیں، ان میں اپنے کسی پیغمبر کے متعلق رحمۃ للعالمین ہونے کا تصور یا اعلان پایا جانا غیر منطقی اور غیر فطری بات ہے۔ حضرات! کسی چیز کی اہمیت وعظمت اور قدر و قیمت کا تعین کرنے کے لئے عام طور پر دو پیمانے ہوتے ہیں، ایک اس کی تعداد اور مقدار جس کو ہم جدید علمی اصطلاح میں "کمیت" QUANTITY کے لفظ سے ادا کرتے ہیں، اور ایک کسی شی کا جوہر یا صفت ہے، جس کو اصطلاحاً "کیفیت" QUALITY کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ قرآنی اعلان جو محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق کیا گیا ہے، ان دونوں پہلوؤں پر مشتمل ہے، یعنی آپ کی بعثت ونبوت، آپ کے وجود گرامی، اور آپ کی تعلیمات سے انسانیت کو جو فیض پہنچا، اس کو حیات نو کا جو پیغام ملا، اور اس کی بیماریوں کا جو مداوا، اس کے مصائب کا جو خاتمہ ہوا، اس پر رحمتوں اور برکتوں کا جو دروازہ کھلا وہ اپنی وسعت وکثرت اپنی مقدار وکمیت (QUANTITY) کے اعتبار سے بھی اور اپنی نوعیت وافادیت، اپنے جوہر وکیفیت (QUALITY) کے اعتبار سے بھی بے نظیر و بے مثال ہے، "رحمت" ہماری روز مرہ زندگی کا ایک کثیر الاستعمال لفظ ہے، اس کے انواع واقسام اور اس کے مراتب ودرجات کا

کوئی ٹھکانہ نہیں، اگر کوئی کسی کو پانی پلا دیتا ہے تو وہ بھی ایک طرح کی "رحمت" ہے، اگر گرمی میں کوئی کسی کو پنکھا جھل دیتا ہے تو وہ بھی ایک طرح کی "رحمت" ماں اپنے بچہ کو پیار کرتی ہے، باپ اپنے لڑکے کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرتا ہے، اور اس کے لئے زندگی کا ضروری سامان مہیا کرتا ہے، وہ اس سے بھی بڑی ایک "رحمت" ہے، استاذ طالب علم کو پڑھاتا، اس کو علم کی نعمت بخشتا ہے، یہ بھی ایک بڑی قابل قدر "رحمت" ہے بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑا پہنانا سب "رحمت" کے مظاہر ہیں اور سب کا اعتراف ضروری اور شکریہ واجب ہے۔

لیکن "رحمت کا" سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ کسی جاں بلب مریض کی جان بچالی جائے ایک بچہ دم توڑ رہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب آخری ہچکی لے گا، ماں رو رہی ہے کہ میرا لال دنیا سے رخصت ہو رہا ہے کہ اس سے کچھ نہیں ہوسکتا، باپ مارا مارا پھر رہا ہے، اور سر پھوڑ رہا ہے، سب بے بس معلوم ہوتے ہیں، کہ اچانک ایک طبیب حاذق فرشتہ رحمت بن کر پہنچتا ہے، اور کہتا ہے، گھبرانے کی کوئی بات نہیں! وہ دوا کا ایک قطرہ بچہ کے حلق میں ٹپکاتا ہے، وہ آنکھیں کھول دیتا ہے، سب اس کو خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ کہیں گے اور وہ ساری رحمتیں جن کا میں نے نام لیا۔ اس "رحمت" کے سامنے مات ہو جائیں گی، اس لئے کہ یہ اس مریض ہی پر نہیں، بلکہ اس کے چھوٹے سے کنبہ اور اس سے محبت کرنے والوں پر بھی احسان عظیم ہے کہ اس کی جان بچالی گئی، کوئی نابینا چلا جا رہا ہے، راستہ میں کوئی خندق یا کوئی کنواں پڑ گیا، قریب ہے کہ اس کا اگلا قدم اسی خندق یا کنویں میں ہو، اللہ کا ایک بندہ عین وقت پر پہونچتا ہے، اور وہ اس کی کمر پکڑ لیتا ہے، اور اس کو اس خندق میں گرنے سے بچالیتا ہے تو وہ اس کے حق میں فرشتہ رحمت کہلائے گا، ایک نوجوان جو اپنے ماں باپ کی آنکھ کا تارا اور اپنے کنبہ کا سہارا ہے، دریا میں ڈوبنے لگا، وہ غوطے کھا رہا ہے، کوئی گھڑی ہے کہ وہ تہہ نشین ہو جائے، ایسے میں اللہ کا بندہ اپنی جان پر کھیل کر کود پڑتا ہے، اور اس کی جان بچالیتا ہے، اس کے ماں باپ اور بھائی فرط مسرت اور احسان مندی کے جذبہ سے اس سے لپٹ جاتے ہیں، اور ساری عمر اس کا احسان نہیں بھولتے۔

لیکن "رحمت" کا آخری مظہر یہ ہے کہ پوری انسانیت کو ہلاکت سے بچایا جائے، پھر ہلاکت ہلاکت اور خطرہ خطرہ میں بھی زمین آسمان کا فرق ہے، ایک عارضی ہلاکت اور تھوڑی

دیر کا خطرہ ہے، ایک ابدی ہلاکت اور دائمی خطرہ ہے، خدا کے پیغمبر انسانوں کے ساتھ ''رحمت'' کا جو معاملہ کرتے ہیں، وہ ان رحمتوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، یہ زندگی کا مواج سمندر، یہ زندگی کا طوفانی دریا، جو انسانوں اور افراد ہی کو نہیں، قوموں اور ملکوں کو غرق کر چکا ہے، تہذیبوں اور تمدنوں کو لقمہ اجل، بنا چکا ہے، جس کی موجیں مہنگوں کی طرح منہ پھیلا کر بڑھتی اور بپھرے ہوئے شیر کی طرح انسانوں پر حملہ کرتی ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ اس بے رحم دریا سے کس طرح پار اترا جائے اور انسانی قافلہ کو ساحل مراد بلکہ ساحل نجات پر پہنچایا جائے، نوع انسانی کا سب سے بڑا محسن اور اس کا نجات دہندہ وہ قرار پائے گا جس انسانی کشتی کو جو ڈانوا ڈول ہو رہی ہے، جس کے سوار موجود ہیں، لیکن ملاح مفقود، ساحل تک پہنچا دے۔ نوع انسانی ان کی بھی شکر گزار ہے، جو اس کو علم وفن کا تحفہ دیتے ہیں، وہ ان کی بھی شکر گزار ہے، جو اس کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں، وہ ان کی بھی شکر گزار ہے، جنہوں نے اس کی زندگی کو پر راحت بنایا اور اس کی زندگی کے مشکلات کو ختم یا کم کیا، وہ کسی کے احسان کی ناقدری نہیں کرتی لیکن اس کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس کو ان دشمنوں سے بچایا جائے، جو اس کی جان کے دشمن ہیں، اور اس کی کشتی پار لگائی جائے۔

اس زندگی کی بے رحم موجیں اور اس دریا کے ظالم وخونخوار نہنگ کیا ہیں؟ اس کائنات کے پیدا کرنے والے کی ہستی، اس کی حقیقی صفات اور مقام سے بے خبری، شرک، اصنام واوہام پرستی میں مبتلا ہونا ہے، انسانیت کی بے شعوری اور خود فراموشی، خدا ناشناسی اور نفس پرستی، اپنے حدود سے تجاوز کر جانا، اخلاق کا بگاڑ، جذبات کی سرکشی، اپنا فرض ادا کرنے سے انکار، اپنا حق وصول کرنے پر اصرار ہے، زندگی کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹ جائے، انسان اپنے مقام ومرتبہ اور اپنے مقصد زندگی سے غافل ہو جائے، وہ اپنے کو ایک بھیڑیا سمجھنے لگے یا سانپ واژدہا، انسان جب ان حقیقتوں کو بھول جاتا ہے، تو زندگی کا یہ دریا، آگ کا دریا بن جاتا ہے، پھر انسان، انسان کو کھانے لگتا ہے،، پھر سانپوں بچھوؤں، بھیڑیوں، اور چیتوں کی ضرورت نہیں رہتی، انسان سب سے بڑا بھیڑیا بن جاتا ہے، جس کے سامنے بھیڑیے کان پکڑیں، وہ ایسا شیطان بن جاتا ہے، جس کے سامنے شیطان ناک رگڑے، اس وقت انسان اپنی لگائی ہوئی آگ میں خود سلگتے اور جلتے ہیں، باہر کی کسی آگ کی ضرورت نہیں۔

یہ وقت ہوتا ہے، جب خدا کی غیرت حرکت میں آتی ہے، اس کی رحمت کا ظہور ہوتا ہے اس وقت باد بہاری کا ایک جھونکا آتا ہے، اور مردہ انسانیت کو تر وتازہ اور انسانیت کے خزاں رسیدہ چمن کو پر بہار بنا جاتا ہے، انسانیت کو اس وقت ایسے ملاحوں کی ضرورت ہوتی ہے، جو اس کی کشتی کو پار لگائیں۔

اس حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لئے میں ایک تمثیل سے کام لوں گا، جو خدا کے پیغمبر کے منصب و مقام اور اس کے کام کی نوعیت و حیثیت کے سمجھنے میں وہ خدمت انجام دے سکتی ہے، جو بہت سی دقیق علمی اور فلسفیانہ دلائل نہیں دے سکتے۔

کہتے ہیں کہ زندہ دل نوجوانوں کی ایک پارٹی ''پکنک'' کے لئے روانہ ہوئی، انہوں نے ایک ملاح سے طے کیا کہ وہ ان کو دریا کی سیر کرائے گا، اور اس تفریح گاہ تک پہنچا دے گا جو دریا کے دوسرے کنارے پر واقع ہے، صبح کا سہانا وقت تھا، طبیعت موج پر تھی، کام کچھ نہ تھا، وہ آپس میں تو باتیں کیا ہی کرتے تھے، اس مرتبہ انہوں نے ملاح کو تفریح کا ذریعہ بنایا، وہ اس سے دل بہلانے لگے، ان میں سے ایک صاحبزادے نے کہا کہ چچا! آپ نے کچھ تعلیم بھی حاصل کی ہے؟ اس ملاح نے سر جھکا کے کہا نہیں، بھیا میں تو کچھ پڑھا لکھا نہیں ہوں، میرے یہاں تو پرکھوں سے یہی ناؤ کھینے کا پیشہ چلا آرہا ہے، ناؤ چلاتا ہوں، چار پیسے کما لیتا ہوں، اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھر لیتا ہوں، دوسرے صاحبزادے بولے، چچا جان! آپ نے گرامر تو پڑھی ہوگی، انگلش لٹریچر کا تو مطالعہ کیا ہوگا؟ ملاح نے کہا میں تو آج پہلی مرتبہ یہ بھاری بھرکم نام سن رہا ہوں تیسرے صاحب بولے کہ آپ نے جامیٹری تو ضرور پڑھی ہوگی، اس کے بغیر تو کشتی چلائی نہیں جا سکتی؟ زاویہ (ANGLE) سے چلائی جائے، کس زاویہ سے نہ چلائی جائے؟ اس نے کہا میں کچھ نہیں سمجھا، اسی طرح انہوں نے اپنے ان سب مضامین کا باری باری سے نام لیا، جو وہ کالج میں پڑھتے تھے، اور آخر میں پوچھا کہ آپ نے الجبرا تو پڑھا ہی ہوگا، وہ بڑا ضروری علم ہے؟ ملاح بیچارے نے شرما کر کہا کہ بھیا، یہ شہر کا نام ہے یا آدمی کا؟ لڑکوں نے ایک قہقہہ لگایا، پھر ملاح سے پوچھا تمہاری عمر کیا ہے؟ ملاح نے کہا یہی کوئی چالیس برس ہوگی، لڑکے کہنے لگے کہ جاؤ تم نے اپنی آدھی عمر کھوئی، ملاح خاموش ہوگیا، اللہ کو اس کی غریبی اور جہالت پر رحم آیا، اب اس کی باری آئی، دریا ابھی تک پر سکون تھا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس

میں طوفان آیا، بڑی بڑی لہریں اٹھنی شروع ہوئیں، ان لہروں نے اس کشتی سے ایسی شوخیاں کرنی شروع کیں، جیسی یہ لڑکے ملاح سے کر رہے تھے، کشتی کبھی اس طرف جھکتی کبھی اس طرف لڑکوں کا یہ حال تھا کہ اوپر کی سانس اوپر نیچے کی سانس نیچے، ملاح تھوڑی دیر تک تو خاموش یہ تماشا دیکھتا رہا، پھر بڑی سنجیدگی کے ساتھ منہ بنا کر کہا، بھیا! تم نے کچھ پیرنا بھی سیکھا ہے؟ ایک تو حقیقت حال نے ان کو سنجیدہ بنا دیا تھا، اور وہ ساری شوخی اور طباعی بھول گئے تھے، موت ان کو سامنے کھڑی نظر آ رہی تھی، انہوں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا کہ چچا جان! پیرنا تو نہیں سیکھا، لڑکوں نے تو یہ کہا تھا کہ جاؤ تم نے آدھی عمر کھوئی، ملاح نے بڑے تبلیغ اور ادبی انداز میں کہا (بعض مرتبہ بے پڑھے لوگوں کی زبان سے ایسے فقرے نکل جاتے ہیں کہ بڑے بڑے شاعر اور ادیب ان پر سر دھنتے ہیں) کہ جاؤ میں نے تو اپنی آدھی عمر کھوئی تھی، تم نے اپنی ساری عمر ڈبوئی، اگر یہ کشتی ڈبودی تو تم جو نام لے رہے تھے (بھاری بھاری لفظ بیچارے ملاح کو کہاں یاد رہ سکتے تھے) وہ تمہارے کیا کام آئیں گے، تم کچھ نہ پڑھتے مگر پیرنا سیکھ لیتے تو کہیں اچھے رہتے، تم سے تو میں دو ٹکے کا ملاح اچھا کہ میں پیرنا جانتا ہوں، اپنی جان بچا لوں گا۔

تاریخ انسانی ہمیں بتلاتی ہے، اور اس کا ریکارڈ موجود ہے کہ جب زندگی کی کشتی انسانوں کی بداعمالی سے الٹی یا ڈوبی تو کوئی چیز نہیں بچی، تہذیبوں نے ہزاروں برس میں جو سرمایہ پیدا کیا تھا، ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دماغ کا نچوڑ، ان کی ذہانت کا جوہر، ادب، شاعری، فلسفہ کا انمول خزانہ وہ سب اس کشتی، اور اس کشتی کے سواروں کے ساتھ ڈوب گیا، زندگی کی یہ کشتی شاعری کے انحطاط، ادب کے زوال، تعلیم گاہوں کی کمی اور اعلیٰ تعلیم کے فقدان دولت و سرمایہ کی کمی یا معیار زندگی کے پست ہو جانے سے نہیں ڈوبی، وہ اس وجہ سے ڈوبی کہ انسان خودکشی پر آمادہ ہو گیا تھا، اس نے جس شاخ پر اپنا نشیمن بنایا تھا، اور جس شاخ پر اس کا سارا کنبہ اور اس کی متاع تھی، اس شاخ پر وہ تیشہ چلانے لگا، تاریخ بتاتی ہے کہ انسانوں کے دماغوں پر ایسے دورے پڑتے رہے ہیں، کہ انسان تعمیر کے بجائے تخریب پر اتر آیا ہے، ہم نے بارہا حیرت کی آنکھوں سے دیکھا ہے، یقین نہیں آتا تھا، لیکن یقین کرنا پڑا کہ انسانوں نے اسی شاخ کو پورے جوش کے ساتھ کاٹنا شروع کر دیا، جس پر ان کا آشیانہ تھا، گویا کہ یہ ایک نہایت عظیم الشان کارنامہ اور کوئی زبردست تعمیری کام ہے، انسان ہلاکت کی خندق میں چھلانگ لگانے پر اصرار کر رہا ہے،

زندگی سے بیزار اور ہلاکت کے لئے بے قرار ہے، گویا زندگی کوئی عذاب اور ہلاکت کوئی عظیم نعمت اور عظیم ترین لذت ہے۔

چھٹی صدی مسیحی میں عالمگیری پیمانہ پر یہی کیفیت نظر آتی ہے، اس وقت پوری نوع انسانی خودکشی پر آمادہ نہیں کمربستہ تھی، جیسے خودکشی کرنے کی اس نے قسم کھالی تھی، ساری دنیا میں خودکشی کی تیاری ہورہی تھی، اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس منظر اور صورت حال کی جو تصویر کھینچی ہے، اس سے بہتر کوئی بڑے سے بڑا مصور، ادیب و مؤرخ تصویر نہیں کھینچ سکتا، وہ فرماتا ہے: "واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته اخوانا و كنتم علىٰ شفا حفرة من النار فانقذكم منها" (اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، تو خدا نے تم کو اس سے بچالیا) ہمارے مؤرخوں اور سیرت نگاروں کا خدا بھلا کرے، ان سے جاہلیت کی تصویر پورے طور پر نہ کھینچ سکی، وہ نہ صرف قابل معافی بلکہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ ادب اور زبان کا ذخیرہ ساتھ نہیں دیتا، واقعہ اور صورت حال اتنی سنگین، اتنی نازک اتنی مہیب اور اتنی پیچیدہ اور دقیق تھی کہ موئے قلم سے اس کی تصویر اور زبان و ادب کی بڑی سے بڑی قدرت و صلاحیت سے اس کی تعبیر ممکن نہیں، مؤرخ اس کا حق کیسے ادا کرسکتا ہے؟ دور جاہلیت جس میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی، کیا وہ ایک یا دو قوموں کے انحطاط یا اخلاقی بگاڑ کا مسئلہ تھا، خالی بت پرستی کا مسئلہ تھا، اخلاقی جرائم و ذمائم کا مسئلہ تھا، شراب نوشی، قمار بازی عیش پرستی، ہوس رانی، حقوق کی پامالی، ظلم و استبداد، معاشی استحصال، جابر اور بیداد حکومتوں، ظالمانہ نظاموں اور غیر منصفانہ قوانین کا مسئلہ تھا؟ کیا مسئلہ یہ تھا کہ کسی ملک میں باپ اپنی نوزائیدہ بچی کو زندہ درگور کررہا تھا؟ مسئلہ یہ تھا کہ انسان انسانیت کو خاک میں ملا رہا تھا، مسئلہ یہ نہیں تھا کہ عرب کے کچھ سنگ دل اور قسی القلب لوگ اپنی اپنی معصوم بچیوں کو جھوٹی شرم، اور خیالی ننگ و عار سے بچنے کے لئے ایک خودساختہ تخیل اور ایک ظالمانہ روایت کی بناء پر اپنے ہاتھوں زمین میں زندہ دفن کردینا چاہتے تھے، مسئلہ یہ تھا کہ مادر گیتی اپنی پوری نسل کو زندہ دفن کرنا چاہتی تھی، وہ دور ختم ہوچکا اب اس کو کیسے لاکر سامنے کھڑا کردیا جائے، وہ دور جن لوگوں نے

دیا جاتا تھا، وہی اس کی حقیقت کو سمجھتے اور جانتے تھے۔

مسئلہ کسی ایک ملک وقوم کا بھی نہیں تھا، نہ کسی ایک مغالطہ اور فریب کا تھا، مسئلہ انسانیت کی قسمت کا تھا، مسئلہ نوع انسانی کے مستقبل کا تھا، اگر کوئی مصور ایسی تصویر پیش کرے، جس میں دکھایا گیا ہو کہ نوع انسانی کی نمائندگی ایک انسان کر رہا ہے، ایک حسین وجمیل پیکر، ایک فربہ وتوانا جسم، جو خدا کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے، جس سے آدم کا نام زندہ اور اس کا سلسلہ قائم ہے، جو مسجود ملائکہ ہے، اور مقصود آفرینش، جس کے سر پر خدا نے خلافت کا تاج رکھا ہے، اور جس کی وجہ سے یہ کرۂ ارضی ایک خرابہ اور ویرانہ نہیں ایک آباد اور گلزار جگہ ہے، اس انسان کے سامنے آگ کا ایک سمندر ہے، ایک نہایت مہیب خندق ہے، جس کی کوئی تھا نہیں، وہ انسان اس میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار کھڑا ہے، اس کے پاؤں اٹھ چکے ہیں، اور وہ مائل بہ پرواز ہے، ایسا نظر آ رہا ہے کہ چند لمحوں میں وہ اس کی اندھیروں میں غائب ہو جائے گا، اگر اس دور کی ایسی تصویر کھینچی جائے تو کسی حد تک اس صورت حال کا اندازہ ہو سکتا ہے، جو بعثت کے وقت پائی جاتی تھی، اور اسی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے کہ: "وکنتم علیٰ شفا حفرة من النار فانقذ کم منها" اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، خدا نے تم کو اس سے بچا لیا۔)

اور اسی بات کو نبوت نے ایک تمثیل میں بیان کیا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ" میری اس دعوت وہدایت کی مثال جس کے ساتھ مجھے دنیا میں بھیجا گیا ہے، ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی، جب اس کی روشنی گرد وپیش میں پھیلی تو وہ پروانے اور کیڑے جو آگ پر گرا کرتے ہیں، ہر طرف سے امنڈ کر اس میں کودنے لگے، اسی طرح سے، تم آگ میں گرنا اور کودنا چاہتے ہو، اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تم کو اس سے بچاتا اور علیحدہ کرتا ہوں۔"

حقیقتاً اصل مسئلہ یہی تھا کہ انسانیت کی کشتی کو سلامتی کے ساتھ پار لگایا جائے، جب انسان اپنے صحیح "موڈ" میں آ جائے گا، جب زندگی میں اعتدال اور توازن پیدا ہو جائے گا، تو ان سب تعمیری، فلاحی، علمی، ادبی اور ترقیاتی کوششوں اور منصوبوں کا دور آئے گا، جن کی صلاحیت مختلف انسانوں اور انسانیت کے بہی خواہوں میں پائی جاتی ہے، حقیقتاً ساری دنیا پیغمبروں کی احسان مند ہے کہ انہوں نے نوع انسانی کو ان خطرات سے بچا لیا جو اس کے سر پر ننگی تلوار کی

طرح ٹک رہے تھے، دنیا کا کوئی علمی، تعمیری، اصلاحی کام، کوئی فلسفہ کوئی دبستان فکر، ان کے احسان سے سبک دوش نہیں، سچ پوچھئے تو موجودہ دنیا اپنی بقا اور ترقی اور زندگی کے استحقاق میں پیغمبروں ہی کی رہین منت ہے، انسانوں نے زبان حال سے کئی مرتبہ یہ اعلان کیا کہ اب ان کی افادیت ختم ہوگئی اور اب وہ دنیا کے لئے اور اپنے لئے کوئی نافعیت، برکت ورحمت اور کوئی پیغام اور دعوت نہیں رکھتے، انہوں نے اپنے خلاف خدا کی عدالت میں خود نالش کی اور گواہی دی، ان کی مسل تیار تھی، اور وہ اپنے کو بڑی سے بڑی سزا بلکہ سزائے موت کا مستحق ثابت کر چکے تھے۔

جب تمدن اپنے حدود سے تجاوز کر جاتا ہے، جب وہ اخلاقیات کو یکسر فراموش کر دیتا ہے، جب انسان اپنی سفلی خواہشات اور نفس کے حیوانی تقاضوں کی تکمیل کے سوا ہر مقصد اور ہر حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے، جب اس کے پہلو میں انسان کے دل کے بجائے بھیڑیے اور چیتے کا دل پیدا ہو جاتا ہے، جب اس کے جسم میں ایک فرضی معدہ اور ایک لامحدود نفس امارہ جنم لیتا ہے، جب دنیا پر جنون کا دورہ پڑتا ہے تو قدرت خداوندی اس کو سزا دینے یا اس کے جنون کے نشہ کو اتارنے کے لئے نئے نئے نشتر اور نئے نئے جراح پیدا کرتی ہے:

کرتی ہے ملوکیت آثار جنوں پیدا
اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

آپ ملوکیت کے لفظ کو تمدن سے بدل دیجئے کہ تمدن کا بگاڑ اور تمدنی جنون، ملوکیت کے جنون سے زیادہ خطرناک اور زیادہ وسیع ہوتا ہے، ایک کمزور سا مریض اگر پاگل ہو جاتا ہے تو محلہ کی نیند حرام کر دیتا ہے، اور سارا محلہ عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے، آپ تصور کیجئے کہ جب نوع انسانی پاگل ہو جائے اور جب تمدن کا قوام بگڑ جائے، جب انسانیت کا مزاج خراب ہو جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

جاہلیت میں تمدن صرف بگڑا ہی نہیں تھا، متعفن ہو گیا تھا، اس میں کیڑے پڑ گئے تھے انسان، نوع انسانی کا شکاری بن گیا تھا، اس کو کسی انسان کی جانکنی، کسی زخمی کی تڑپ اور کسی مصیبت زدہ کی کراہ میں وہ مزا آنے لگا تھا، جو جام وسبو میں، اور دنیا کے لذیذ سے لذیذ کھانے اور خوشنما سے خوشنما منظر میں نہیں آتا تھا، آپ روما کی تاریخ پڑھیں جس کی فتوحات نظم ونسق اور قانون سازی اور تہذیب کے، دنیا میں ڈنکے بجے، یورپین مؤرخ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ:"

اہل روما کے لئے سب سے زیادہ دلچسپ فرحت افزا اور مست کردینے والا نظارہ وہ ہوتا تھا، جب باہم شمشیر زنی یا خونخوار جانوروں کی لڑائی میں ہزیمت خوردہ اور مجروح شمشیر زن (GLADIATOR) جانکنی کی تکلیف میں مبتلا ہوتا، اور موت کے کرب میں آخری ہچکی لیتا اس وقت روما کے خوش باش اور زندہ دل تماشائی اس خوش کن منظر کو دیکھنے کے لئے ایک دوسرے پر گرے پڑتے اور پولیس کو بھی ان کو کنٹرول میں رکھنا ممکن نہ ہوتا۔"

رومی عہد کے سیافی جس میں انسان میں جانوروں سے لڑنے پر مجبور کیا جاتا تھا، انسانی شقاوت وسنگدلی کی بدترین مثال پیش کرتی ہے، لیکن یہ صرف اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کا محبوب مشغلہ تھا، "تاریخ اخلاق یورپ" کے مصنف لیکی ان کھیلوں کی ہر دلعزیزی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"سیافی کی یہ مقبولیت ودل فریبی اس لحاظ سے مطلق حیرت انگیز نہیں کہ دلکشی کے جتنے مناظر اس میں آکر مجتمع ہوگئے تھے اتنے کسی دوسرے ملعبہ میں نہ تھے، لق ودق اکھاڑہ، امراء واعیان، دولت کی زرق برق پوشاکیں، تماشائیوں کا انبوہ کثیر ان کے ذوق شوق کا اثر متعدی، اتنے بڑے مجمع میں ایک متوقع سکون وخاموشی، اسی ہزار زبانوں سے ایک بارگی صدائے تحسین بلند ہوتا، اس کی آواز سے شہر کیا معنی مضافات شہر تک گونج اٹھتا، جنگ کا گھڑی گھڑی رنگ بدلتے رہنا عدیم المثال جرأت وبے جگری کا اظہار، ان میں سے ہر شئی کو متاثر کرنے کے لئے کافی ہے، اور ان کی مجموعی طاقت قدرتی طور پر بہت قوی ہے۔

ان ظالمانہ تفریحات کو روکنے کے لئے احکام جاری کئے گئے۔ لیکن یہ سیلاب اتنا پرزور تھا کہ کوئی بند اسے روک نہیں سکتا تھا۔"

پس جاہلیت کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ پوری زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی، بلکہ ٹوٹ گئی تھی، انسان انسان نہیں رہا تھا، انسانیت کا مقدمہ اپنے آخری مرحلہ میں خدا کی عدالت میں پیش تھا، انسان اپنے خلاف گواہی دے چکا تھا، اس حالت میں خدا نے محمد رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا، اور ارشاد ہوا: "وما ارسلناک الا رحمة للعالمین" (اور "اے محمدؐ" ہم نے تم کو تمام جہان کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔)

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ دور بلکہ قیامت تک کا پورا دور محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت، دعوت

اور مساعی جمیلہ کے حساب میں ہے، آپ ﷺ کا پہلا کام یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس تلوار کو جو نوع انسانی کے سر پر لٹک رہی تھی، اور کوئی گھڑی تھی کہ اس کے سر پر گر کر اس کا کام تمام کر دے، اس تلوار کو ہٹا لیا، اور اس کو وہ تحفے عطا کئے، جنہوں نے اس کو نئی زندگی، نیا حوصلہ، نئی طاقت، نئی عزت اور نئی منزل سفر عطا کی اور ان کی برکت سے انسانیت تہذیب وتمدن، علم وفن، روحانیت و اخلاص اور تعمیر انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوا ہم یہاں پر آپ کے ان چند عطیوں کا ذکر کرتے ہیں، جنہوں نے نوع انسانی کی ہدایت واصلاح اور انسانیت کی تعمیر وترقی میں بنیادی اور قائدانہ کردار ادا کیا، اور جن کی بدولت ایک نئی دنیا وجود میں آئی۔

آپ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے دنیا کو عقیدۂ توحید کی نعمت عطا فرمائی اس سے زیادہ انقلاب انگیز، حیات بخش، عہد آفریں اور معجز نما عقیدہ، دنیا کو نہ پہلے کبھی ملا ہے اور نہ قیامت تک کبھی مل سکتا ہے، یہ انسان جس کو شاعری، فلسفہ، اور سیاست میں بڑے بڑے دعوے ہیں، اور جس نے قوموں، ملکوں کو بارہا غلام بنایا، عناصر اربعہ پر اپنی حکومت چلائی، پتھر میں پھول کھلائے، اور پہاڑوں کا جگر کاٹ کر دریا بہائے اور جس نے کبھی کبھی خدائی کا بھی دعویٰ کیا، یہ اپنے سے کہیں زیادہ مجبور وذلیل، بے حس وحرکت، بے جان ومردہ اور بعض اوقات خود اپنی ساختہ پرداختہ چیزوں کے سامنے جھکتا تھا، ان سے ڈرتا اور ان کی خوشامد کرتا تھا، یہ پہاڑوں، دریاؤں، درختوں، جانوروں، ارواح وشیاطین اور مظاہر قدرت ہی کے سامنے نہیں، بلکہ کیڑوں، مکوڑوں تک کے سامنے سجدہ ریز ہوتا تھا، اور اس کی پوری زندگی انہیں سے خوف و امید اور انہیں خطرات میں بسر ہوتی تھی، جس کا نتیجہ بزدلی، ذہنی انتشار، وہم پرستی اور بے اعتمادی تھا، آپ نے اس کو ایسے خالص بے آمیز، سہل الفہم حیات بخش عقیدۂ توحید کی تعلیم دی جس سے وہ خدا کے سوا جو خالق کائنات ہے، ہر ایک سے آزاد، نڈر اور بے فکر ہو گیا، اس میں ایک نئی قوت، نیا حوصلہ، نئی شجاعت اور نئی وحدت پیدا ہوئی، اس نے صرف خدا کو کارساز حقیقی، حاجت روائے مطلق، اور نافع وضار (نفع پہنچانے والا اور نقصان پہنچانے والا) سمجھنا شروع کیا، اس نئی دریافت اور یافت سے اس کی دنیا بدل گئی، وہ ہر قسم کی غلامی وعبودیت اور ہر طرح کے بے جا خوف ورجا اور ہر طرح کے تشتت وانتشار سے محفوظ ہو گیا، اس کو کثرت میں وحدت نظر آنے لگی، وہ اپنے کو ساری مخلوقات سے افضل، ساری دنیا کا سردار و منتظم اور صرف خدا کا

محکوم اور فرمانبردار سمجھنے لگا، اس کا لازمی نتیجہ انسانی عظمت وشرف کا قیام تھا، جس سے پوری دنیا محروم ہوچکی تھی۔

بعثت محمدی کے بعد ہر طرف سے اس عقیدۂ توحید کی (جس سے زیادہ مظلوم ومجہول کوئی عقیدہ نہ تھا) صدائے بازگشت آنے لگی، دنیا کے سارے فلسفوں اور افکار وخیالات پر اس کا کم و بیش اثر پڑا، وہ بڑے بڑے مذاہب جن کے رگ وریشہ میں شرک اور تعدد آلہہ (متعدد خداؤں اور معبودوں) کا عقیدہ رچ بس گیا تھا، کسی نہ کسی نے میں یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوئے کہ خدا ایک ہے، وہ اپنے مشرکانہ عقیدوں کی تاویل پر مجبور ہوئے، اور ان کی ایسی فلسفیانہ تشریح کرنے لگے، جس سے ان پر شرک و بدعت پرستی کا الزام نہ آئے، اور وہ اسلامی عقیدۂ توحید سے کچھ نہ کچھ ملتا ہوا نظر آئے ان کو شرک کا اقرار کرنے میں شرم اور جھجک محسوس ہونے لگی اور سارے مشرکانہ نظام، فکر و اعتقاد، احساس کمتری (INFERIORITY COMPLEX) میں مبتلا ہوئے، اس محسن اعظم کا احسان اعظم یہ ہے کہ اس نے توحید کی نعمت دنیا کو عطا کی۔

آپ ﷺ کا دوسرا انقلاب آفریں اور عظیم احسان وحدت انسانی کا وہ تصور ہے، جو آپ نے دنیا کو عطا کیا، انسان قوموں اور برادریوں، ذات جاتی اور اعلیٰ ادنیٰ طبقوں میں بٹا ہوا تھا، اور ان کے درمیان انسانوں اور جانوروں، آقاؤں اور غلاموں اور عبد و معبود کا سا فرق تھا، وحدت ومساوات کا کوئی تصور نہ تھا، آپ نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ یہ انقلاب انگیز اور حیرت خیز اعلان فرمایا۔ "**ایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم لآدم وآدم من تراب، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، ولیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقویٰ**" لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پاکباز ہے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کی بنا پر۔"

یہ وہ الفاظ ہیں، جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری حج میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کے عظیم مجمع میں فرمائے تھے، ان میں، دو وحدتوں کا اعلان کیا گیا ہے، اور یہی وہ دو فطری مستحکم اور دائمی بنیادیں ہیں، جن پر نسل انسانی کی حقیقی وحدت کا قصر تعمیر کیا جاسکتا ہے، اور جس کے سایہ کے نیچے انسان کو امن وسکون حاصل ہوسکتا ہے، اور وہ اشتراک عمل اور تعاون کے اصول پر انسانیت

کی تعمیر نو کا کام انجام دے سکتا ہے، یہ دو وحدتیں کیا ہیں؟ ایک نوع انسانی کی خالق وصانع کی وحدت، اور ایک نسل انسانی کے بانی اور مورث کی وحدت، اس طرح ہر انسان دوسرے انسان سے دوہرا رشتہ رکھتا ہے، ایک روحانی اور حقیقی طور پر، وہ یہ کہ سب انسانوں اور جہانوں کا رب ایک ہے، دوسرا جسمانی اور ثانوی طور پر، وہ یہ کہ سب انسان ایک باپ کی اولاد ہیں، دوسرے الفاظ میں توحید ''رب'' اور توحید ''اب'' کی تعلیم دی، جس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے'' ''الرب واحد والاب واحد'' رب (پروردگار) بھی ایک ہے، اور اب (والد بزرگوار) بھی ایک۔

جس وقت یہ اعلان کیا گیا تھا، اس وقت دنیا اس کے سننے کے حال (موڈ) میں نہ تھی، یہ اعلان اس وقت کی دنیا میں ایک زلزلہ سے کم نہ تھا بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں، جو تدریجی طور پر قابل برداشت ہو جاتی ہیں، بجلی کا یہی حال ہے کہ اس کو پردوں میں رکھ کر چھو لیتے ہیں، لیکن بجلی کی عریاں لہر کو اگر کوئی چھو لے تو جسم میں اس کا کرنٹ دوڑ جاتا، اور اس کا کام تمام کر دیتا ہے ، آج علم وفہم اور فکر انسانی کے ارتقاء کی ان منزلوں نے جو اسلام کی دعوت، اسلامی معاشرہ کے قیام، مصلحین اور داعیان اسلام کی کوششوں سے طے ہوئیں، اس انقلاب انگیز اور زلزلہ فگن اعلان کو روزمرہ کی حقیقت بنا دیا ہے، اقوام متحدہ کے اسٹیج سے لے کر جس نے حقوق انسانی کا منشور (HUMAN RIGHTS CHARTER) شائع کیا، ہر جمہوریہ اور ہر ادارہ کی طرف سے انسانی حقوق اور مساوات انسانی کا اعلان کیا جا رہا ہے، اور کوئی اس کو سن کر متعجب نہیں ہوتا، لیکن ایک زمانہ تھا، جب مختلف قوموں اور خاندانوں کے مافوق البشر ہونے کا عقیدہ قائم تھا، اور بہت سی نسلوں اور خاندانوں کا نسب نامہ خدا سے اور سورج چاند سے ملایا جا رہا تھا، قرآن شریف نے یہودیوں اور عیسائیوں کا قول نقل کیا ہے کہ ہم خدا کی لاڈلی اور چہیتی اولاد کی طرح ہیں '' وقالت الیھود والنصاری نحن ابناء اللہ واحبانہ '' فراعنہ مصر اپنے کو سورج دیوتا کا اوتار کہتے تھے، ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان موجود تھے، شاہان ایران کو جن کا لقب کسریٰ (خسرو) ہوا کرتا تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہل ایران انہیں اسی نظر سے دیکھتے تھے، ان کا اعتقاد تھا کہ ان پیدائشی بادشاہوں کے خمیر میں کوئی مقدس آسمانی چیز شامل ہے، کیانی سلسلہ کے آخری ایرانی شہنشاہ یزدگرد کا نام بتاتا ہے کہ وہ اور

ایرانی ان کو خدا کا کس درجہ مقرب اور ہم نشین سمجھتے تھے۔

چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان نر اور زمین مادہ ہے، ان دونوں کے اتصال سے کائنات کی تخلیق عمل میں آئی ہے اور شہنشاہ ختا اول اس جوڑے کا پہلوٹھا بیٹا ہے، عرب اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا اور بے زبان (عجم) کہتے تھے، ان کا سب سے ممتاز قبیلہ قریش، عام عربوں سے بھی اپنے کو بالا و برتر سمجھتا تھا اور اپنی احساس برتری میں حج کے ایسے عمومی اجتماع میں بھی اپنی انفرادیت قائم رکھتا تھا۔

قرآن نے اس فضا اور اس ماحول میں اعلان کیا: "یآایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی وجعلنا کم شعوباً وقبائل لتعارفوا ط ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) خدا کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

اور قرآن کی ایک ایسی سورہ میں جو قرآن کا دیباچہ (فاتحہ) اور سب سے زیادہ پڑھی جانے والی سورہ ہے، کہا گیا ہے۔ "الحمد للہ رب العالمین" سب تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

آپ کی رحمۃ للعالمین کا تیسرا مظہر، اور نوع انسانی پر تیسرا احسان عظیم احترام انسانیت اور انسان کی قدر و قیمت کا وہ اسلامی تصور ہے جو آپ کا عطیہ اور اسلام کا تحفہ ہے، اسلام کا ظہور جس زمانہ میں ہوا اس زمانہ میں انسان سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں تھا، انسانی وجود بالکل بے قیمت اور بے حقیقت ہو کر رہ گیا تھا، بعض اوقات پالتو جانور، بعض "مقدس" حیوانات، بعض درخت جن کے ساتھ بعض عقائد و روایات وابستہ ہو گئی تھیں، انسان سے کہیں زیادہ قیمتی لائق احترام اور قابل حفاظت تھے ان کے لئے بے تکلف انسانوں کی جانیں لی جاسکتی تھیں، اور انسانوں کے خون اور گوشت کے چڑھاوے چڑھائے جاسکتے تھے، آج بھی بعض بڑے بڑے ترقی یافتہ ممالک میں اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں، محمد رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کے دل و دماغ پر یہ نقش بٹھا دیا کہ انسان اس کائنات کا سب سے زیادہ قیمتی، قابل احترام، لائق محبت اور مستحق حفاظت وجود ہے، آپ نے انسان کا پایہ اتنا بلند کیا کہ اس سے اوپر صرف خالق کائنات کی ہستی رہ جاتی ہے، قرآن نے اعلان کیا کہ خلیفۃ اللہ (خدا کا نائب) ہے، ساری دنیا

اور یہ سارا کارخانہ عالم، اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔" **هو الذی خلق لكم مافی الارض جميعاً**" وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو اس زمین پر ہے۔

وہ اشرف المخلوقات ہے اور اس بزم عالم کا صدر نشین ہے۔" **ولقد كرمنا بنی آدم وحملنا هم فی البرّ والبحر ورزقنا هم من الطيبات وفضلنا هم علیٰ كثير ممن خلقنا تفضيلا**" اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

اس سے زیادہ اس کی عزت افزائی اور اس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہو سکتا ہے کہ صاف کہہ دیا گیا کہ انسان خدا کا کنبہ ہیں، اور خدا کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس کو آرام پہنچائے۔"**الخلق عيال الله فاحب الخلق الی الله من احسن الیٰ عياله**"۔

انسانیت کی بلندی اور خدا سے اس کے قرب واختصاص کا اظہار اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے، جو ایک حدیث قدسی میں کیا گیا ہے، فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا،"اے فرزند آدم میں بیمار ہوا تو مجھے دیکھنے نہیں آیا بندہ کہے گا، پروردگار میں تیری عیادت کیا کر سکتا ہوں، تو تو رب العالمین ہے، ارشاد ہوگا، کیا تجھے معلوم نہیں ہوا، میرا فلاں بندہ بیمار پڑ گیا تھا، تو اس کی عیادت کو نہیں گیا، تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، پھر ارشاد ہوگا، اے فرزند آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، بندہ عرض کرے گا، پروردگار! میں تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا ہوں، تو رب العالمین ہے، ارشاد ہوگا کیا تجھے اس کا علم نہیں ہوا کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے اسے نہیں کھلایا، کیا تجھے اس کی خبر نہ تھی کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو تو اس کو میرے پاس پاتا، اے فرزند آدم، میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، بندہ عرض کرے گا، اے رب! میں تجھے کیسے پانی پلا سکتا ہوں، تو تو رب العالمین ہے، ارشاد ہوگا، تجھ سے میرے فلاں بندہ نے پانی طلب کیا تھا، تو نے اسے پانی نہیں دیا، تجھے اس کا پتہ نہیں چلا کہ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔" ایک سراپا توحید مذہب میں، کیا انسانیت کی بلندی، اور انسان کی رفعت ومحبوبیت کا اس سے بڑھ کر اعتراف واعلان پایا جا سکتا ہے، اور کیا دنیا کے کسی مذہب وفلسفہ میں انسان کو یہ مقام

دیا گیا ہے؟ آپ نے خدا کی رحمت وشفقت کے لئے انسانوں پر رحم وشفقت کو شرط اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ بتایا اور فرمایا" **الراحمون یرحمهم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء**" رحم کرنے والوں پر رحمٰن کی رحمت ہوتی ہے، اگر تم اہل زمین پر رحم کھاؤ گے تو وہ جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحمت نازل کرے گا۔

آپ غور کیجئے کہ وحدت انسانی کا نقش دلوں پر بٹھانے اور احترام انسانیت کا یقین دلوں میں پیدا کرنے کے لئے جب یہ سعی بلیغ نہیں کی گئی تھی، اس وقت انسان کا کیا حال رہا ہوگا ایک انسان کی ادنیٰ خواہش کی قیمت ہزاروں انسانوں سے زیادہ تھی، بادشاہ اٹھتے تھے، اور ملکوں کے ملکوں کا صفایا کر دیتے تھے، سکندر اٹھا اور جیسے کوئی کبڈی کھیلتا ہے، ہندوستان تک چلا آیا، اور قوموں اور تہذیبوں کے چراغ گل کر دیئے، سیزر اٹھا اور انسانوں کا اس طرح شکار کھیلنا شروع کیا جیسے جنگلی جانوروں کا شکار کھیلا جاتا ہے، آج ہمارے زمانہ میں بھی دو دو عالمگیر جنگیں ہو گئیں، جنھوں نے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور صرف قومی تکبر، سیاسی انانیت، اقتدار کی ہوس، یا تجارتی منڈیوں پر قبضہ کرنے کے جذبہ کا نتیجہ تھا، اقبال نے سچ کہا:

ابھی تک آدمی صید زبون شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انسان نوع انساں کا شکار ہے

چوتھا انقلابی کارنامہ یہ ہے کہ بعثت محمدی کے وقت نوع انسانی کے اکثر افراد پر فطرت انسانی سے بدگمانی اور خدا کی رحمت سے مایوسی کی ایک عام فضا چھائی ہوئی تھی، اس ذہنی کیفیت کے پیدا کرنے میں ایشیا کے بعض قدیم مذاہب اور مشرق وسطیٰ اور یورپ کی تبدیل شدہ عیسائیت نے یکساں کردار ادا کیا تھا، ہندوستان کے قدیم مذاہب نے تناسخ "آواگون" کے فلسفہ کے ذریعہ جس میں انسان کے ارادہ اختیار کو مطلق دخل نہیں ہے، اور جس کی رو سے ہر انسان کو اپنے پہلے جنم کے اعمال اور غلطیوں کی سزا بھگتنی ضروری ہے، اور عیسائیت نے انسان کے پیدائشی گنہگار ہونے اور اس کے لئے حضرت مسیح کے کفارہ بننے کی ضرورت کے عقیدہ کے نتیجہ میں اس وقت کے متمدن دنیا کے لاکھوں کروڑوں افراد کو جو ان مذاہب کے پیرو تھے، اپنی ذات سے بدگمانی اور اپنے مستقبل اور خدا کی رحمت سے مایوسی میں مبتلا کر دیا تھا۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے پوری طاقت وصفائی سے اعلان کیا کہ انسان کی فطرت ایک سادہ

تختی کے مانند ہے جس پر پہلے سے کوئی تحریر لکھی نہیں ہے، اس پر بہتر سے بہتر تحریر لکھی جا سکتی ہے انسان اپنی زندگی کا خود آغاز کرتا ہے، اور اپنے اچھے یا برے عمل سے اپنی دنیا و عاقبت بناتا یا بگاڑتا ہے، وہ کسی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار یا جواب دہ نہیں ہے، قرآن مجید نے بار بار اعلان کیا کہ آخرت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا، اور یہ اس کے حصہ میں اسی کی کوشش اور اس کے نتائج آنے والے ہیں، انسان کی کوشش کا نتیجہ ضروری ظاہر ہوگا، اور اس کو اس کا بھرپور بدلہ ملے گا۔" لا تزر وازرۃ وزر اخری وان لیس للانسان الا ماسعی وان سعیہ سوف یری ثم یجزاہ الجزاء الاوفی" یہ کہ کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی، پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اس اعلان سے انسان کا اپنی فطرت، اور اپنی فطری صلاحیتوں پر وہ اعتماد بحال ہوگیا جو بالکل متزلزل ہوگیا تھا، وہ نئے عزم و یقین اور نئے جوش و ولولہ کے ساتھ اپنی اور انسانیت کی تقدیر چمکانے اور اپنی قسمت اور قوت آزمانے کے لئے سرگرم سفر ہوگیا۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے گناہوں، لغزشوں اور غلطیوں کو ایک عارضی حالت قرار دیا جس میں انسان کبھی کبھی اپنی نادانی، کوتاہ نظری اور نفس و شیطان کی ترغیب سے مبتلا ہوجاتا ہے، صلاحیت، خیر پسندی اور اعتراف قصور و ندامت، اس کی فطرت کا اصل تقاضہ، اور انسانیت کا جوہر ہے، اپنی غلطی کا اعتراف کرنا، اس پر نادم ہونا، خدا کے سامنے رو دھو کر اپنے قصور کو معاف کرالینا، اور آئندہ ایسی غلطی کے نہ کرنے کا عزم کرنا انسان کی شرافت اور آدم کی میراث ہے، آپ نے دنیا کے مایوس و دل شکستہ اور گناہوں کے دلدل میں گلے گلے ڈوبے ہوئے انسانوں پر توبہ کا ایسا دروازہ کھولا اور اس کی اس زور و شور سے تبلیغ فرمائی کہ آپؐ کو اس شعبہ کا دوبارہ زندہ کرنے والا کہنا صحیح ہوگا، اسی بنا پر آپ کے ناموں میں ایک نام "نبی التوبہ" (توبہ کا پیغمبر اور پیغامبر) بھی ہے، آپ نے توبہ کو ایک مجبوری کی بات اور تلافی مافات کے طور پر پیش نہیں کیا، بلکہ آپؐ نے اس کے ایسے فضائل بیان کئے اور اس کا مرتبہ اتنا بلند کیا کہ وہ اعلیٰ درجہ کی عبادت اور خدا کے قرب اور اس کی محبوبیت کا ایسا ذریعہ بن گیا کہ اس پر بڑے بڑے معصوم صفت اور ناکردہ گناہ عابدوں اور زاہدوں کو رشک آنے لگا۔

قرآن مجید نے اس طرح رحمت کی وسعت پر گنہگار کے توبہ کر سکنے اور بڑے سے بڑے گناہ سے پاک وصاف ہو جانے کے امکان کو اس دلکش اور دلنواز انداز میں بیان کیا اور گنہگار بندوں اور نفس وشیطان کے زخم خوردہ انسانوں کو اس طرح خدا کے دامن رحمت میں پناہ لینے کی منادی کی، اور اس کے دریائے رحمت کے جوش وتلاطم کو اس انداز میں بیان کیا کہ یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ مطلوب سے زیادہ طالب اور گنہگار بندوں کے حق میں نہ صرف حلیم ورحیم اور فیاض وکریم ہے، بلکہ (اگر یہ کہنا صحیح ہو) ان کا منتظر ومشتاق اور ان کا سچا قدرداں ہے، قرآن مجید کے ان الفاظ کو پڑھئے، اور اس لطف وشفقت کا اندازہ کیجئے جو اس کے لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے۔ "قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً ط انہ ھو الغفور الرحیم۔" کہہ دیجئے! اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے حق میں زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کر دیتا ہے، بے شک وہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

ایک دوسری آیت میں گنہگار اور خطا کار انسانوں کے تذکرے اور سیاق وسباق میں نہیں، بلکہ بلند ہمت، نیکو سیرت اور جنتی انسانوں کے سلسلہ اور سیاق وسباق میں گناہوں سے توبہ کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ "وسارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السموات والارض اعدت للمتقین الذین ینفقون فی السراء والضراء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علی ما فعلوا وھم یعلمون اولئک جزآءھم مغفرۃ من ربھم وجنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ونعم اجر العاملین (۱)" اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے اور جو (خدا سے) ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے، جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال خدا کی راہ) خرچ کرتے ہیں، اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں، اور خدا نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں، اور خدا کے سوا گناہ بخش بھی

کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے، ایسے لوگوں کا صلہ پروردگار کی طرف سے بخشش اور باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ بستے رہیں گے اور (اچھے) کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر باعمل اور نیک سیرت بندوں کے مختلف طبقوں کا ذکر کرتے ہوئے، اس نورانی فہرست کا افتتاح عابدوں زاہدوں کے بجائے ''تائبوں'' سے فرمایا گیا، قرآن مجید کی اس سورہ کی جس کا نام ہی سورہ توبہ ہے، آیت ہے۔ ''التآئبون العابدون الحامدون السآئحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناهون عن المنكر والحافظون لحدود الله وبشر المؤمنين'' توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے حمد کرنے والے، بے تعلق رہنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے، نیک کاموں کا امر کرنے والے اور بری باتوں سے منع کرنے والے خدا کی حدوں کی حفاظت کرنے والے (یہی مومن لوگ ہیں) اور (اے پیغمبرؐ) مومنوں کو (بہشت کی) خوشخبری سنا دو۔

اس اعزاز اور اظہار اعتماد کی ایک روشن مثال یہ ہے کہ جب قرآن مجید کی زبان سے ان تین صحابیوں کی توبہ کی قبولیت کا اعلان کیا گیا جو غزوہ تبوک کے نازک اور اہم موقع پر (جس میں شرکت نہایت ضروری تھی) بغیر کسی معقول عذر کے مدینہ میں رہ کر شدید کوتاہی کے مرتکب ہوئے تھے، تو اس کا ذکر کرنے سے پہلے خود پیغمبرؐ اور ان مہاجرین وانصار کا ذکر کیا گیا جن سے اس موقع پر کسی کوتاہی کا صدور نہیں ہوا تھا، تا کہ ان تین پیچھے رہ جانے والوں کو اپنی تنہائی اور پسماندگی کا احساس نہ ہو، اور وہ احساس کہتری، اور انگشت نمائی کے ہر داغ سے بری ہو جائیں، اور ان پر اور قیامت تک قرآن مجید کے پڑھنے والوں پر یہ بات واضح ہو جائے کہ ان کی اصل جگہ اور اصل گروہ یہی صادقین اولین اور مہاجرین اور انصار کے صف اول کے لوگ ہیں، توبہ کی قبولیت، تائب کی مقبولیت، اور نفسیاتی طور پر دلنوازی اور چارہ سازی کی اس سے زیادہ لطیف اور دقیق مثال ادیان و مذاہب اور علم الاخلاق اور علم النفس کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، اسی سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا ہے۔ ''لقد تاب الله على النبى والمهاجرين والانصار الذين اتبعوه فى ساعة العسرة من بعد ما كاد يزيغ قلوب فريق منهم ثم تاب عليهم انه بهم رؤوف رحيم وعلى الثلاثة الذين خلفوا، حتى اذا ضاقت عليهم الارض بما

رحبت وضاقت علیهم انفسهم وظنوآ ان لا ملجأ من الله الآ الیه ثم تاب علیهم لیتوبوا ان الله هو التواب الرحیم" بے شک خدا نے پیغمبر پر مہربانی کی اور مہاجرین و انصار پر، جو باوجود اس کے کہ ان میں سے بعضوں کے دل پھر جانے کو تھے مشکل کی گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ رہے، پھر خدا نے ان پر مہربانی فرمائی، بے شک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا (اور) مہربان ہے اور ان تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین باجود فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی، اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہوگئیں اور انہوں نے جان لیا کہ خدا (کے ہاتھ) سے خود اس کی سوا کوئی پناہ نہیں ہے پھر خدا نے ان پر مہربانی کی تاکہ توبہ کریں، بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اس کے علاوہ ایک اصول کے طور پر اس کا اعلان کیا کہ رحمت الٰہی ہر چیز پر حاوی اور غضب وجلال پر غالب ہے، قرآن مجید میں: "ورحمتی وسعت کل شئی" میری رحمت ہر چیز پر حاوی اور محیط ہے اور حدیث قدسی میں ہے: "ان رحمتی سبقت غضبی" میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ پھر اس نے مایوسی کو بھی کفر کا، اور جہالت وگمراہی کا مرادف قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ایک پیغمبر برحق (حضرت یعقوبؑ) کی زبان سے کہلوایا گیا ہے۔" انه لاییئس من روح الله الا القوم الکافرون" اللہ کی رحمت سے وہی لوگ مایوس ہوسکتے ہیں جو خدا کے منکر اور اس کی ذات وصفات سے ناآشنا ہیں۔ دوسری جگہ ایک دوسرے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کا قول نقل کیا گیا ہے۔" ومن یقنط من رحمة ربه الا الضآلون" اپنے رب کی رحمت سے گمراہوں کے سوا کون مایوس ہوسکتا ہے۔

اس طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے توبہ کی فضیلت وترغیب اور خدا کی رحمت کی وسعت وشمولیت کا اعلان وتبلیغ کرکے یاس وقنوط کی ماری ہوئی، اور غضب وجلال کے اعلانات وتفصیلات سے (جن میں یہودی علماء اور شارحین کتب مقدسہ اور قرون وسطیٰ کے غالی فطرت دشمن، عیسائی زاہدوں، اور پادریوں نے اہم کردار ادا کیا تھا) ڈری اور سہمی ہوئی انسانیت کو نئی زندگی کا پیغام دیا، اس کے تن مردہ اور دل افسردہ میں نئی روح پھونکی، اس کے زخموں پر مرہم رکھا، اور اس کو خاک مذلت سے اٹھا کر عزت وشرف، خوداعتمادی، اور خدااعتمادی کے بام عروج پر پہنچا دیا۔

نبوت محمدی کا پانچواں عظیم اور نا قابل فراموش احسان، اور ایک گراں قدر تحفہ، دین و دنیا کی وحدت کا تصور اور یہ انقلاب انگیز تلقین ہے کہ یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں محض اصطلاح کا اختلاف ہے، اور قدیم درسی زبان میں ''نزاع لفظی'' ہے، انسان کے اعمال و اخلاق اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج کا اصل انحصار، انسان کی ذہنی کیفیت، عمل کے محرکات اور اس کے مقصد پر ہے، جس کو اسلام کے دین و شریعت کی زبان میں ''نیت'' کے ایک مفرد و سادہ، لیکن نہایت بلیغ و عمیق لفظ میں ادا کیا گیا ہے، اس کے نزدیک نہ کوئی چیز ''دنیا'' ہے اور نہ کوئی چیز ''دین'' اس کے نزدیک خدا کے رضا کی طلب 'اخلاص' اور اس کے حکم کی تعمیل کے جذبہ و ارادہ سے بڑے سے بڑا دنیاوی عمل، یہاں تک کہ حکومت، جنگ، دنیاوی نعمتوں سے تمتع، نفس کے تقاضوں کی تکمیل، حصول معاش کی جدوجہد، جائز تفریح طبع کا سامان، ازدواجی و عائلی زندگی، سب اعلیٰ درجہ کی عبادت، تقرب الی اللہ کا ذریعہ، اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب ولایت تک پہنچنے کا وسیلہ، اور خالص دین بن جاتی ہے، اس کے برخلاف بڑی سے بڑی عبادت، اور دینی کام جو رضا الٰہی کے مقصد اور اطاعت کے جذبہ سے خالی ہو (حتیٰ کہ فرض عبادتیں، ہجرت و جہاد، قربانی و سرفروشی اور ذکر و تسبیح) خالص دنیا اور ایسا عمل شمار ہوگا جس پر کوئی ثواب اور اجر نہیں ہے۔

قدیم مذاہب نے زندگی کو دو خانوں میں (دین و دنیا) میں تقسیم اور دنیا کو دو کیمپوں، اہل دین اور اہل دنیا میں بانٹ دیا تھا، جو نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے جدا تھے، اور ان کے درمیان ایک موٹی سرحدی لکیر اور ایک وسیع خلیج حائل تھی، بلکہ یہ دونوں خانے ایک دوسرے سے متصادم اور یہ دونوں کیمپ باہم متحارب تھے، ان کے نزدیک دین و دنیا میں کھلا تضاد اور شدید رقابت تھی، جس کو ان میں سے کسی ایک سے رسم و راہ پیدا کرنی ہو، اس کو دوسرے سے قطع تعلق اور اعلان جنگ کرنا ضروری تھا، کوئی انسان ایک وقت میں ان دونوں کشتیوں پر سوار نہیں ہوسکتا تھا، معاشی جدوجہد، غفلت و خدا فراموشی کے بغیر، حکومت و سلطنت دینی و اخلاقی تعلیمات کو نظر انداز کئے اور خوف خدا سے خالی ہوئے بغیر، اور دیندار بننا، تارک الدنیا ہوئے بغیر متصور ہی نہیں تھا، ظاہر ہے کہ انسان عام طور پر سہولت پسند اور لذت پرست واقع ہوا ہے، دین کا ایسا تصور جس میں دنیا کی کسی جائز تمتع، ترقی اور سربلندی، طاقت و حکومت کے حصول کی گنجائش نہ ہو، انسانوں کی اکثریت کے لئے قابل قبول اور قابل برداشت نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا

کے متمدن، ذہین، صاحب صلاحیت، اور با عمل انسانوں کی بڑی تعداد نے اپنے لئے ''دین'' کے بجائے ''دنیا'' کا انتخاب کیا، اور اس نے اس پر اپنے کو مطمئن و راضی کرلیا، وہ ہر قسم کی دینی ترقی سے مایوس ہو کر دنیا کے حصول اور اس کی ترقی میں مشغول ہوگئی، دین و دنیا کے اس تضاد کو ایک مذہبی اور مسلم حقیقت سمجھ کر انسانوں کے مختلف طبقوں اور انسانی اداروں نے عام طور پر مذہب کو خیر باد کہا، سیاست و ریاست نے مذہب کے نمائندہ کلیسا سے بغاوت کی اور اپنے کو اس کی ہر پابندی سے آزاد کرایا، انسان ''پیل بے زنجیر'' اور معاشرہ ''شتر بے مہار'' ہو کر رہ گیا، دین و دنیا کی اس دوئی اور اہل دین اور اہل دنیا کی اس رقابت نے نہ صرف یہ کہ مذہب و اخلاق کے اثر کو محدود و کمزور اور انسانی زندگی اور انسانی معاشرہ کو اس کی برکت و رحمت سے محروم کر دیا، بلکہ اس الحاد و لادینیت کا دروازہ کھولا جس کا سب سے پہلے یورپ شکار ہوا، پھر دنیا کی دوسری قومیں یورپ کے فکری، علمی، یا سیاسی اقتدار کے زیر اثر آئیں، اس سے کم و بیش متاثر ہوئیں، موجودہ دنیا کی صورت حال جس میں مذہب و اخلاق کا زوال، اور نفس پرستی (اپنے وسیع معنی میں) اپنے آخری نقطہ پر پہنچ گئی، اسی دین و دنیا کی تفریق کا نتیجہ ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ عظیم ترین معجزہ اور انسانیت کے لئے عظیم ترین تحفہ اور آپ کی رحمۃ للعالمین کا مظہر ہے کہ آپ کامل طور پر رسول وحدت ہیں، اور یہ بیک وقت ''بشیر'' ونذیر'' ہیں، آپؐ نے دین و دنیا کے تضاد کے نظریہ کو ختم کر کے پوری زندگی کو عبادت میں اور پورے روئے زمین کو ایک وسیع عبادت گاہ میں تبدیل کر دیا، دنیا کے انسانوں کو متحارب کیمپوں سے نکال کر حسن عمل، خدمت خلق اور حصول رضاء الٰہی کے ایک ہی محاذ پر کھڑا کر دیا، یہاں لباس دنیا میں درویش، قباء شاہی میں فقیر و زاہد، سیف و تسبیح کے جامع، رات کے عبادت گذار اور دن کے شہ سوار نظر آئیں گے، اور ان کو اس میں کسی قسم کا تضاد محسوس نہیں ہوگا۔

چھٹا انقلاب یہ ہے کہ بعثت محمدی سے پہلے انسان اپنی منزل مقصود سے بے خبر تھا، اس کو یاد نہیں رہا تھا کہ اس کو کہاں جانا ہے؟ اس کی صلاحیتوں کا اصل میدان اور اس کی کوششوں کا اصل نشانہ کیا ہے؟ انسان نے کچھ موہوم منزلیں اور اپنی کوششوں کے لئے کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے بنا لئے تھے، ان میں انسانوں کی ذہانت اور قوت عمل صرف ہو رہی تھی، کامیاب اور بڑا انسان بننے کا مطلب صرف یہ تھا کہ میں دولت مند بن جاؤں، طاقتور اور حاکم بننے کا مطلب

صرف یہ تھا کہ میں دولت مند بن جاؤں، طاقتور اور حاکم بن جاؤں، وسیع سے وسیع رقبۂ زمین اور کثیر سے کثیر انسانی نفوس پر میری حکمرانی اور فرماں روائی قائم ہو جائے، لاکھوں آدمی ایسے تھے، جن کا پرواز تخیل نقش و نگار، رنگ و آہنگ، لذت و ذائقہ اور بلبل و طاؤس، یا چوپایہ و حیوان کی تقلید سے بلند نہیں ہوتا تھا، ہزاروں انسان ایسے تھے، جن کی ساری ذہانت اپنے زمانہ کے دولت مندوں اور طاقت وروں اور سرکار دربار کی خدمت و خوشامد یا بے مقصد ادب و شاعری سے دل خوش کرنے میں صرف ہو رہی تھی، محمد رسول اللہ ﷺ نے نسل انسانی کے سامنے اس کی حقیقی منزل لاکر کھڑی کردی، آپ نے یہ بات دل پر نقش کردی کہ خالق کائنات کی صحیح معرفت، اس کی ذات و صفات اور اس کی قدرت و حکمت کا صحیح علم، ملکوت السماوات والارض کی وسعت و عظمت اور لامحدودیت کی دریافت، ایمان و یقین کا حصول، خدا کی محبت و محبوبیت، اس کو راضی کرنا اور اس سے راضی ہو جانا، اس کثرت میں وحدت کی تلاش اور یافت، انسان کی حقیقی سعادت اور کمال آدمیت ہے، اپنی باطنی قوتوں کو ترقی دینا، ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال ہونا، انسانوں کی خدمت اور ایثار و قربانی کے ذریعہ خدا کی خوشنودی کا حاصل کرنا، اور کمال و ترقی کے ان اعلیٰ مدارج تک پہنچ جانا، جہاں فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے، انسان کی کوششوں کا حقیقی میدان ہے۔

آپ کی بعثت کے بعد دنیا کی رت بدل گئی، انسانوں کے مزاج بدل گئے، دلوں میں خدا کی محبت کا شعلہ بھڑکا، خدا طلبی کا ذوق عام ہوا، انسانوں کو ایک نئی دھن (خدا کو راضی کرنے اور خدا کی مخلوق کو خدا سے ملانے اور اس کو نفع پہنچانے کی) لگ گئی، جس طرح بہار یا برسات کے موسم میں زمین میں روئیدگی، سوکھی ٹہنیوں اور پتیوں میں شادابی اور ہریالی پیدا ہو جاتی ہے، نئی نئی کونپلیں نکلنے لگتی ہیں، اور درودیوار پر سبزہ اگنے لگتا ہے، اسی طرح بعثت محمدی بعض قلوب میں نئی حرارت، دماغوں میں نیا جذبہ اور سروں میں نیا سودا سما گیا، کروڑوں انسان اپنی حقیقی منزل مقصود کی تلاش اور اس پر پہنچنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے، ہر ملک اور قوم میں طبیعتوں میں یہی نشہ اور ہر طبقہ میں اس میدان میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کا یہی جذبہ موجزن نظر آتا ہے، عرب و عجم، مصر و شام ترکستان اور ایران، عراق و خراسان، شمالی افریقہ اور اسپین اور بالآخر ہمارا ملک ہندوستان اور جزائر شرق الہند سب اسی صہبائے محبت کے متوالے

اور اسی مقصد کے دیوانے نظر آتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے انسانیت صدیوں کی نیند سوتے سوتے بیدار ہوئی، آپ تاریخ وتذکرے کی کتابیں پڑھیئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ خدا طلبی، اور خدا شناسی کے سوا کوئی کام ہی نہ تھا، شہر، شہر، قصبہ قصبہ، گاؤں، گاؤں بڑی تعداد میں ایسے خدامست، عالی ہمت، عارف کامل، داعی حق اور خادم خلق، انسان ودوست، ایثار پیشہ انسان نظر آتے ہیں، جن پر فرشتے بھی رشک کریں، انہوں نے دلوں کی سرد انگیٹھیاں گرما دیں، عشق الٰہی کا شعلہ بھڑکا دیا، علوم وفنون کے دریا بہا دیئے، علم ومعرفت کی محبت کی جوت جگا دی اور جہالت ووحشت، ظلم وعداوت سے نفرت پیدا کردی، مساوات کا سبق پڑھایا، دکھوں کے مارے اور سماج کے ستائے ہوئے، انسانوں کو گلے لگایا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بارش کے قطروں کی طرح ہر چپہ زمین پر ان کا نزول ہوا ہے، اور ان کا شمار ناممکن ہے۔

آپ ان کی کثرت (کمیت) کے علاوہ ان کی کیفیت کو دیکھئے، ان کی ذہنی پرواز، ان کی روح کی لطافت اور ان کے ذوق سلیم کے واقعات پڑھئے، انسانوں کے لئے کس طرح ان کا دل روتا، اور ان کے غم میں گھلتا، کس طرح ان کی روح سلگتی تھی، انسانوں کو مصیبت سے نجات دینے کے لئے وہ کس طرح اپنے کو خطرہ میں ڈالتے اور اپنی اولاد اور متعلقین کو آزمائش میں مبتلا کرتے تھے ان کے حاکموں کو اپنی ذمہ داری کا کس قدر احساس اور محکوموں میں اطاعت و تعاون کا کس قدر جذبہ تھا، ان کے ذوق عبادت، ان کی قوت دعا، ان کے زہد وفقر، جذبۂ خدمت، اور مکارم اور ایک نئی حکومت دنیا میں پیدا کردی۔

چند راتیں آپ کی آنکھیں بے خواب رہیں، لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے صحرا نشین اور شتر سوار پیرو تخت خسروی پر آرام کرنے کے قابل ہو گئے۔

جنگ کے وقت آپ کی تلوار میں وہ حرارت ہوتی تھی کہ لوہا اس سے پگھلتا تھا، اور نماز میں آپ کے قلب مبارک میں وہ رقت اور محبت ہوتی تھی کہ آنکھیں اشکبار ہوتیں۔

فتح ونصرت کی دعا میں آپ کا آمین کہنا تلوار کا کام کرتا تھا، اور جنگ میں آپ کی تلوار سلاطین (پیدائشی بادشاہوں) کی نسل کا خاتمہ کرنے والی تھی۔

دنیا میں آپ نے آئین نو کا آغاز کیا اور گذشتہ قوموں کی مسندیں الٹ دیں۔

دین ومذہب کی کنجی سے آپ نے دنیا کا دروازہ کھولا، مادر گیتی نے آپ جیسا فرزند

پیدا نہیں کیا۔

آپ کی نگاہ میں اعلیٰ وادنیٰ سب ایک تھے، آپ اپنے غلام کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھاتے تھے۔

آپ نے نسل ونسب کے امتیازات کو یکسر ختم کر دیا، آپ کی پیدا کی ہوئی حرارت ایمانی نے اس خس وخاشاک کو جلا کر رکھ دیا۔

حالی نے اسی مضمون کو اپنے اس سادہ سے شعر میں ادا کیا ہے:

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

صدق اللہ العظیم "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت نبوی ﷺ
اور عصر حاضر میں اس کی معنویت وافادیت

یہ تقریر ۲۱؍جون ۱۹۸۰ء کو بعد نماز عصر بمبئی کی ایک قدیم وکارگزار انجمن "انجمن اسلام" کے ایک وسیع وعریض ہال میں عالم دوست احباب کے ایک عظیم مجمع کے سامنے عصر حاضر میں سیرت نبوی کی اہمیت ومعنویت اور منصب نبوت کے عنوان پر کی گئی جس سے سیرت نبوی کا ہر پہلو کھل کر سامنے آ جاتا؟

حضرات!: عام مسلمانوں کے لئے مجموعی طور پر اور اہل بمبئی کے لئے خصوصی طور پر یہ بڑی مسرت، شکر اور فخر کا موقع ہے کہ سیرت نبوی ﷺ پر خطبات کا آغاز ہو رہا ہے میں اپنی محدود واقفیت اور مطالعہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ سیرت نبوی ﷺ پر سب سے زیادہ ٹھوس، سنجیدہ فکر انگیز اور معیاری کام ہمارے ملک ہندوستان میں انجام پایا ہے، ہم ہندوستانی مسلمانوں کو اس بات پر شکر آمیز فخر کا حق ہے کہ وہ نبی رحمت ﷺ جس کے متعلق قرآن شریف اعلان کرتا ہے۔ "قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً" جو مکانی حیثیت سے پورے کرۂ ارض اور زمانی حیثیت سے بعثت کے بعد سے پوری انسانی تاریخ کا نبی ہے، اس کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو عصر جدید کے اسلوب او رتقاضوں کے مطابق روشن کرنے کی سب سے بڑی سعادت ہندوستانی مسلمانوں کو حاصل ہوئی، قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوریؒ کی "رحمۃ للعالمین"، علامہ شبلی نعمانیؒ کی ...... کتاب "سیرۃ النبی" مولانا عبدالرؤف دانا پوری کی کتاب "اصح السیر" سیرت کے عالمگیر کتب خانے میں امتیازی شان رکھتی ہیں، لیکن اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے شاید سب سے فائق، استاد محترم مولانا سید سلیمان ندویؒ کی "خطبات مدراس" ہے، دنیا کے مسلمان جو زبان بولتے ہیں، ان میں ان کتابوں کی کوئی نظیر نہیں، مختلف اسلامی

زبانوں اور معتدد مغربی زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے ہیں۔

بہت سے حضرات یہ خیال کرتے ہوں گے کہ سیرت النبی ﷺ کی خدمت کا شرف جس ادارے کو حاصل ہوا، اس سے انتساب رکھنے والے فرد کے لئے اور خاص طور پر اگر اس کے قلم سے بھی کوئی کتاب سیرت پر نکلی ہو، بہت آسان ہے کہ وہ سیرت و گفتگو کرے اور سیرت نبوی ﷺ کو پیش کرے، لیکن ایک مصنف کے تجربے کی روشنی میں، میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بات سہولت کی باعث نہیں، بلکہ دشواری کی باعث ہے، اس لئے کہ جس کو سیرت پر قلم اٹھانے کی سعادت حاصل ہوئی وہ کسی ایسے ادارے سے تعلق رکھتا ہے، جس سے سیرت پر بلند ترین اور منتخب ترین لٹریچر شائع ہوا، اس کا معاملہ سیرت نبوی ﷺ کے بارے میں وہی ہے جس کو فارسی شاعر نے اپنے مشہور شعر میں بیان کیا ہے:

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین بہار تو، زداماں گلہ دارو

وہ سوچتا ہے کہ وہ مقدس داستان کو کہاں سے شروع کرے اور کہاں ختم کرے، اور کس چیز کو لے اور کس چیز کو چھوڑ دے، جس طرح کہ گلچیں کے لئے دشواری ہے کہ وہ کس پھول کو لے اور کس پھول کو چھوڑ دے، اور پھر اس دامن کو جو بہت محدود اور تنگ ہے، اس چمن کے پھولوں سے کس طرح سجائے، بالکل اسی طرح کی آزمائش آج میرے لئے بھی ہے، میں یہ کوشش نہیں کروں گا کہ آپ کے سامنے سیرت نبوی ﷺ کو اول سے آخر تک سبق کی طرح سنادوں، آپ حضرات اہل علم ہیں، اور آپ کی نظر سے سیرت کی کتابیں گزر چکی ہیں، اور گزرتی رہتی ہیں، میں اپنی سب سے بڑی سعادت یہ سمجھوں گا کہ آپ کے دلوں میں سیرت کے مطالعے کا نیا شوق پیدا ہو جائے، اور یہ احساس پیدا ہو جائے کہ ابھی آپ کو بہت کچھ پڑھنا ہے، ابھی آپ نے اس گلستاں کی سیر ہی نہیں کی ہے، اور یہ کہ آپ اس مکتب حسن، اس مکتب عشق، اس مکتب عقل وعلم، اس مکتب انسانیت آموزی کے طالب علم ہیں، میں اپنے کو بہت خوش نصیب سمجھوں گا اور آپ کو مبارک باد دوں گا کہ سیرت کے مکتب میں ہمارا اور آپ کا نام لکھ لیا جائے، اس سے بڑھ کر میں ایک مسلمان کے لئے کوئی فخر کی بات نہیں سمجھتا کہ اس کو اس مکتب عشق میں طالب علم بننے کے لئے قبول کرلیا جائے، ہم آج سے سیرت کا مطالعہ کریں

گے اور یقین ہے کہ یہ سلسلہ بڑا مبارک ہوگا، اور اس کے بانی صد ہزار مبارک باد کے مستحق ہوں گے، اگر آپ کے اندر یہ جذبہ بیدار ہو جائے کہ اب ہم سیرت کا مطالعہ کریں گے اور ہم یہ سمجھیں گے کہ ابھی ہم نے کچھ نہیں پڑھا ہے۔

میں سب سے پہلے آپ کے سامنے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی کیا کام کرتا ہے کہ جس کی وجہ سے اس کو یہ مقام بلند حاصل ہے، جو ذمہ داری اس کے سپرد کی جاتی ہے، اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور وہ نوع انسانی کے لئے اتنا کیوں ضروری ہے؟ رواں دواں قافلہ انسانیت کے سفر کے لئے یہ بات کیوں خطرے کی ہے کہ اس کو اس سفر میں ایک پیغامبر کی رہنمائی حاصل نہیں، میں سب سے پہلے اس پر مختصر روشنی ڈالوں گا پھر یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ نبی کے کام کی نوعیت کیا ہے؟ نبوت کی حقیقت اور اس کا امتیاز کیا ہے اور اس اہم اور مقدس کام کے لئے کس طرح کی شخصیت درکار ہے؟ آنحضرت کو انبیاء کرام کی صف میں اللہ تعالیٰ نے کیا امتیاز عطا فرمایا اور کیا کامیابی آپ کے حصے میں رکھی، میں یہ بتانے کے لئے کہ نبوت کا کام ضروری ہے کہ اس کے بغیر انسانیت کے سفینے کے لئے خطرہ ہے کہ وہ کس وقت ڈوب جائے، وہ کونسی مہم ہے، جو نبی ہی انجام دیتا ہے، اور وہ کون سا خلاء ہے جو وہ تنہا پُر کرتا ہے اس کے لئے میں ایک کہانی کا سہارا لوں گا، اور آپ جانتے ہیں کہ بعض اوقات کہانیوں سے بہت سے عقدے اور ایسی گتھیاں سلجھ جاتی ہیں جو بڑی بڑی فلسفیانہ بحثوں سے نہیں سلجھتیں، خاص طور پر جب وقت کم ہو اور آدمی زیادہ گہرائی میں نہ جانا چاہے۔

آپ نے یہ کہانی سنی ہوگی کہ کچھ نوجوانوں کو سیر کا خیال آیا، وہ دریا کے قریب کسی بستی کے رہنے والے تھے، برسات کا موسم تھا، سہانا وقت تھا، ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، اور فرصت کے دن تھے، ان کو شوق ہوا کہ وہ دریا کی سیر کریں اور موسم کا لطف اٹھائیں، ایک کشتی انہوں نے کرائے پر لی، اس پر سوار ہوئے، دریا بھی روانی پر تھا، اور ان کی طبیعت بھی موج پر تھی، وہ بے تکلفی سے آپس میں باتیں کرتے تھے، مگر اس وقت انہوں نے ملاح کو اپنا مخاطب بنایا اس سے پوچھا (چچا یا دادا کہہ کر مخاطب کیا) آپ کی عمر کیا ہے؟ وہ بے چارہ بے پڑھا آدمی تھا، اس نے اپنی عمر بتائی ۶۰ سال کی عمر، ان میں سے ایک نوجوان نے کہا کہ چچا آپ نے کیا کیا پڑھا ہے؟ اس نے کہا کہ میری اوقات کیا؟ میں نے شروع ہی سے کشتی چلانے کا پیشہ اختیار کرلیا، اور مجھے

پڑھنے کا موقع نہیں ملا، دوسرے تیز طرار صاحب زادے بولے کہ چچا آپ نے جغرافیہ تو ضرور پڑھا ہوگا، بیچارے ملاح نے کہا کہ میں نے اس کا نام ہی نہیں سنا، پہلے تو اس کو یہی سمجھنا مشکل ہوا کہ جغرافیہ کسی آدمی کا نام ہے، یا کیسی علم کا؟ لوگوں نے کہا کہ اچھا آپ نے ہسٹری تو پڑھی ہوگی؟ پھر اس نے کانوں پر ہاتھ رکھا، پھر ان لوگوں نے جیومیٹری کو پوچھا اور اس کے کالج اور یونیورسٹی میں جو مضامین داخل تھے، ان تمام مضامین کا (subjects) انہوں نے باری باری سے نام لیا، اور اس بیچارے نے سب پر سر جھکا دیا، وہ پشیمان اور شرمندہ ہوا، اس نے کہا کہ صاحب میں نے تو آج تک ایسے نام بھی نہیں سنے تھے، عمر تو پہلے پوچھ لی تھی، کہنے لگے کہ آپ نے اپنی آدھی عمر کھودی ہے، آپ نے کچھ کام کیا ہی نہیں، خیر دریا اس وقت مزے میں تھا، موجیں اٹھ رہی تھیں، اور کہیں بارش بھی ہوئی تھی، اب دریا کی موجیں اس کشتی کے ساتھ اٹھکھیلیاں کرنے لگیں، اور کشتی ڈانواڈول ہونے لگی، کبھی ادھر جھکتی تھی، کبھی ادھر جھکتی تھی، اب اس ملاح کی بن آئی خدا کو اس کی عاجزی اور اس کی بے زبانی پر رحم آیا، اب ملاح کی باری آئی، اس نے کہا کہ صاحبزادو! ایک بات میں بھی پوچھتا ہوں کہ تم نے یہ سب کچھ پڑھا ہے، پیرنا بھی سیکھا ہے؟ اگر یہ کشتی الٹ گئی تو تم دریا کے پار کس طرح پہونچو گے؟ انہوں نے کہا کہ پیرنا تو ہم نے نہیں سیکھا ہے! ملاح نے کہا جاؤ تم نے اپنی پوری عمر ڈبوئی۔

انہوں نے تو یہ کہا تھا کہ تم نے اپنے آدھی عمر کھوئی، اور اس ملاح نے کہا کہ تم نے اپنی پوری عمر ڈبوئی، اگر کہیں کشتی الٹ گئی تو میں ہاتھ پیر مار کر کنارے پہنچ جاؤں گا یہ ندی دریا تو میرا گھر ہے، میں اس کی مچھلی ہوں، مگر تم نے جو بڑے بڑے ڈراؤنے نام لئے تھے (اتنی جلدی جاہل آدمی کو نام یاد نہیں ہو سکتے تھے) وہ آپ کے کیا کام آئیں گے؟ آپ اگر ڈوبیں گے تو ان میں سے کوئی چیز آپ کو نہیں بچا پائے گی، یہاں تو سیدھا سادھا پیرنا کام آئے گا، جس کو پیرنا آتا ہے یا آپ یو کہہ لیں کہ جس کو پیرنے کی سائنس آتی ہے وہ کچھ نہ جانتے ہوئے بھی اپنی جان بچالے گا اور دریا پار کر لے گا، یا کشتی چلانا جس کو آتا ہے، وہ کشتی کنارے لگا دے گا، لیکن اگر سب کچھ آتا ہے اور پیرنا ہی نہیں آتا ہے، زندگی کے اس طوفانی دریا کو جس نے عبور کرنا نہیں سیکھا اور جس نے اسکی موجوں سے جو منہ پھیلائے ہوئے بڑھتی ہیں، بچنے کا فن نہیں معلوم کیا تو اس نے یہ جو کچھ پڑھا ہے کچھ کام نہیں آئے گا۔

حضرات! ہماری اس پوری زندگی کی مثال یہی ہے، ہمارے تمام محسن، انسانی علوم کے بانی بڑی بڑی کتابوں کے مصنف، دنیا کے دانشور، فلسفی، حکیم ریاض داں اور سائنس داں یہ سب ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں، یہاں انجمن اسلام اور اس کے اسکول کے بالکل سایے کے نیچے بیٹھ کر یہ گذارش کر رہا ہوں، ہم ان میں کسی کی تحقیر نہیں کرتے ہیں، خاص طور پر میرے جیسے طالب علم کی گردن ان کے احسانات کے بوجھ سے دبی جارہی ہے۔ اور میں جو آپ کے سامنے یہ دو حرف کہہ رہا ہوں اس کو بھی ان کا احسان سمجھتا ہوں، لیکن واقعہ اپنی جگہ پر واقعہ ہے، یہ وہ حقیقت ہے، جس کا اعلان امریکہ کی کسی بڑی یونیورسٹی کی لائبریری میں بھی، لیبارٹری میں بھی، بڑے سے بڑے دانش کدے اور بڑے سے بڑے ایوان علم میں بھی کیا جا سکتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے ادنیٰ غلاموں نے بار بار اس حقیقت کا اعلان کیا ہے اور ببانگ دہل کہا کہ اے دانشورو! علم کو وسعت اور ترقی دینے والو! اے انسانی عقل کے کمالات دکھانے والو! اے زمین کے خزانے کو اگلوا دینے والو آسمان سے تارے توڑ کر لانے والو! اور اے چاند کی سطح پر جانے والو! تم سب خطرے میں ہو، جب تک تم کو شناوری کا یہ علم نہیں آتا اور وہ حقائق اولین جن پر زندگی کی بنیاد ہے، اور یہ انسانی شیرازہ جس کی وجہ سے مجتمع ہے، اور وہ بڑے مقاصد جن کی وجہ سے اس زندگی اور اس دنیا میں معنویت پائی جاتی ہے، اگر ان پر نظر نہیں اور اگر تم نے زندگی گزارنے کا سلیقہ نہیں سیکھا جو تنہا پیغامبر سکھاتے ہیں، وہ بغیر کسی تواضع اور انکساری کے اور بغیر کسی ادنیٰ خوف اور لحاظ کے صاف صاف کہتے ہیں ”انما انا بشر مثلکم یوحی الی“ (میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں، فرق مجھ میں اور تم میں یہ ہے کہ میری طرف وحی آتی ہے) زندگی کا سلیقہ کسی نے اگر نہیں سیکھا ہے، اور سب کچھ سیکھ لیا ہے، وہ اگر فرد ہے تو خطرے میں ہے، اگر قوم ہے تو خطرے میں ہے، اگر تمدن ہے تو خطرے میں ہے، تہذیب ہے تو خطرے میں ہے، علمی مرکز ہے تو خطرے میں ہے، میں نے ایک سیدھی سادی کہانی کا (جو نبوت اور نبی کے مقام سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی) سہارا لیا ہے، آج بھی دنیا کا حال یہ ہے کہ ہمیں اپنی حقیقت کا علم نہیں ہمیں معلوم نہیں کہ زندگی کیا ہے، کتنی وسیع کتنی عمیق، کتنی نازک، کتنی لطیف ہے، زندگی گزارنا کتنی بڑی ذمہ داری ہے، اس زندگی کے دریا کو عبور کرنے کے لئے اور اپنی کشتی کو پار لگانے کے لئے کن بنیادی حقیقتوں پر ایمان لانے اور ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے، ان کی

حفاظت کرنے اور ان کو زندہ رکھنے کیلئے ایک دوسرے کے ساتھ کیسے تعاون کی ضرورت ہے؟ آج ہمارے اس متمدن اور ترقی یافتہ دور کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کو زندہ رہنے کا فن معلوم نہیں بلکہ معلوم کرنے کی کوئی خواہش بھی اس کے اندر نہیں، پیغمبر خاص انکشافات کے مدعی نہیں ہوتے، وہ ادب اور شاعری کے دعوے دار نہیں ہوتے، وہ بہت بڑی ذہانت، موشگافی، بال کی کھال نکالنے کے مدعی نہیں ہوتے، وہ کہتے ہیں کہ زندگی کے دریا کو پار کرنے کا فن ہم سے سیکھا جا سکتا ہے، اگر تمہیں اپنی زندگی کے مقصد کو پورا کرنا ہو، اگر تمہیں خالق کائنات کو صحیح طور پر سمجھنا، اس کا علم حاصل کرنا، اس کو راضی کرنا اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ہو تو ہم اس کے لئے حاضر ہیں، ہمیں خدا نے اس خدمت کے لئے مامور کیا ہے، نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ، نہ اس میں وہ کسی معذرت سے کام لیتے ہیں، نہ کسی فخر و تعلّی سے، بالکل حقیقت پسندانہ اور عملی انداز میں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی چیز کے مدعی نہیں، ہم تم سے یہ کہتے ہیں کہ زندگی گزارنے اور انسانوں کی طرح زندہ رہنے کا فن ہم سے سیکھو، سب سے پہلے یہ معلوم کرو کہ اس دنیا کو کس نے بنایا اور کس لئے بنایا، تم کہاں سے آئے تھے کہاں جاؤ گے؟ ہم نے مانا کہ تم کو سب کچھ آتا ہے مگر اپنے پیدا کرنے والے اور مقصد زندگی سے غافل ہو تو ان کمالات و ترقیات، اور تسخیر کائنات سے کیا حاصل؟ بقول اقبال۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

ہم مانتے ہیں کہ تم سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر سکتے ہو، چاند پر پہنچ سکتے ہو، تم سمندر کی تہ سے موتی نکال کر لا سکتے ہو، مگر سوال یہ ہے کہ تم کو آدمیوں کی طرح اس سطح زمین پر چلنا بھی آتا ہے؟ کسی مغربی فلسفی نے ایک مشرقی دانشور سے بہت فخر و ناز سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے ہماری مغربی تہذیب نے کیا کیا کمالات دکھائے ہیں، ہم نے بلند پروازی اور تیز رفتاری کے کیسے کیسے رکارڈ قائم کئے ہیں؟ مشرقی فلسفی نے جواب دیا کہ ہاں تمہیں فضائے آسمانی میں چڑیوں کی طرح اڑنا آ گیا اور تمہیں دریا میں مچھلیوں کی طرح تیرنا آ گیا، لیکن یہ بتاؤ کہ کیا

تمہیں زمین پر آدمیوں کی طرح چلنا بھی آیا؟ تو پیغمبر بغیر کسی کسر وانکسار کے یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ بتاتے ہیں کہ خدا کے بنائے اور پیدا کئے ہوئے انسان کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح رہا جاتا ہے، دنیا کے اس سفر کو کامیاب طریقے پر طے کر کے کس طرح اپنے مالک کے پاس انعام لینے کیلئے جایا جاتا ہے، ہم یہ فن بتاتے ہیں، نہ کم نہ بیش، یہ ہے نبوت کا وہ کار خاص جو نبوت اور انبیاء انجام دیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور آپ کی انفرادیت سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اسے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آپ کے نام کی نوعیت کیا ہے؟ آپ اور آپ کے مقدس رفقاء جن کو انبیاء کے نام سے ہم جانتے ہیں، (اللہ کا درود وسلام ان سب پر) وہ کیا کام انجام دیتے آئے ہیں، اس کے لئے میں نے ایک حقیری کہانی آپ کے سامنے رکھی ہے کہ وہ ملاح تھا تو دو ٹکے کا آدمی، لیکن ان نوجوانوں کے مقابلے میں جنہوں نے اپنے دماغ میں لائبریوں کی لائبریریاں اتار لی تھیں، اور جنہوں نے فلسفے کے سمندر پی لئے تھے، جن کو دنیا کی تاریخ پوری یاد تھی وہ اس کم سواد بلکہ بے سواد ملاح کے سامنے بے حقیقت انسان تھے، ان کی زندگی خطرے میں تھی، وہ کشتی پر سوار تھے، ان کی قسمت کشتی سے وابستہ تھی، اور کشتی کی قسمت اس فن ملاح سے وابستہ تھی، اور وہ اس سے ناآشنا تھے، یہ ہے نبوت کا کار خاص جو نبوت ہی انجام دیتی ہے۔

اب میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی کو دوسروں کے مقابلے میں کیا امتیاز حاصل ہوتا ہے، ان کو یہ کہنے کا حق کیوں حاصل ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک زندگی ہے اور محسوسات اور مشاہدات کا جو عالم ہمارے اور آپ کے سامنے ہے، انکے پیچھے اور کون سی طاقتیں کام کر رہی ہیں، ہم ان کو دیکھتے نہیں ہیں، اس قانون تکوینی (Naturlalws) کے پیچھے کوئی اور طاقت اور ارادہ ہے جو اس کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اور اس کے متضاد عناصر کو ایک دوسرے سے ٹکرانے سے بچا رہا ہے، سورج کی حرارت کو اس سے زیادہ بڑھنے نہیں دیتا جو کہ اس زمین کو خاک سیاہ کر دے، زمین کی پرت کو اس سے زیادہ موٹا ہونے نہیں دیتا کہ یہ زمین ڈوب جائے، سمندر اور خشکی کے درمیان جو تناسب ہے، اس تناسب میں ذرا سا فرق آنے نہیں دیتا، اگر آپ کریسی کی کتاب (Man does not standalone) انسان اکیلا کھڑا نہیں ہے) کا مطالعہ کریں، (اور آپ میں سے بہت سے لوگوں نے اس موضوع پر مجھ سے زیادہ

پڑھا ہوگا) آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس دنیا کو کس تناسب کے ساتھ بنایا گیا ہے اور اس میں کتنے متضاد عناصر ہیں، آگ اور پانی کا مجموعہ کس طرح چل رہا ہے، سلبی اور ایجابی Positve (and ne gative) مثبت اور منفی طاقتیں کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مصالحت اور تعاون کے ساتھ کام کر رہی ہیں، ان میں کس وقت ٹکراؤ نہیں ہوتا ہے، ان میں کسی وقت بغاوت نہیں ہوتی، ان میں کہیں برہمی، ناہمواری نہیں پیدا ہوتی، نشیب و فراز نہیں پیدا ہوتے، کوئی حقیقت کے جاننے کا نبی کے پاس کیا ذریعہ ہے، اور یہ کہنے کا اس کو کیوں حق حاصل ہے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں، اور یہ جانتے ہیں، اور تم نہیں دیکھتے اور نہیں جانتے؟ اس کے لئے میں پھر ایک واقعے کا سہارا لوں گا مگر اس مرتبہ واقعہ ہندوستانی کہانیوں اور ہماری نصابی کتابوں کا واقعہ نہیں ہوگا بلکہ سیرت نبوی کا واقعہ ہوگا۔

واقعہ یہ ہے کہ جب یہ آیت وانذر عشیرتک الاقربین (اے محمد ﷺ آپ قریبی لوگوں اور اپنے سے قریبی تعلق رکھنے والوں کو ڈرایئے) نازل ہوئی، مکہ معظمہ کی اس سادہ اور محدود زندگی میں جس میں ابلاغ واطلاع کے ذرائع مفقود یا بہت محدود تھے، وقت کم اور مکہ کی آبادی پھیلی ہوئی اور کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے پوری آبادی کو جو کہ مکہ کی وادی میں مکہ کے آگے پیچھے بکھری ہوئی تھی، سب کو کیسے جمع کیا جائے؟ صدیوں سے جس کے آباءواجداد نبوت کے مفہوم اور غیبی حقائق سے ناآشنا تھے، ان کو کیسے ان غیبی حقائق سے مانوس کیا جائے، یہ وہ ایک عظیم امتحان تھا، جو بڑے سے بڑے دماغوں کو بھی شل کر سکتا تھا، اس کا حل کرنا آسان نہیں تھا، لیکن یہ بھی الہام کی بات تھی، اور اللہ کی تائید تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحیح راستہ بتایا، آپ صفا کی پہاڑی پر چلے گئے آپ میں بہت سے بھائی حج کی سعادت سے مشرف ہو چکے ہوں گے، انہوں نے صفا کو دیکھا ہوگا، آج سے ۱۳۰۰ سال پہلے اس کی حالت دوسری تھی، آج سے پچاس سال پہلے بھی وہ کچھ اور تھا، کوہ صفا پر آپ چلے گئے، وہاں آپ ﷺ نے ایک آواز بلند کی ''یا صباحاہ'' یہ ایک جملہ تھا جو اپنے اندر معانی کا ایک دفتر رکھتا تھا، اس جملے میں عرب کے لوگوں کے لئے ایک نوٹس تھا، اور وہ خطرے کی گھنٹی تھی، یہ ایک ایسا جملہ تھا، جس سے عرب کی پوری تاریخ وابستہ تھی، وہ تاریخ یہ تھی کہ جب عرب کے کسی قبیلے کا حملہ ہوتا تھا، جو ان کا دن رات کا مشغلہ تھا، ایک شاعر کہتا ہے کہ ''میرا گھوڑا جب جوان ہو جائے تو اللہ کرے کہ کہیں نہ کہیں

لڑائی چھڑ جائے تا کہ میں اپنے گھوڑے کے جوہر دکھا سکوں" ان کا تو یہ کھیل تھا، اس موقع پر کوئی محض کسی بلند جگہ پر چلا جاتا تھا، اور کہتا تھا کہ "یا صباحاہ (خطرہ ہے!) لوگ جمع ہو جاتے تھے، چنانچہ یہی ہوا کہ جن لوگوں نے آپ کی آواز پہچانی انہوں نے کہا کہ "الصادق الامین" (یہ اس دنیا کے صادق ترین انسان کی آواز ہے) بھیڑیا آیا، بھیڑیا آیا! کی کہانی ہم لوگوں نے کتابوں میں پڑھی ہے، اور آخر میں اعتبار جاتا رہا اور سچ مچ بھیڑیا آیا اور کھا گیا، عرب کے لوگوں میں سب خرابیاں تھیں، لیکن یہ چالاکی ان کے اندر نہیں تھی" وہ سیاسی پروپیگنڈے سے ناآشنا تھے، تو کوئی شخص بھی چلا جاتا اور کہتا "یا صباحاہ" عربوں کی اصل فطرت دروغ بیانی سے بہت دور ہے، اسی بنا پر مفسرین نے کہا ہے کہ نفاق عربوں کا مرض نہیں، عربوں کی نفسیات سے اس کو مناسبت نہیں، یہ مرض وہاں پیدا ہوا جہاں غیر عرب عناصر (یہودی وغیرہ) معاشرے میں تھے، اس آواز کے سننے کے بعد کسی کو کوئی شک نہیں رہتا تھا، بہر حال آپ نے آواز لگائی "یا صباحاہ" اور سارا مکہ دوڑ کر کوہ صفا کے دامن میں جمع ہو گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا، کون ہے؟ پہچان تو لیا انہوں نے فوراً اور یہ بھی یقین ہو گیا کہ یہ واقعہ بالکل صحیح ہے کوئی لشکر ہے جو ہم پر حملہ کرنے والا ہے، اب وہ منتظر تھے کہ وہ لشکر کہاں سے آنے والا ہے، کدھر سے حملہ کرنے والا ہے؟ آپ نے عجلت سے کام نہیں لیا، فرمایا کہ تم نے مجھے آج تک کیسا پایا، لوگوں نے کہا کہ "الصادق الامین" (سچ بولنے والا اور امانت دار) یہ پہلا اسٹیج تھا جو نبوت ہی کی تاریخ میں نہیں بلکہ ہر اصلاح کی تاریخ میں ضروری مرحلہ ہے کہ سب سے پہلے جو شخص اصلاح کا جھنڈا لے کر کھڑا ہو، وہ کسی قوم کی اصلاح اور نجات کا صحیح راستہ دکھانے کے لئے کھڑا ہو تو پہلے اس کے متعلق یہ اطمینان کر لینا چاہئے کہ وہ کیسا ہے، بے غرض ہے، مخلص ہے، اسی لئے فرمایا کہ تم نے آج تک مجھ کو کیسا پایا؟ لوگوں نے کہا کہ سچا اور امین، فرمایا کہ میں اگر تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر جورات کے اندھیرے میں یہاں آکر چھپ گیا ہے، تم پر اچانک حملہ کرنے والا ہے تو تم باور کرو گے؟ عرب کے لوگ زیادہ تر ناخواندہ تھے، اور فلسفے وغیرہ علوم سے ناآشنا، لیکن اللہ نے ان کو ایک دولت دی تھی، جس میں وہ دنیا کی قوموں میں (جو تمدن کی بیماریوں میں مبتلا ہو چکی تھیں اور جنہوں نے فلسفہ، شاعری اور ادب میں بڑی ترقی کی تھی) عربوں کو امتیاز حاصل تھا، وہ یہ تھا کہ وہ فطرت سلیم رکھتے تھے، اور فطرت سلیم یا عقل سلیم اللہ کی بڑی نعمت ہے، ذہانت

سے بڑھ کر عقل سلیم (Common sense) چاہئے، انہوں نے فوراً صورت حال کا جائزہ لیا، انہوں نے دیکھا کہ ہم پہاڑ کے نیچے ہیں، اور ایک شخص پہاڑ کے اوپر کھڑا ہوا ہے، پہاڑ کے نیچے کے حصے کو بھی دیکھ رہا ہے، سامنے کے حصے کو بھی دیکھ رہا ہے، تو اگر وہ یہ کہتا ہے کہ پہاڑ کے عقب (پیچھے) میں ایک لشکر چھپا ہوا ہے تو اس بنا پر اس کے جھٹلانے کی کوئی وجہ اور کوئی جواز نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ہم تو نہیں دیکھتے ہمیں دکھلایئے! اس لئے ہم پہاڑ کے نیچے ہیں اور وہ پہاڑ کے اوپر، ان کی عقل سلیم نے فوراً ان کی رہنمائی کی کہ اس شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ یہ دعویٰ کرے کہ پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے، ہمیں یہ نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔ جب یہ مرحلہ طے ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم جو زندگی گزر رہے ہو، تمہارے جو عقائد ہیں، تمہارے جو اخلاق ہیں، تمہارا جو ایک دوسرے کے ساتھ سلوک ہے، تمہاری زندگی کے جو مقاصد بن گئے ہیں، تمہارا جو طرز زندگی ہے وہ حقیقی خطرہ ہے، اور ہزار دشمنوں اور ہزار لشکروں سے بھی زیادہ خطرناک ہے، تم کس دشمن سے ڈر رہے ہو؟ اس دشمن سے جو آئے گا اور سودوسو اونٹوں کو ہنکا کر لے جائے گا، میں تمہیں اس دشمن سے ڈرا رہا ہوں جو تمہارے دلوں کے اندر بیٹھا ہوا ہے، تمہارے دماغوں کے اندر اس نے اپنی چھاؤنیاں قائم کر لی ہیں، وہ تمہارے گھروں کے اندر موجود ہے، اس حقیقی اور جان لیوا دشمن سے ڈرو، یہ تمہارے غلط عقائد، تمہاری خطرناک جہالت، تمہارا قہر خداوندی کو بھڑکانے والا اور دنیا کو دوزخ کا نمونہ بنانے والا طرز زندگی ہے، یہ تمہاری نفس پرستی، ہوا و ہوس اور محض نائے ونوش اور ''بعیش کوش'' کے فلسفے والی زندگی ہے، یہ وہ زندگی ہے جسے خدا کی رہنمائی اور آسمانی تعلیمات منظم نہیں کرتیں، بلکہ خود ساختہ قوانین اور ذاتی معاملات چلا رہے ہیں، یہ نبوت کی حقیقت ہے، آپ نے چند لفظوں میں اور ایک عملی مظاہرہ کر کے ثابت کر دیا کہ نبی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اعلان کرے کہ اس عالم شہود اور اس عالم محسوسات سے پرے بھی دنیا ہے، اس کے پیچھے حقائق کی ایک دنیا ہے، موجد کائنات ہے، خالق کائنات ہے، اس کی ذات ہے، اس کی صفات ہیں، اس کا طریقہ کار ہے، اس کے افعال ہیں، اس کا انسانوں کے ساتھ معاملہ ہے اس کے مرضیات و نامرضیات کا ایک سلسلہ اور نظام ہے، اس تفہیم کے لئے اس سے بہتر اور کوئی عام فہم اور دل نشین طریقہ نہیں ہو سکتا تھا، نہ صرف عرب کی اس محدود زندگی اور معاشرے میں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ آج کے

ترقی یافتہ دور میں بھی نبوت کی حقیقت کو سمجھانے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔

حضرات! وقت کم ہے اس لئے میں یہ عرض کروں گا کہ یہ مسئلہ کہ انسانوں کی زندگی تبدیل ہو، انسانوں کے عقائد تبدیل ہوں انسانوں کے مسلمات (جن چیزوں کو انہوں نے سمجھ لیا کہ زندگی کے لئے ناگزیر ہیں) خواہ وہ معیار زندگی ہوں، خواہ وہ مقاصد زندگی ہوں، خواہ وہ دولت ہو، خواہ وہ طاقت ہو یا اقتدار کا حصول ہو، خواہ وہ نفس کے تقاضوں کی تکمیل ہو، خواہ وہ اپنی برتری کا اظہار ہو، ان چیزوں کو یکسر بدل دینا انسان کی قلب ماہیت کر دینا، انسان کو اندر سے اتنا تبدیل کر دینا کہ وہ بھی بدل جائے، اور دنیا کو بھی بدل کر رکھ دے، یہ کھیل نہیں ہے۔ یہ ارادۂ الٰہی، خدائی فیصلے، خدا کی تائید اور نبوت کے منصب و مقام اور اس کے ساتھ جو خدا کی مدد ہوتی ہے اور نبی کی شخصیت کے بغیر نہیں ہوسکتا، ہندوستان کی عظیم ترین اور طاقتور ترین شخصیتوں نے چاہا کہ چھوت چھات دور ہو جائے، نابرابری دور ہو جائے۔ اور مساوات واشتراکیت کا دور دورہ ہو، یہ بھی نہ ہوسکا اور جہاں ہوا وہاں جبراً وقہراً ہوا ہے، اگر اس معاشرے کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو ابھی بغاوت کرنے کے لئے تیار ہے کل آپ سن سکتے ہیں کہ وہ نظام الٹ کر رہ گیا اور پورے ملک میں انقلاب آ گیا اور آتا رہتا ہے، چھوت چھات آج تک دور نہیں ہوئی ملک کی رسم میں نہیں جانتا کہ آپ کے یہاں اس کے لئے کیا اصطلاح ہے اور میری دعا ہے کہ آپ کے یہاں یہ بیماری نہ ہو۔ یہیں ہمارے ہندوستان میں کئی ریاستیں ہیں جہاں یہ بیماری اپنے پورے شباب پر ہے کہ لڑکیاں بیٹھی ہیں اور ان کو اس لئے بر نہیں مل رہے ہیں، جوڑا رشتہ نہیں مل رہا ہے کہ صاحبزادے اور صاحبزادے سے زیادہ ان کے والدین ماجدین "مطالبہ" کرتے ہیں کہ اس کے لئے یورپ جانے کا انتظام کیا جائے۔ امریکہ جا کر تعلیم حاصل کرنے کا انتظام کیا جائے، اس کے لئے بینک میں اتنا حساب جمع کر دیا جائے اس کے لئے کار، کم سے کم اس کے لئے اسکوٹر کا انتظام کر دیا جائے آج قانون بھی اس کے خلاف ہے، عقل بھی اس کے خلاف ہے، ہم اس کے نہایت عیب اور نہایت نحوس نتائج دیکھ رہے ہیں، بڑے بڑے شریف لوگ خودکشیاں کر رہے ہیں، اور گھروں کی زندگی جہنم بن گئی ہے، ماں باپ کو میٹھی نیند نصیب نہیں لیکن یہ رسم ہے کہ پورے طور پر موجود ہے۔

اسی طریقے سے امریکہ جیسے ملک نے شراب کو ختم کرنا چاہا، اس نے کوشش کی کہ شراب

نوشی کی عادت ختم ہو، یہ مسٹر ہور (Hoovr) کے زمانے کا واقعہ ہے، اب تفصیلات دیکھ لیجئے کہ امریکہ نے گھٹنے ٹیک دیے اور اپنے پورے وسائل اس کے لئے استعمال کئے، لیکن شراب نوشی حد جنون تک پہنچ گئی، یعنی جو لوگ صرف شراب نوش تھے، ان لوگوں نے شراب نوشی پر کمر کس لی اور حکومت کو شکست تسلیم کرنی پڑی، حکومت نے مات کھالی، لیکن شراب پینا لوگوں نے نہ چھوڑا ، وقت کم ہے، اس لئے اختصار سے کام لیتا ہوں، عہد جاہلیت کی چند رسمیں آپ کے سامنے مثال کے طور پر رکھتا ہوں، اس وقت دختر کشی کی رسم تھی، اور ایسی رسم تھی کہ اس کی جڑیں عربوں کے مزاج میں عربوں کی تاریخ، عربوں کے معاشرے میں اتنی گہری تھیں کہ تصور نہیں کیا جا سکتا تھا کہ عرب دختر کشی سے باز آ سکتے ہیں، لیکن چند برسوں میں ایسا انقلاب ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے لئے مکہ تشریف لے گئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بچی امامہ گھر سے دوڑی دوڑی آئی اور بھائی بھائی کہہ کر آپ سے لپٹ گئی، اس وقت صحابہ کرام میں یہ مقابلہ شروع ہو گیا کہ یہ بچی پرورش کے لئے ہم کو دی جائے، یعنی جو مائیں بچیوں سے اپنی گودیں خالی کرتی تھیں اور جو باپ شقی اور سنگدل بچیوں کو اٹھا کر لے جاتے تھے، ایسے واقعات ہیں کہ آپ سنیں تو آپ تڑپ جائیں، حضرت علیؓ نے کہا کہ بچی مجھے ملنی چاہئے میری بہن ہے ، حضرت جعفرؓ نے کہا کہ مجھے عطا ہو کہ میں بھائی بھی ہوں اور اس کی خالہ میرے گھر میں ہے، حضرت زید نے کہا کہ میرا حق ہے کہ مسلمان ہونے کے رشتے سے ان دونوں سے کم نہیں، آپ نے حضرت جعفرؓ کے حوالے کیا کہ بچی کی خالہ ان کے گھر میں ہے، اس کو وہاں زیادہ آرام ملے گا، اسی طرح شراب جو عرب کی گھٹی میں پڑی تھی، جب اس کی حرمت کا اعلان ہوا تو ہونٹوں سے لگائے ہوئے جام ہٹا دیے گئے شراب کے ظرف اس طرح لنڈھا دیے گئے کہ وہ مدینے کی نالیوں میں بہتی تھی۔

سیرت محمدی ﷺ کا اصل پیغام یہی ہے، آپ کو ایک کام کے لئے مامور کیا گیا، آپ کے ساتھ اللہ کی تائید تھی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ انقلاب عظیم دنیا میں رونما ہوا کہ اس کی مثال نہ اس سے پہلے کی تاریخ میں ملتی ہے، اور نہ اس وقت کی تاریخ میں ملتی ہے، آج لوگوں کو مطمئن کرنے کے ذرائع وافر مقدار میں موجود ہیں، لیکن ہم انسانوں کو مطمئن نہیں کر سکتے، معاشرے میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں لا سکتے۔

جہاں تک عام انسانی جذبات کا تعلق ہے، خلوص کا تعلق ہے، قربانی کا تعلق ہے، ان کی مثالیں دور تک نہیں ملیں گی، مگر ان کو کوئی ایسی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہوئی، وہی نابرابری ہے، وہی طبقاتی تفریق ہے، وہی انسانی آبرو و عزت کی بے قیمتی ہے وہی انسان انسان کا بھکاری ہے، وہی انسان انسان کا شکاری ہے، وہی دولت کی حد سے بڑھی ہوئی محبت ہے، وہی چھوت، چھات ہے، وہی شراب نوشی کا جنون ہے، اور ہزاروں آدمیوں کی جانیں زہریلی شراب میں جاتی ہیں۔

میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ سنجیدگی کے ساتھ سیرت کا مطالعہ کریں، اور ہمارے ہندوستان میں اردو کا جو لٹریچر تیار ہو گیا ہے، اس کا بغور مطالعہ کریں، اگر اس مجلس سے اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ تحریک پیدا ہو جاتی ہے تو یہ مجلس اور یہ اہتمام جو اس مبارک موقع کے لئے کیا گیا پورے طور پر وصول ہوا۔

وما التوفيق الا من عند الله

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ایک ایسا انسانی مجموعہ تھی جس میں نبوت کے اعجاز نے متضاد انسانی کمالات پیدا کر دیئے تھے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں:

"خاکی و نوری نہاد بندۂ مولیٰ صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کے ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز
اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساقی ارباب ذوق، فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا رحیق، تیغ ہے اس کی اصیل

اب ہم اس کے بارے میں کچھ تاریخی شہادتیں اور بیانات نقل کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ محض عقیدت مندی پر مبنی یکطرفہ بیان نہیں ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰؓ اور صحابہ کرامؓ:

ہم اس سلسلہ کا آغاز سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے خطبات کے دو اقتباسات سے

کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں (جن کی ذات بعض مکاتب خیال اور فرقوں کے یہاں موضوع بحث بن گئی ہے) ان کی شہادت شہادت عینی کے مصداق اور ان کا بیان، اہل بیت کرام کی صداقت اور بلاغت وفصاحت علوی کا مظہر ہے، یہ ملحوظ رہے کہ یہ بیان اپنے ان رفقاء کے متعلق ہے جو ان کی زندگی میں سفر آخرت اختیار کر چکے ہیں اور اس وقت دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ یہ بیان صرف چار جلیل القدر صحابہ اور رفقاء (سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، مقدادؓ بن الاسود، عمار بن یاسرؓ) کے متعلق نہیں ہوسکتا، جن میں سے متعدد ان کی زندگی میں موجود اور ان کے ہم رکاب ہیں۔(١) یہ اقتباسات آپ کے خطبات اور رسائل و فرامین کے (حضرات شیعہ کے نزدیک) معتبر اور متفق علیہ مجموعہ ''نہج البلاغہ'' سے ماخوذ ہے جو شہرہ آفاق ہاشمی شیعی ادیب وشاعر ''الشریف الرضی'' (٣٥٩۔٤٠٤ھ) کا جمع کیا ہوا ہے۔ جو اپنے عہد سے لے کر اس عہد تک مستند، متداول اور متبرک ہے اور جس کی شرح مشہور شیعہ عالم و متکلم ابن ابی الحدید (٥٨٦۔٦٥٥ھ) نے بڑے شرح وبسط کے ساتھ لکھی ہے، خطابت و بلاغت کے اس شکوہ اور کمال کی بناء پر جو حضرت امیر المومنین کا حصہ ہے اور قارئین کو ہر طرح کے شک و شبہ سے دور رکھنے کے لئے ہم ایک طرف اصل عبارت نقل کرتے ہیں، دوسری طرف اس کا ترجمہ دیتے ہیں۔ امیر المومنین فرماتے ہیں:

لقد رأيت اصحاب محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم فماارى احداً يشبههم منكم لقد كانوا يصبحون شعثاً غبراً وقد باتوا سجداً وقياماً، يراوحون بين جباههم وخدودهم، ويقفون على مثل الجمر من ذكر معادهم كان بين أعينهم ركب المعزى من هول سجودهم اذا ذكر الله هملت اعينهم حتى تبلى جيوبهم وما دوا كما يميد الشجر يوم الريح العاصف، خوفاً من العقاب ورجاءً للثواب

میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی ایسی شان دیکھی ہے کہ میں تم میں سے کسی کو ان کا مشابہ نہیں، وہ صبح اس حال میں نظر آتے تھے کہ ان کے بال بکھرے ہوئے غبار آلود ہیں۔ رات انہوں نے سجدے اور قیام میں گذاری ہوتی۔ کبھی اپنی پیشانیوں پر جھکے ہوتے تھے، کبھی

---

(١) حضرت عمارؓ بن یاسر نے خلافت مرتضوی میں ٣٧ھ میں اور سلمان فارسیؓ نے ٣٦ھ میں وفات پائی۔ حضرت علیؓ کی شہادت ٤٠ھ کا واقعہ ہے۔

اپنے رخساروں پر قیامت کی یاد سے ایسے بے چین نظر آتے تھے، جیسے انگاروں پر کھڑے ہوں۔ ان کی پیشانی (کثرت وطول سجود سے ایسی سخت وخشک معلوم ہوتی تھی جیسے بکری کی ٹانگ، اللہ کا نام لیا جاتا تو ان کی آنکھیں ایسی اشکبار ہو جاتیں) کہ ان کی گریبان اور دامن تر ہو جاتے اور وہ اس طرح لرزتے ہوئے نظر آتے جیسے تیز آندھی کے وقت درخت سزا کے خوف اور ثواب کی امید میں۔

دوسرے خطبہ میں فرماتے ہیں:

این القوم الذین دعوا الی الاسلام نقبلوه وقرار القرآن فاحكموا وهيجوا او القتال فولهوا وله اللقام الى اولادها وسلوم اليسوف اغمادها، واخذوا باطراف الارض زحفا زحفا وصماً و صفاً بعض هلك وبعض بجاء لايبشرون بالاحياء ولا يعزون بالموتى مره العيون عن البكاء خمعى البطون من الصيام، ذبل الشفاه من الدعاء صمرا لاموالله من المهر على وجوههم غيرة الخاشعين

وہ لوگ کہاں ہیں جن کو اسلام کی دعوت دی گئی تو انہوں نے اس کو قبول کیا۔ قرآن پڑھا تو اس پر اچھی طرح سے عمل کیا۔ جہاد کے لئے ان کو جوش دلایا گیا تو اس طرح اس کی طرف بڑھے جیسے اونٹنیاں اپنے بچوں کی طرف دوڑ کر جاتی ہیں۔ انہوں نے تلواریں بے نیام کرلیں اور اطراف زمین میں گروہ درگروہ ہوکر پروانہ وار بڑھے۔ کوئی شہید ہوگیا، کوئی بچا نہ ان کو اپنے ساتھیوں کی زندگیوں کی مبارکباددی جاسکتی ہے، (اس لئے کہ وہ شہادت کو نعمت سمجھتے ہیں) نہ دنیا سے رخصت ہونے والے ساتھیوں پر ان سے تعزیت کی جاسکتی ہے (کیونکہ وہ ان پر رشک کرتے ہیں اور ان کو کامیاب سمجھتے ہیں) اِن کی آنکھیں فرط گریہ سے سفید ہوگئیں۔ ان کے پیٹ روزوں کی وجہ سے پیٹھ سے لگے ہوئے ہیں، ان کے ہونٹ دعا سے خشک ہو رہے ہیں، ان کے رنگ بے خوابی وشب بیداری سے زرد ہیں۔ ان کے چہروں پر اہل خشیت کی اداسی ہے۔

اولئک اخوان الزاهبون! فحق لنا ان نطماً اليهم وبعض الايدى على فراقهم.

یہ میرے وہ بھائی ہیں جو دنیا سے چلے گئے۔ ہم کو حق ہے کہ ہم میں ان سے ملنے کی پیاس پیدا ہو اور ہم ان کی جدائی پر ہاتھ ملیں۔

صحابہ کرامؓ وشیخینؓ کے بارے میں غیر مسلم فضلاء اور مستند مغربی مورخین کی شہادتیں:

اس مبارک آغاز کے بعد ہم چند غیر مسلم فضلاء اور مستند مورخوں کی شہادتیں نقل کرتے ہیں۔ مغربی فاضل کائتانی اپنی کتاب "سنین الاسلام" میں کہتا ہے۔

"یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی اخلاقی وراثت کے سچے نمائندے مستقبل میں اسلام کے مبلغ اور محمد (ﷺ) نے خدارسیدہ لوگوں تک جو تعلیمات پہنچائی تھیں، اس کے امین تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی مسلسل قربت اور ان سے محبت نے ان لوگوں کو فکر و جذبات کے ایک ایسے عالم میں پہنچادیا تھا جس سے اعلیٰ اور متمدن ماحول کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

درحقیقت ان لوگوں میں ہر لحاظ سے بہترین تغیر ہوا تھا اور بعد میں انہوں نے جنگ کے مواقع پر مشکل ترین حالات میں اس بات کی شہادت پیش کی کہ محمد (ﷺ) کے اصول وافکار کی تخم ریزی زرخیز زمین میں کی گئی تھی جس سے بہترین صلاحیتوں کے انسان وجود میں آئے۔ یہ لوگ مقدس صحیفہ کے امین اور اس کے ماخذ تھے اور رسول اللہ ﷺ سے جو لفظ یا حکم انہیں پہنچا تھا اس کے زبردست محافظ تھے۔

یہ تھے اسلام کے قابل احترام پیشرو جنہوں نے مسلم سوسائٹی کے اولین فقہاء، علماء اور محدثین کو جنم دیا۔

مشہور فرانسیسی مصنف ڈاکٹر لیبان اپنی شہرۂ آفاق کتاب "تمدن عرب" میں لکھتا ہے:

"غرض یہ ہے کہ اس نئے دین کو بہترے مواقع درپیش تھے اور بے شک وہ اصحاب نبی ﷺ کی خوش تدبیری تھی جس نے انہیں ان مواقع پر کامیاب کیا، انہوں نے خلافت کے لئے ایسی ہی اشخاص کا انتخاب کیا جن کی ساری غرض اشاعت دین محمدی تھی۔(۱)

مشہور انگریز مصنف گبن خلائے راشدین کے متعلق اپنی کتاب "زوال وسقوط روما" میں لکھتا ہے:

---

(۱) تمدن عرب صفحہ ۱۲۴، ترجمہ شمس العلماء ڈاکٹر سید علی بلگرامی، مطبع آگرہ

''پہلے چار خلفاء کے اطوار صاف اور ضرب المثل تھے، ان کی سرگرمی، دلدہی اخلاص کے ساتھ تھی اور ثروت و اختیار پا کر بھی انہوں نے اپنی عمریں ادائی فرائض اخلاقی اور مذہبی میں صرف کیں۔(۱)

ڈاکٹر فلپ ہٹی اپنی مشہور کتاب ''مختصر تاریخ عرب'' میں لکھتا ہے:

''ابوبکرؓ مرتدین کو مغلوب کرنے والے اور جزیرۃ العرب کو اسلام کے جھنڈے کے نیچے متحد کرنے والی ایک سیدھی سادی زندگی گزارتے تھے جو متانت و وقار سے بھری ہوئی تھی۔ وہ اپنی خلافت کی مختصر مدت کے پہلے چھ مہینے میں روزانہ اپنی قیام گاہ ''سخ'' سے جہاں وہ اپنے مختصر خاندان کے ساتھ ایک معمولی سے مکان میں رہتے تھے، صبح اپنے دارالحکومت مدینہ کی طرف آتے تھے۔ وہ حکومت سے کوئی تنخواہ نہیں لیتے تھے، اس لئے کہ اس وقت حکومت کی کوئی آمدنی نہیں تھی جو قابل ذکر ہو۔ وہ حکومت کے تمام کام مسجد نبوی ﷺ کے صحن میں بیٹھ کر انجام دیتے تھے۔

ان کے باصلاحیت جانشین عمر (۶۳۴۔۴۴ء) سادہ زندگی بسر کرنے والے اور بہت فعال تھے۔ دراز قد، مضبوط جسم اور سر کے بال گر گئے تھے۔ خلیفہ ہونے کے بعد کچھ عرصہ تجارت ان کا ذریعہ معاش تھی اور بالکل بدو سرداروں کی طرح ان کی زندگی شان و شوکت اور لڑائی کے مظاہرے سے دور تھی۔ ان کا بے داغ کردار ان کے جانشینوں کے لئے ایک مثال تھا، بتلایا جاتا ہے کہ ان کے پاس صرف ایک قمیص اور ایک لبادہ تھا جس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ کھجور کی چھال بھرے ہوئے بستر پر سوتے تھے اور انہیں دین کی پاسداری، انصاف اور حکومت کو اسلام اور عربوں کے لئے محفوظ رکھنے کے علاوہ اور کسی بات کی فکر نہیں تھی۔''(۲)

سر ولیم میور اپنی مشہور کتاب ''تاریخ خلافت اولیٰ'' میں لکھتا ہے:

''ابوبکرؓ کے دربار کی سادگی کا وہی عالم تھا جو محمد ﷺ کی زندگی میں تھا۔ نہ خدام تھے اور نہ محافظ اور نہ حکومت کی شان و شوکت ظاہر کرنے والی کوئی اور شے۔ ابوبکرؓ محنت کے عادی تھے اور ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاملات کی جزئیات پر بھی نظر

(۱) تمدن عرب صفحہ ۸۵۔۳۸۴، جلد نمبر ۵ مطبوعہ لندن ۱۹۱۱ء
(۲) ہسٹری آف دی عربس، لندن ۱۹۵۲ء صفحہ ۷۶

رکھتے تھے۔ راتوں کو وہ مصیبت زدہ اور غرباء کی تلاش میں گھومتے رہتے۔ حکومت کے عمال اور اعلیٰ حکام کو تعینات کرنے میں کنبہ پروری یا طرفداری سے بالاتر اور ان کی کردار سے عقل و دانش کا اظہار ہوتا ہے۔'' (۱)

مزید لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے بعد سے سلطنت اسلام میں سب سے بڑے شخص عمرؓ تھے، کیونکہ انہیں کی دانائی، استقلال کا ثمرہ تھا کہ اس دس سال کی مدت میں شام، مصر، فارس کے علاقے جن پر اس وقت اسلام کا قبضہ رہا ہے، تسخیر ہو گئے۔ مگر باوجود ایسی عظیم الشان سلطنت کے فرمانروا ہونے آپ کو کبھی اپنے فیصلہ فراست اور متانت کی میزان میں پاسنگ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ آپ نے سردار عرب کے سادہ اور معمولی لقب سے کسی زیادہ عظیم الشان لقب کے ساتھ اپنے آپ کو ملقب نہ کیا۔ دور دراز صوبوں سے لوگ آتے اور مسجد نبوی ﷺ کے صحن کے چاروں طرف نظر دوڑا کر استفسار کرتے کہ خلیفہ کہاں ہیں؟ حالانکہ شہنشاہ یعنی خلیفہ سادہ لباس میں ان کے سامنے بیٹھے ہوتے تھے۔ (۲)

جسٹس سید امیر علی کے بیانات:

سنی فضلاء اور مصنفین کے بجائے ہم چند اقتباسات رائٹ آنریبل جسٹس سید امیر علی (۳) کی کتاب (A short History of the Saracens) سے پیش کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

....

(۱) The Annal of Early Caliphte Lonoon 1892. p 122

(۲) ترجمہ ماخوذ از ''آیات بینات'' از نواب محسن الملک صفحہ ۲۰۔۲۱ (مطبع مصطفائی، ۱۳۱۵ھ)

(۳) سید امیر علی (۱۸۴۹ء۔۱۹۲۸ء) سادات کے ایک شیعہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو خراساں سے نادر شاہ کے ساتھ آیا۔ محسنیہ ہگلی کالج کلکتہ میں انگریزی اور عربی کی تعلیم حاصل کی اور قانون کا مطالعہ کیا۔ ۱۸۷۳ء میں بیرسٹری کی سندھ حاصل کی۔ ۱۹۰۴ء میں بنگال ہائی کورٹ سے سبکدوش ہوئے اور انگلستان میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ۱۹۰۹ء میں لندن کی پریوی کونسل کی قانونی کمیٹی کے پہلے ہندوستانی رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۸ء میں انتقال کیا۔ اسلامیات پر لکھنے والے شاید کسی ہندوستانی مصنف کے پاس ایسا پر زور علم اور اس کو اہل زبان کی طرح انگریزی پر ایسی قدرت ہو جتنی کہ سید امیر علی کو تھی بقول مستشرق ''کم ایسے اہل زبان ہوں گے جو مصنف کے اسلوب کا مقابلہ کر سکیں۔''

''خلفاء راشدین کے زمانے میں مسلمانوں کی جو سیاسی حالت تھی، اگر اس کا جائزہ لیا جائے تو جو منظر آنکھوں کے سامنے آتا ہے وہ ایک عوامی حکومت کا ہے جس کا سربراہ ایک منتخب شدہ امیر تھا جو محدود اختیار کا مالک تھا، رئیس مملکت کے خصوصی اختیارات انتظامی اہتمامی امور کے دائرہ کے اندر محصور تھے۔ قانون سب کے لئے ایک تھا۔ امیر کے لئے بھی اور غریب کے لئے بھی، صاحب اقتدار کے لئے بھی اور کھیت پر محنت ومشقت کرنے والے کے لئے بھی۔(۱)

آگے لکھتے ہیں:

''خلفائے راشدین نے جس سخت گیری سے اپنے آپ کو عوام کی بہبود کے لئے وقت کر رکھا تھا اور جس انتہائی سادگی سے وہ زندگی بسر کرتے تھے وہ ہادیٔ اسلام کی مثال کی پوری پوری تقلید تھی۔ انہوں نے خدم وحشم اور ظاہری شان وشوکت کے بغیر محض اپنے حسن کردار اور سیرت کی مدد سے لوگوں کے دلوں پر حکومت کی۔(۲)

جہاں تک شیخین (خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ اور خلیفہ دوم حضرت عمرؓ) کا تعلق ہے، سید امیر علی نے ان کے زاہدانہ طرز زندگی، ان کی معدلت شعاری اور ان کی خدمات اور احسانات کا پوری فراخ دلی اور زور قلم کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''عربوں میں کسی قبیلہ کی سرداری اور سربراہی موروثی نہیں ہوتی۔ اس کا انحصار انتخاب پر ہوتا ہے۔ عمومی حق رائے دہندگی کے اصول پر شدت سے عمل کیا جاتا ہے۔ قبیلہ کے تمام افراد کی سردار کے انتخاب میں آواز ہوتی ہے۔ انتخاب متوفی کے پسماندگی کے افراد نرینہ میں سن و سال، بزرگی وتقدم کے اصول پر ہوتا ہے۔

اس قدیم قانون وروایت کی پیغمبر صاحب کے جانشین کے انتخاب میں بھی پابندی کی گئی، چونکہ حالات کی نزاکت کسی تاخیر کی اجازت نہیں دیتی تھی، اس لئے ابوبکرؓ جو اپنی عمر اور اس حیثیت ومرتبہ کی بناء پر جوان کو مکہ میں حاصل تھا اور وہ عربوں کے حساب وانداز ہ میں بڑا

---

(۱) ماخوذ از دروح اسلام ترجمہ "Sprit of Islam" مطبوعہ ادارہ ثقافت، لاہور، صفحہ ۴۲۰-۴۲۱

(۲) روح اسلام صفحہ ۴۲۳

مرتبہ رکھتے تھے بغیر کسی تاخیر کے خلیفہ یا پیغمبر کے جانشین منتخب ہوئے۔

ابوبکرؓ اپنی دانشمندی اور اعتدال کی وجہ سے امتیاز خاص کے مالک تھے۔ ان کے انتخاب کو حضرت علیؓ اور خاندان نبوت نے اپنی روایتی خلوص اور اسلام کے ساتھ وفاداری وار دلی وابستگی کی بناء پر تسلیم کیا۔" (۱)

آگے چل کر حضرت عمرؓ کے متعلق لکھتے ہیں:

"حضرت ابوبکرؓ کا مختصر دور خلافت ریگستانی قبیلوں میں امن وامان کرنے ہی میں صرف ہوگیا۔ انہیں صوبوں کی باقاعدہ تنظیم کی مہلت نہ ملی، لیکن جب حضرت عمرؓ جو صحیح معنوں میں ایک عظیم انسان تھے، مسند خلافت پر بیٹھے تو اس وقت محکوم قوموں کی فلاح و بہبود میں انتھک کوششوں کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو ابتدائی مسلم حکومتوں کا طرۂ امتیاز ہے۔" (۲)

حضرت عمرؓ کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"حضرت عمرؓ کی جانشینی اسلام کے لئے بڑی قدر و قیمت کی حامل تھی۔ وہ اخلاقی طور پر ایک مضبوط طبیعت وسیرت کے آدمی، انصاف کے بارے میں بڑے بااصول اور حساس، بڑی قوت عمل اور سیرت کی پختگی کے آدمی تھے۔ (۳)

حضرت عمرؓ کی وفات اسلام کے لئے ایک بڑا سانحہ اور خسارہ تھا۔ سخت لیکن منصف، دوربین، اپنی قوم کی سیرت و مزاج کا بڑا وسیع تجربہ رکھنے والے، ایک ایسی قیادت کے لئے بڑے موزوں تھے جو بے آئینی کی خوگر تھی۔ اپنے مضبوط ہاتھ میں تازیانہ رکھتے ہوئے خانہ بدوش قبائل اور ان نیم وحشی لوگوں کے رجحانات کو انہوں نے قابو میں رکھا اور ان کو اس وقت اخلاقی گراوٹ سے بچالیا جب ترقی پسند شہروں کے عیش وعشرت اور وسائل راحت اور مفتوحہ ملکوں کی دولت سے ان کا سابقہ پڑ رہا تھا۔ وہ اپنی رعیت کے ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے دسترس میں تھے۔ رات میں لوگوں کی حالت معلوم کرنے کے لئے بغیر کسی محافظ یا مصاحب کے گشت کرتے۔ یہ اس شخص کی حالت تھی جو اپنے عہد کا سب سے طاقت ور حکمران تھا۔ (۴)

---

(۱) A Short History of the Sarcens P-21 (۲) روح اسلام صفحہ ۴۳۰

(۳) A Short History of the Sarcens P-27

(۴) A Short History of the Sarcens P-43

حضرت عثمان غنیؓ:

مستند تاریخ کی شہادت ہے کہ خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی میں سادہ اور زاہدانہ تھی۔ وہ باہر سے آنے والے وفود اور خلافت کے مہمانوں کو پر تکلف کھانا کھلاتے تھے، لیکن ان کو گھر میں روغن وزیتون یا سرکہ کے ساتھ روٹی کھاتے دیکھا گیا ہے۔(۱) صائم الدہر تھے۔ خدام کے باوجود اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ رات کو کسی ملازم کو جگاتے نہیں تھے۔ فرماتے تھے کہ رات ان کی ہے۔(۲)

ان کا ایک غلام تھا۔ انہوں نے اس کے کبھی کان کھینچے تھے، اپنے عہد خلافت میں اس سے کہا کہ تم مجھ سے قصاص لے لو، اس نے ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا اچھی طرح سے بدلہ لے لو، دنیا میں بدلہ ہو جائے، آخرت میں حساب باقی نہ رہے۔(۳)

عبدالملک بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو اپنے عہد خلافت میں جمعہ کے دن منبر پر دیکھا، ان کے جسم پر ایک موٹی عدنی چادر تھی جس کی قیمت چار پانچ درہم ہوتی تھی۔ (۴) حسن بصریؒ راوی ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا کہ وہ مسجد میں دو پہر کو آرام کر رہے ہیں، کھڑے ہوتے ہیں تو ان کے پہلو پر کنکریوں کا نشان نظر آتا ہے اور لوگوں میں چرچا ہے کہ یہ امیر المؤمنین ہیں۔(۵) منبر پر بیٹھ کر بازار کے نرخ وغیرہ دریافت کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے معاملات کا ان کو بڑا اہتمام تھا۔ موسیٰ بن طلحہ راوی ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا۔ منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مؤذن اقامت کہہ رہا ہے اور وہ لوگوں سے ان کے حالات اور سفر کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں۔ ان کے ایثار و قربانی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے ان باغیوں سے جو مصر سے آکر ان پر حملہ آور ہوئے تھے، طاقت موجود ہونے کے باوجود لڑنا اور کسی مسلمان کا خون بہانا پسند نہیں کیا اور اسی حال میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے جان

(۱) روایت شرجیل بن مسلم بسند صحیح "حلیۃ الاولیاء" ابی نعیم ج ا صفحہ ۶۰
(۲) طبقات ابن سعد ج ۳ صفحہ ۶۰
(۳) طبقات ابن سعد ج ۳ صفحہ ۶۰
(۴) الریاض النضرۃ فی فضائل العشرہ للمحب الطبری ورق ۲۰۵ (ب) نمبر مخطوط ۱۷۸۴ کتب خانہ ندوۃ العلماء
(۵) حلیۃ الاولیاء (ابی نعیم) ج ص صفحہ ۵۰

دی۔اسی کے ساتھ خلافت سے دستبردار ہونا بھی گوارا نہیں کیا جس کو وہ مسلمانوں کی امانت اور احادیث اور ارشادات نبوی ﷺ کی بناء پر رسول اللہ ﷺ کی منشاء سمجھتے تھے۔(۱)

بقول سید امیر علیؒ "ان کی سب سے بڑے خوبی خدا ترسی تھی۔" جبکہ ولیم میور کے مطابق وہ بہت نرم دل تھے اور اگر انہیں امن و امان کا زمانہ ملتا تو وہ عوام میں بہتر مقبول ہوتے۔" (۲) شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں لیوی ڈیلا ویڈ رقم طراز ہیں کہ "ولیماؤسن" نے ذکر کیا ہے اور کٹیانی نے زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔عثمانؓ نے عمرؓ کی پالیسی پر ہی عمل کیا اور اسے اور ترقی دی۔(۳)

خلافت عثمانی میں جو ۱۲ سال کے عرصہ پر محیط ہے، ایسی عظیم الشان فتوحات حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ہوئیں جن کی نظیر اس سے پیشتر کی تاریخ میں نہیں ملتی۔اس زمانہ میں اسلامی مملکت کے دائرہ میں بڑی وسعت ہوئی۔اس کے حدود سندھ سے لے کر اندلس (اسپین) تک جا پہنچے۔اسلامی افواج نے اس عہد میں بڑی جنگوں کے علاوہ بحری قوت کا بھی مظاہرہ کیا اور قبرص، روڈس کے جزائر فتح کئے۔ایک عظیم الشان بحری بیڑا تیار کیا گیا، حالانکہ اس سے پیشتر ان کے پاس ایک کشتی بھی نہ تھی۔اسلامی فوج ۳۲ھ میں ابنائے قسطنطنیہ (باس فورس) تک جا پہنچی۔۳۵ھ میں طرابلس الغرب (لیبیا) پر فوج کشی ہوئی اور دو ہی سال بعد تیونس، الجزائر اور مراکش کے علاقوں کو فتح کرلیا گیا۔اس سال عبداللہ بن نافع نے سمندر پار کرکے اندلس کا محاصرہ کیا۔مسلمانوں کی فوجیں قفس (رک بآل) اور بحیرۂ اسود کے کناروں تک جا پہنچیں۔ ۴۰ھ میں خراسان اور طبرستان کی طرف پیش قدمی ہوئی۔جرجان، خراسان اور طبرستان فتح ہوا۔ عبداللہ بن عامر نے مزید آگے جا کر سوات، کابل، بجستان، نیشاپور اور ارد گرد کے علاقوں کو مطیع بنایا۔طخارستان اور کرمان فتح ہوئے اور یوں کوہ قاف اور بحر خزر (قزوین) تک اسلامی حکومت وسیع ہوگئی۔ان کے مبارک عہد میں مسلمانوں نے ہندوستان کی طرف بھی توجہ دی اور گجرات

(۱) ایضاً صفحہ ۶۰

(۲) ماخوذ از کتاب تاریخ الخلفاء (سیوطی) البدایۃ والنہایۃ بیروت مکتبۃ المعارف (ابن کثیر طبع ۱۹۶۶ء، وغیرہ مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۹۵۳ء

(۳) A Short History of the Sarcens P-48

کے ساحلی علاقوں تک ان کے قدم جا پہنچے۔(۱) ان کے عہد خلافت میں تہذیب وتمدن، صنعت وحرفت، تجارت وعلوم وفنون کو بھی ترقی ہوئی۔ دولت وثروت اور فارغ البالی کا دور دورہ ہوا۔

ان کی ایک اہم خدمت مسجد الحرام کی توسیع ہے جو ۲۶ھ میں کی گئی۔ ۲۹ھ میں انہوں نے مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر وتوسیع کرائی، بحری فتوحات کے سلسلہ میں بھی حکم دیا کہ مفتوحہ علاقوں میں مسجدیں تعمیر کی جائیں اور پرانی مساجد مزید وسیع کی جائیں۔ ان کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ عالم اسلام کو ایک مصحف اور ایک ہی قرأت پر جمع کرنا تھا۔ قرآن مجید کو لکھوا کر تمام ممالک اسلامیہ میں شائع کرنا اور ایک ہی قرأت پر سارے ممالک اسلامیہ کو متحدہ کر دینا خلافت عثمانیہ کا مہتم بالشان واقع ہے۔(۲)

حضرت علی مرتضیٰ:

جہاں تک خلیفہ چہارم سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ذات گرامی کا تعلق ہے، ان کے بارے میں سوائے خوارج کے کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ ہم یہاں ان کے ایک رفیق ضرار بن ضمرہ کا ایک بیان پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جس میں انہوں نے حضرت معاویہؓ کی فرمائش واصرار پر امیر المومنین کے بارے میں اپنی معلومات، مشاہدات وتاثرات پیش کئے اور الفاظ میں تصویر کشی کی، اس سے یہ بھی اندازہ ہوگا کہ خلافت وحکومت میں بھی اس قدسی جماعت کی کیا حالت تھی جو درسگاہ نبوت اور مدرسہ ایمانی وقرآنی سے تیار ہو کر نکلی تھی۔

"ان کو دنیا اور اس کی بہار اور رونق سے وحشت ہوتی تھی اور رات اور اس کی تاریکی میں دل بہلتا تھا، آنکھیں پر اشک رہا کرتی تھیں، ایک لمبے فکر اور سوچ میں رہا کرتے تھے۔ لباس

---

(۱) ان وسیع اور عظیم فتوحات کے نتیجہ میں جس وسیع پیمانہ پر اسلام کی اشاعت ہوئی اور ملک کے ملک اور قوموں کے قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں اس کا آسانی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے اور تاریخ میں اس کی شہادتیں ملتی ہیں۔

(۲) تلخیص از اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۲ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۳ء۔ یہاں ان کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حضرت علیؓ سے کوفہ کے کچھ لوگوں نے اس بات کی شکایت کی کہ ان کے پیشرو نے قرآن مجید کی ایک قرأت پر لوگوں جو جمع کر دیا ہے تو حضرت علیؓ نے انتہائی برہمی کے ساتھ جواب دیا۔

"خاموش! عثمانؓ نے ہم میں سے سربرآوردہ صحابہؓ کی رائے سے ہی یہ قدم اٹھایا تھا، اور اگر اس وقت ان کے بجائے میں خلیفہ ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔"

وہ پسند آتا جو موٹا ہو، کھانا وہ دل کو بھاتا جو معمولی اور سادہ ہو، بالکل معمولی آدمی کی طرح رہتے، ہم میں اور ان میں کوئی فرق معلوم نہ ہوتا۔ جب ہم کچھ پوچھتے تو جواب دیتے۔ جب ہم آتے تو وہ سلام میں پہل کرتے، جب ہم بلاتے تو بے تکلف آجاتے، لیکن ان کے یہاں اس تقرب اور ہمارے قرب کے باوجود رعب اتنا تھا کہ ہم گفتگو نہ کرسکتے اور خود چھیڑ کر بات نہ کرسکتے۔ دین داروں کی تعظیم کرتےتھے اور مسکینوں سے محبت رکھتے تھے۔ طاقتور کو ان سے کسی غلط چیز کی امید نہ ہوتی اور کمزور ان کے انصاف سے ناامید نہ ہوتا۔ بخدا میں نے ان کو بعض مواقع پر اس وقت دیکھا ہے کہ رات نے اپنے پردے ڈال دیئے تھے اور تارے ڈھل گئے تھے۔ وہ اپنی محراب میں کھڑے تھے، داڑھی پکڑے ہوئے، مارگزیدہ کی طرح تڑپتے تھے اور اس طرح روتے تھے کہ جیسے دل پر چوٹ لگی ہو، گویا میں سن رہا ہوں اور وہ کہہ رہے ہیں۔ اے دنیا! کیا مجھ سے چھیڑ کرنے چلی ہے، اور مجھ پر تیری نظر ہے؟ اس کی امید نہ کرنا، کسی اور کو فریب دے، میں نے تجھ کو ایسا چھوڑا ہے کہ کبھی تیرا نام بھی نہ لوں گا۔ تیری عمر مختصر، تیری زندگی بے وقعت اور تیرا خطرہ بہت ہے۔ ہائے سامان سفر کس قدر کم ہے، سفر کتنے دور کا ہے۔ راستہ کتنا وحشت ناک ہے۔"

خلفاء کی زاہدانہ زندگی اور خاندان میں سے کسی کو جانشین نہ بنانا:

ان خلفاء کے اخلاص، للّٰہیت، ان کی عظمت و انفرادیت کی کھلی ہوئی ایک دلیل یہ تھی کہ انہوں نے موسسین سلطنت اور دوراندیش بلند حوصلہ حکمرانوں کی طرح نہ تو اس بے پایاں دولت اور صدیوں کے اندوختہ سے جو سیلاب کی طرح فارس و روما سے امنڈتا ہوا چلا آرہا تھا، کوئی فائدہ حاصل کیا اور عیش عشرت کی نہ سہی، فراغت و راحت کی زندگی گذاری، بلکہ اپنے مقتدیٰ اور محبوب کے نقش قدم پر چل کر عسرت و تنگی اور زہد و ایثار کی زندگی گذاری بلکہ وہ خلافت کی منصب پر متمکن ہونے سے پہلے زیادہ فارغ البال و مطمئن تھے۔

جس طرح ان خلفاء نے زندگی بسر کی، اس کے متعلق گبن لکھتا ہے:

"ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی ہمت و جرأت کی آزمائش رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے سخت حالات اور جنگوں کے ذریعے ہو چکی تھی اور جنت کی بشارت نے انہیں دنیاوی لذات اور

خطرات سے لاپرواہ بنادیا تھا۔ لیکن انہوں نے حکومت کی باگ ڈور اس وقت سنبھالی جب وہ سن رسیدہ ہو چکے تھے اور دین اور انصاف ان کی نظروں میں حکومت سے زیادہ اہمیت حاصل کر چکا تھا۔ ان کی انتہائی سادہ زندگی ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی جو روئے زمین کے بادشاہوں کی شان وشوکت کے لئے تازیانہ کا حکم رکھتی تھی۔"

دوسرے یہ کہ ان میں سے کسی نے اختیار کے باوجود اپنے بیٹے یا قریب ترین فرد خاندان کو اپنا جانشین نہیں بنایا بلکہ بالعکس انہوں نے ان کو خلافت کی ذمہ داری سے الگ رہنے کی ہدایت اور مسلمانوں کو ان کو منتخب نہ کرنے کی وصیت کی، جس کی بناء پر (فطرت، جذبہ انسانی او رصدیوں نہیں ہزاروں برسوں کی حکومتوں، حکمرانوں کی روایات اور تجربوں کو سامنے رکھ کر) اس کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ وہ سرتاپا اخلاص، للّٰہیت ظاہراً و باطناً بے غرض و بے لوث تھے اور ان کا خلافت کی ذمہ داری قبول کرنا محض رضائے الٰہی کی خاطر، دین کی اشاعت و استحکام اور فتنوں اور خطرات کے دروازے بند کرنے کے سوا کچھ نہ تھا ورنہ (جیسا کہ بعض مکاتب کا خیال اور قول ہے) اگر انہوں نے خلافت اپنے ذاتی اغراض، جاہ طلبی اور مقصد براری کے لئے قبول کی تھی تو دنیا کا فائدہ اٹھائے بغیر اپنی عاقبت خراب کرنا "گناہ بے لذت" کے سوا کچھ قرار نہیں پاتا اور یہ کسی ذی ہوش آدمی کا کام نہیں ہوسکتا کہ وہ "کوہ کندن کاہ برآوردن" کے مترادف ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کا زہد وایثار اور احتیاط:

ہم اس موقع پر ایک مثال حضرت ابوبکرؓ کی سیرت کی اور ایک حضرت عمرؓ کے واقعہ کی دینے پر اکتفا کریں گے۔ جس کے بعد ہر ایسا شخص جس کی عقل وضمیر کو تعصب نے مغلوب نہیں کیا ہے، وہ خود ہی فیصلہ کرسکتا ہے۔

عہد صدیقی کا مورخ لکھتا ہے:

"ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیوی نے شیرینی کی فرمائش کی، جواب دیا میرے پاس کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اجازت ہوتو میں خرچ روزمرہ میں سے کچھ درہم بچا کر جمع کرلوں۔ فرمایا جمع کرو۔ کچھ روز میں چند پیسے جمع ہو گئے تو حضرت ابوبکرؓ کو دیئے کہ شیرینی

لا دو۔ پیسے لے کر کہا۔ معلوم ہوا کہ یہ خرچ ضرورت سے زیادہ ہیں۔ لہذا بیت المال کا حق ہے۔ چنانچہ وہ پیسے خزانہ میں جمع کر دیئے اور اسی قدر اپنا وظیفہ کم کر دیا۔"(۱)

حضرت حسنؓ راوی ہیں کہ "حضرت ابوبکرؓ کا آخری وقت ہوا تو فرمایا "عائشہؓ وہ اونٹنی جس کا ہم دودھ پیتے تھے اور وہ لگن جس میں ہم کھانا کھاتے تھے، اور وہ چادر جو ہم استعمال کرتے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم مسلمانوں کا کام کرتے تھے۔ جب میرا انتقال ہو جائے تو ان سب کو عمرؓ کے پاس پہنچا دینا۔ جب حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوا تو انہوں نے وہ چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ابوبکرؓ! تم پر خدا کی رحمت ہو۔ تم نے اپنے بعد والے پر بڑا بوجھ ڈال دیا۔"(۲) یہ بھی آتا ہے کہ جب آخر وقت ہوا تو فرمایا کہ "میری فلاں زمین اس رقم کے معاوضہ میں بیت المال کی طرف منتقل کر دی جائے جو میں اپنی خلافت میں بیت المال سے وصول کر چکا ہوں۔"(۲) ایک دوسری راویت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "میرے مال میں سے آٹھ ہزار درہم لے کر بیت المال میں داخل کر دینا۔ اس لئے کہ اسی قدر مجھ پر صرف ہوئے تھے۔"

انتقال کے وقت فرمایا کہ "یہ دونوں کپڑے جو میرے جسم پر ہیں ان کو دھوڈالنا اور اسی میں مجھے کفن دینا، نئے کپڑے کی مرنے والے کے مقابلہ میں زندہ رہنے والے کو زیادہ ضرورت ہے۔"(۴)

حضرت عمرؓ کا سرکاری دودھ اور سفر شام:

اب دوسری مثال حضرت عمرؓ کی پیش کی جاتی ہے۔ آپ نے بہت سی مملکتوں کے بادشاہوں اور بہت سی جمہوریتوں کے سربراہوں کے سرکاری دوروں کی روداد سنی ہوگی اور ان کے شاہانہ تزک واحتشام اور کروفر کا تماشاہ دیکھا ہوگا۔ چھٹی صدی مسیحی کے سب سے بڑے طاقتور فرمانروا حضرت عمرؓ کا سرکاری دورہ (سفر شام) کی روداد مؤرخ کی زبان سے سنئے۔

(۱) کامل ابن اثیر ج ۲ صفحہ ۳۲۲ (لیڈن ۷۴۔۱۸۵۷)
(۲) تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۷، مطبعۃ السعادۃ مصر۔ ۱۹۵۲
(۳) ایضاً صفحہ ۸۴
(۴) طبقات جلد ۳ صفحہ ۱۳۱

مولانا شبلیؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''الفاروق'' میں ۱۶ھ کے سفر بیت المقدس کا حال بیان کرتے ہوئے مستند عربی تاریخوں کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''ناظرین کو انتظار ہوگا کہ فاروق اعظمؓ کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا کس سروسامان سے ہوگا؟ لیکن یہاں نقارہ ونوبت، خدم وحشم، لاؤ لشکر ایک طرف، معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجرین وانصار ساتھ تھے۔ تاہم جہاں یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظمؓ نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے، زمین دہل جاتی تھی۔

جابیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی نہیں لکھا گیا۔ معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے سم گھس کر تمام ہوگئے تھے اور رک رک کر قدم رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ دیکھ کر اتر پڑے۔ لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھے۔ حضرت عمرؓ سوار ہوئے تو ایلیل کرنے لگا۔ فرمایا کم بخت! یہ غرور کی چال تو نے کہاں سے سیکھی؟ یہ کہہ کر اتر پڑے اور پیادہ پا چلے۔ بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابوعبیدہؓ اور سرداران فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمرؓ کا لباس اور سروسامان جس معمولی حیثیت کا تھا اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور عمدہ قیمتی پوشاک حاضر کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے یہی بس ہے۔''

دوسرے سفر شام ۱۸ھ کا حال بھی سن لیجئے:

''حضرت عمرؓ نے شام کا قصد کیا۔ حضرت علیؓ کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے۔ یرفا ان کا غلام اور بہت سے صحابہؓ ساتھ تھے۔ ایلہ کے قریہ پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اس کے اونٹ پر سوار ہوئے۔ راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے، پوچھتے تھے کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ فرماتے تمہارے آگے۔ اسی حیثیت سے ایلہ آئے۔ یہاں دو ایک روز قیام کیا، گزی کا کرتہ جو زیب تن تھا، کجاوہ کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا، مرمت کے لئے ایلہ کے پادری کے حوالہ کیا۔ اس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور اس کے ساتھ ایک نیا تیار

کر کے پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔"(۱)

خلفائے ثلاثہؓ کے ساتھ سیدنا علی مرتضیٰؓ کا تعاون:

جیسا کہ سید امیر علی نے لکھا ہے۔"رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کو حضرت علیؓ اور رسول ﷺ کے خاندان کے افراد نے بخوشی قبول کر لیا۔(۲) ولیم میور نے بھی اگرچہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان رسول اللہ ﷺ کے ذاتی ترکہ کے متعلق غلط فہمی کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں اسی طرح حاضر ہوتے تھے، جس طرح دوسرے صحابہؓ اور وہ قاضی القضاۃ کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔(۳) ولیم میور یہ بھی لکھتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے خطوط عام طور پر حضرت علیؓ ہی لکھا کرتے تھے۔(۴)

"نہج البلاغۃ" کا انگریزی ترجمہ جسے عالمی شعبہ مسلم انجمن نے طبع کیا ہے، اس کے مترجم عسکری جعفری نے اپنے مقدمہ میں اس کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے اور انہیں قبول بھی کرتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے سلطنت روما سے جنگ کے موقع پر حضرت علیؓ کی رائے لی تو انہوں نے کہا کہ آپ یہیں موجود رہیں اور کسی تجربہ کار کو کمانڈر بنا کر بھیجیں۔"(۵) اسی طرح فارس سے جنگ کے موقعہ پر حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو میدان جنگ پر جانے سے منع کیا۔(۶) حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو جو صلاح دی تھی اس کی تصدیق "نہج البلاغۃ" میں شامل ہے۔ حضرت علیؓ کے خطبہ نمبر ۱۳۷ اور ۱۴۹ سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔(۷)

(۱) الفاروق ج ۱ صفحہ ۱۴۲۔۱۴۵ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۵۶ء۔ واقعہ تفصیل سے علامہ ابن کثیر کی مستند تاریخ "البدایۃ والنہایۃ" ج ۷، صفحہ ۵۵۔۶۰ اور تاریخ طبری میں ملاحظہ ہو۔
(۲) A Short History of the Sarcens P-21
(۳) A Short History of the Sarcens P-65
(۴) ایضاً صفحہ ۱۲۳
(۵) ایضاً
(۶) ایضاً صفحہ ۵۷
(۷) ایضاً ۲۶۰۔۲۷۰

سید حسین نصر ایرانی کی شہادت:

مغربی زبانوں میں اسلامیات پر متعدد کتابوں کے مصنف اور ممتاز دانشور سید حسین نصر جو ایرانی النسل شیعہ اور مستند علمی مقام رکھتے ہیں، خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے خلوص اور خدمت اسلام کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اسلامی تاریخ کے اس عدیم المثال دور کے بعد چار خلفاء (جنہیں سنی خلفائے راشدین کے نام یاد کرتے ہیں) اور چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ (جنہیں شیعہ پہلا امام مانتے ہیں) حاکم ہوئے۔ اس زمانے میں قرآنی تعلیمات اور اسوۂ رسول ﷺ کو صرف انہیں حالات سے متعلق نہیں سمجھا گیا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں پیش آنے والے تھے بلکہ سرعت کے ساتھ بیرون عرب اسلام کی اشاعت سے پیش آنے والے نئے کوائف و حالات پر بھی نافذ کیا گیا۔ بازنطینی حکومت کے کچھ حصوں پر اسلامی قبضہ اور ساسانی حکومت کے زوال کے باعث بہت سے نئے مسائل سامنے آئے جنہیں حل کرنے کے لئے پہلے سے طے شدہ اصولوں سے کام لیا گیا۔ جن لوگوں نے یہ کام انجام دیا وہ اصحابِ رسول ﷺ تھے۔ اور جن کا مقصد دنیوی مفاد کے بجائے اسلام کی خدمت تھی۔ (۱)

سیدنا علی مرتضیٰؓ نے خلفائے ثلاثہ بالخصوص شیخین کو اپنا پورا تعاون دیا۔ بہت نازک موقعوں پر ان کے صائب مشورے بڑے مفید اور قیمتی ثابت ہوئے۔ ان حضرات نے بھی آپ کے علم و فہم اور اصابت رائے کا بلند الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات اور حضرت عمرؓ کی شہادت پر آپ نے اپنے جذبات و تاثرات کا جس طرح اظہار کیا ہے اس سے ان مخلصانہ تعلقات کا پورا اظہار ہوتا ہے۔ یہ دونوں خطبے جن میں ان کا اسلوب بیان، ان کی زبان اور ان کے ادبی و بلاغتی خصوصیات پوری طرح نمایاں ہیں، کتب تاریخ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہاں طوالت کے خوف سے ان کو نقل نہیں کیا جاتا۔ (۲)

---

(۱) سید حسین نصر، آئیڈیلز اینڈ ریالیٹیز آف اسلام، بوسٹن، ۲، ۱۹۷۲ء صفحہ ۱۰۲۔۱۰۱

(۲) ملاحظہ ہو ''الریاض لانفرۃ فی فضائل العشرۃ'' تالیف محب الدین طبری (م ۶۹۴ھ) مخطوطہ کتب خانہ ندوۃ العلماء نمبر ۴ ۱۰۸ اورق ۱۲۶، ۲۱۷ نیز ۱۸۷، ۱۸۸ سیرۃ الصدیق، اردو میں حضرت ابوبکرؓ کے متعلق حضرت علیؓ کا پورا خطبہ ترجمے کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے، صفحہ ۱۴۵ تا ۱۵۱ نیز ''طبقات ابن سعد'' ج ۳ صفحہ ۳۷۰ (دار صادر بیروت)

حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کے دوران پانی روک دیا گیا تھا، حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو پانی کی تین مشکیں بھیج دیں۔ ان کے لے جانے کے سلسلہ میں بنی ہاشم کے کئی تعلق والے زخمی ہوئے۔ حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے کہا کہ اپنی تلواریں لے کر عثمانؓ کے دروازے پر کھڑے ہو جاؤ اور کسی کو ان تک پہنچنے نہ دو۔

جب حضرت عثمانؓ پر باغیوں نے نرغہ کیا اور ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ اور اپنے آزاد کردہ غلام قنبر کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت پر مامور کیا۔ اس مدافعت میں حضرت حسنؓ زخمی بھی ہوئے۔ سارا بدن خون سے رنگین ہو گیا۔ قنبر کے سر پر چوٹیں آئیں، لیکن باغی اس دروازہ سے داخل نہ ہو سکے جہاں حضرت حسنؓ کا پہرہ تھا۔ وہ دوسری دیوار پھاند کر اندر پہنچ گئے اور حضرت عثمانؓ کو بحالت تلاوت شہید کر دیا۔ (۱)

---

(۱) ملاحظہ ہو'' تاریخ الخلفاء'' سیوطی صفحہ ۱۶۰، نیز مقدمہ انگریزی ترجمہ ''نہج البلاغۃ'' از مسٹر عسکری جسفری بمبئی نمبر ۱۷۹ء، صفحہ ۶۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانیت کے محسن اعظم
اور شریف و متمدن دنیا کا اخلاقی فرض

حضرت مولانا رحمہ اللہ کا یہ مقالہ اردو میں ۲۲ اگست ۱۹۷۹ء کو اسلامک اسٹیڈیز سنٹر آکسفورڈ یونیورسٹی انگلینڈ میں پڑھا گیا اور ۲۶ اگست کو لندن کے بین الاقوامی اسلامک سنٹر پارک روڈ میں مختلف ملکوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے والے ایک عظیم مجمع کے سامنے عربی، اردو تقریروں اور تشریح و ترجمانی کے ساتھ پیش کیا گیا

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین، وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین، ومن تبعھم باحسان ودعی بدعوتھم الی یوم الدین. اما بعد.

حضرات: یہ دنیا جس میں ہم آپ رہ بس رہے ہیں اور آزادی کے ساتھ اپنے عقیدہ ذوق صلاحیت اور وسائل و امکانات کے ساتھ اپنے فرائض منصبی ادا کر رہے ہیں اور اپنے ہم وطنوں (اور اس سے آگے بڑھ کر) اپنے ہمعصروں کے ساتھ مہذب اور شریفانہ اور پرسکون اور خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں، اسی کے ساتھ تعلیمی و تدریسی تصنیفی و تحقیقی، تجرباتی و اکتشافاتی میدان میں بھی اپنے اپنے درجہ اور حوصلہ کے مطابق حصہ لیتے ہیں، اور اس زندگی اور اس کے ماحول کو اس سے بہتر، اس سے زیادہ محفوظ و پرامن، اس سے زیادہ خوشگوار و پرسکون، اور اس سے زیادہ ترقی یافتہ و معیاری بنانے کی امنگ اور خواہش رکھتے ہیں، یہ دنیا اور یہ کرۂ ارض جس پر ہم رہتے بستے ہیں، ہمیشہ سے ایسا معتدل، پرسکون، سنجیدہ باوقار، متحمل و روادار، فکری و تعمیری خدمات انجام دینے، اپنے اپنے عقیدہ و مسلک کے مطابق زندگی گزارنے ایک دوسرے کا

احترام واعتراف کرنے اور بقائے باہم کے لئے ہمیشہ تیار نہیں تھا۔

اس زمین پر بسنے والی نسل انسانی کئی بار خودکشی اور خودسوزی کے لئے تیار اور کمربستہ پائی گئی، اس دنیا کی تاریخ میں کئی دور ایسے گزرے ہیں کہ اس نسل انسانی نے زندہ اور باقی رہنے کا استحقاق کھو دیا، اور اس نے باشعور اور باضمیر انسانوں کے بجائے غیر ذی عقل جانوروں اور خونخوار وآدم خور درندوں کی شکل اختیار کرلی، تہذیب وتمدن علم وہنر، اخلاق واقدار نظام وقانون اصول وضوابط سب پر ایک احتضار (عالم سکرات) کی کیفیت طاری ہوگئی۔

سب جانتے ہیں کہ تاریخ کی تدوین کا کام بہت دیر سے شروع ہوا، اور ماقبل تاریخ کا دور مابعد تاریخ کے دور سے کہیں زیادہ طویل اور وسیع گزرا ہے پھر زوال آدمیت اور دور وحشت کی داستان کچھ ایسی خوشگوار اور قابل فخر بھی نہیں تھی کہ اس کو پیش کرنے میں مصنفین ومؤرخین اپنی صلاحیتیں صرف کریں، اس لئے ہمیں بڑے بڑے طویل وقفوں کے بعد انسانی معاشرہ تہذیب وتمدن، اور حکومتوں اور نظامہائے مملکت کے زوال کے بارے میں تاریخی شہادتیں تاریخ عالم کے صفحات پر بکھری ہوئی ملتی ہیں اور ان کا سلسلہ زیادہ تر پانچویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے انمیں سے چند یہاں درج کی جاتی ہیں۔

مشہور انگریز مصنف hgwells ساسانی اور بازنطینی حکومتوں کے ذکر میں اس عہد کی تصویر کھینچتے ہوئے لکھتا ہے:۔

سائنس اور سیاست دونوں ان برسرپیکار اور زوال پذیر حکومتوں میں موت کی نیند سو چکے تھے اتھنس Athens کے متاخرین فلسفیوں نے اپنی تباہی تک (جو اس پر مسلط کردی گئی تھی) عہد قدیم کے ادبی سرمایہ کو اگرچہ بغیر سوچے سمجھے مگر بے انتہا عقیدت کے ساتھ محفوظ رکھا تھا، لیکن اب دنیا میں انسانوں کا کوئی طبقہ ایسا باقی نہیں رہا تھا جو عہد قدیم کے شرفاء کی طرح جری اور آزاد خیالی کا حامی ہوتا اور قدماء کی تحریروں کی طرح تلاش وتحقیق یا جرأت مندانہ اظہار خیال کا داعی ہوتا۔

اس طبقہ کے ختم ہونے کی خاص وجہ سیاسی وسماجی افراتفری تھی، لیکن ایک وجہ اور بھی تھی جس کے باعث اس عہد میں ذہن انسانی کند اور بنجر ہو چکا تھا ایران اور بازنطینہ دونوں ملکوں میں عدم رواداری کا دور دورہ تھا، دونوں حکومتیں ایک نئے انداز کی مذہبی حکومتیں تھیں جس میں

آزادانہ اظہار خیال پر کڑے پہرے بٹھا دیئے گئے تھے۔(۱)

بازنطینی شہنشاہی پر ایرانی شہنشاہی کے حملے اور بازنطینیوں کی فتح کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں سماجی و اخلاقی پستی پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنف لکھتا ہے:۔

''اگر کوئی سیاسی پیش گو ساتویں صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ لیتا تو اس نتیجہ پر پہنچتا کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے کہ پورا یورپ اور ایشیا منگولوں کے زیر اقتدار آ جائے گا مغربی یورپ میں نہ کوئی نظم تھا نہ اتحاد بازنطینی اور ایرانی حکومتیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں ہندوستان بھی منقسم اور تباہ حال تھا۔

رابرٹ بری فالٹ robert bri ffult لکھتا ہے:۔

پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور یہ تاریکی تدریجا زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جا رہی تھی اس دور کی وحشت و بربریت زمانہ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی جو سڑ گئی ہو اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گزشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جیسے اٹلی، فرانس، وہاں تباہی طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔

قدیم مذاہب نے جس تہذیب کو پروان چڑھایا تھا اسکے زوال کے بارے میں جے ایچ ڈینی سن J h de ni son لکھتا ہے:۔

پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا افراتفری کے دہانہ پر کھڑی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چار ہزار ۴۰۰۰ سال کی مدت میں جس تہذیب نے بال و پر نکالے تھے وہ منتشر ہونے والی ہے اور انسان پھر اسی بربریت کی جانب لوٹنے والا ہے جس میں ہر قبیلہ اور فرقہ ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار ہو جائے اور امن و امان معدوم ہو جائے پرانے قبائلی نظام کی توانائی ختم ہو چکی تھی ...... عیسائیت نے جو رایات قائم کی تھیں وہ اتحاد اور نظم کے بجائے تفرقہ اور تباہی کی جانب لے جا رہی تھیں یہ زمانہ المناک تھا تہذیب جو ایک تناور درخت کی طرح ساری دنیا کو اپنے سایہ میں لئے ہوئی تھی اور جس کی شاخیں علم وفن اور ادب کے زریں پھل دے چکی

تھیں بربادی کے قریب تھی اسے گھن لگ چکا تھا۔

نسل انسانی اور تہذیب وتمدن کی اس جان کنی کے عالم میں جزیرۃ العرب میں خدا نے ایک انسان کو پیدا کیا اور نوع انسانی کو نہ صرف بچانے بلکہ انسانیت کے اس اعلی سے اعلی مقام تک پہنچانے کا دشوار ترین اور نازک ترین کام سپرد کیا جو مؤرخوں کے وسیع تجربے اور شاعروں کے بلند تخیل سے بھی فزوں تر تھا اور اگر اس کے لئے ناقابل انکار تاریخی شہادتیں اور تواتر نہ ہوتا تو اس کا یقین کرنا بھی مشکل تھا یہ محمد رسول ﷺ کی ذات تھی جو چھٹی صدی مسیحی میں ظہور میں آئی آپ ﷺ کا پہلا کام یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس تلوار کو جو نوع انسانی کے سر پر لٹک رہی تھی اور کوئی گھڑی تھی کہ اسکے سر پر گر کر اس کا کام تمام کردے ہٹالیا اور اس کو وہ تحفے عطا کئے جنہوں نے اسکوئی زندگی نیا حوصلہ نئی طاقت نئی عزت اور نئی منزل سفر عطا کی اور ان کی برکت سے انسانیت تہذیب وتمدن علم وفن روحانیت واخلاص اور تعمیر انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوا انہوں نے انسانی معاشرہ کو ایک بے بہا دولت عطا کی جس پر انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کی تعمیر وترقی کا دارومدار ہے وہ قیمتی سرمایہ ہے بھلائی سے محبت اور برائی سے نفرت کا مقدس ترین جذبہ اور شرک کی قوتوں اور اس کے مرکز کو پاش پاش کرنے اور خیر کی توسیع وترقی کے لئے قربانیاں دینے کا مبارک عزم انسان کی تمام ترقیات سربلندیوں اور ناقابل فراموش کارناموں کا اصل اور اسی سبب یہی مقدس جذبہ اور مبارک عزم ہے کیونکہ تمام اسباب ووسائل ساز و سامان اور تجربہ وتحقیق کے ادارے انسان کے عزم وارادہ کے تابع ہیں انہوں نے قساوت و بہیمیت کو رحمت ورافت اور شرافت وانسانیت میں بدل دیا انہوں نے اپنی اعلی تعلیمات کی اشاعت کی اس کے لئے مسلسل ومتواتر جدوجہد جاری رکھی عیش وآرام کی پرواہ نہیں کی عزت ووقار کا خیال نہیں کیا حتیٰ کہ اپنے جسم وجان کی بھی فکر نہیں کی اس مسلسل وجاں کاہ محنت ومشقت کے نتیجہ میں انسانیت سے عاری حیوانوں اور پھاڑ کھانے والے درندوں میں ایسے نیک نفس لوگ پیدا ہوئے جن کے انفاس سے دنیا معطر ہوگئی جن کے حسن وجمال سے انسانیت کی تاریخ میں دلکشی ورعنائی آگئی جو رفعت ومنزلت میں فرشتوں سے بھی آگے نکل گئے تباہ وبرباد ہونے والی انسانیت کو نئی زندگی مل گئی عدل وانصاف کا دور دورہ ہوگیا کمزوروں میں طاقت والوں سے اپنا حق وصول کرنے کی ہمت وطاقت پیدا ہوئی بھیڑیوں نے بکریوں کی گلہ بانی کی

فضاؤں میں رحم وکرم کی خنکی چھا گئی الفت ومحبت کی خوشبو پھیل گئی سعادت کا بازار گرم ہو گیا دنیا میں جنت کی دکانیں سج گئیں ایمان ویقین کی عطر بیز ہوائیں چلنے لگیں انسانی نفوس ہوا وہوس کی گرفت سے آزاد ہو گئے قلوب بھلائیوں کی طرف ایسے کھنچنے لگے جیسے مقناطیس کی طرف لوہے کے ٹکڑے۔

ہم اختصار اور انتخاب کے طور پر ان چند بنیادی اور قیمتی عطیوں کا ذکر کریں گے جنکا نوع انسانی کی رہنمائی صلاح وفلاح اور تعمیر وترقی میں نمایاں کردار رہا ہے اور جنہوں نے ایک زندہ اور درخشندہ دنیا کی تخلیق وتشکیل کی ہے جو کہنہ اور زوال پذیر دنیا سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی۔

وہ عطیات Gifts درج ذیل ہیں:۔

۱۔صاف اور واضح عقیدہ توحید۔

۲۔انسانی وحدت ومساوات کا تصور۔

۳۔انسانیت کے شرف اور انسان کی عزت وبلندی کا اعلان۔

۴۔عورت کی حیثیت عرفی کی بحالی اور اس کے حقوق کی بازیابی۔

۵۔ناامیدی اور بد فالی کی تردید اور نفسیات انسانی میں حوصلہ مندی اور اعتماد وافتخار کی آفرینش۔

۶۔دین ودنیا کا اجتماع اور حریف وبرسر جنگ انسانی طبقات کی وحدت۔

۷۔دین وعلم کے درمیان مقدس دائمی رشتہ کا قیام واستحکام اور ایک کی قسمت کو دوسرے کی قسمت سے وابستہ کر دینا علم کی تکریم وتعظیم اور اسے باقصد مفید اور خدارسی کا ذریعہ بنانے کی سعی محمود۔

۸۔عقل سے دینی معاملات میں بھی کام لینے فائدہ اٹھانے اور انفس وآفاق میں غور وفکر کی ترغیب۔

۹۔امت اسلامیہ کو دنیا کی نگرانی ورہنمائی، انفرادی واجتماعی اخلاق ورجحانات کے احتساب دنیا میں انصاف کے قیام اور شہادت حق کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ کرنا۔

۱۰۔عالم گیر اعتقادی وتہذیبی وحدت کا قیام۔

اب ہم اپنی طرف سے زیادہ کہنے اور تشریح کرنے کے بجائے چند مستند مغربی مفکرین

ومصنفین اور ادباء ومؤرخین کے تاءثرات واعترافات پیش کرتے ہیں، اس مہذب دنیا کی جن چند چیزوں سے آبرو قائم ہے اور جن کی بدولت تہذیب تاریخ اخلاقیات اور ادب وشاعری تک کی قدر وقیمت باقی ہے وہ ناقابل انکار حقائق و واقعات کا ظہار واعتراف جوہر وکمال کی قدر دانی اور محسنوں کا تشکر اور احسان مندی ہے اور جس دن ہماری یہ دنیا ہماری ادبیات ہمارا اخلاقی نظام اور ہماری ادبی صلاحیت اور اظہار خیال کی آزادی اس شریفانہ عنصر سے محروم اور عاری ہو جائے گی اس دنیا میں رہنے اور بسنے کی لذت وعزت جاتی رہے گی اور دنیا چوپایوں اور درندوں کی ایک بستی بن جائے گی جہاں سوائے پی بھر لینے اپنی سفلی خواہشات کی تکمیل اور ہواوہوس کے سوا کوئی محرک طاقت نہیں ہوگی اور جہاں استادوشاگرد لینے والے اور دینے والے معالج ومریض (حتی کہ مادر و پدر فرزند) کے درمیان رفتہ اور محافظ ورہزن کے فرق کا احساس بھی جاتا رہے گا اسی فطری جذبہ احسان مندی کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس کے مقالہ نگار ولیم ایچ ڈیوڈسن Wissiam h davidson کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہے کہ یہ ایک فطری اور عالم گیر انسانی جوہر ہے جس کو ہر زمانہ میں زندہ رہنا چاہئے۔

مقالہ نگار لکھتا ہے:۔

بقول تھامس براؤن Thomas brown جذبہ تشکر محبت کے اس فرحت بخش جذبہ کا نام ہے جو ہم کسی دوسرے سے فائدہ پہنچنے پر محسوس کرتے ہیں یہ احساس بذات خود اس منفعت کا ایک جزء ہے جس سے ہم مستفید ہوتے ہیں۔

احسان مندی کسی مہربانی کا ردعمل ہے جو پورے خلوص اور انبساط کے ساتھ واقع ہوتا ہے یہ ردعمل فوری اور فطری ہوتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ فطرت انسانی کی تشکیل کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ انسانوں کے درمیان محبت ویگانگت اس کی بنیادی صفت ہے اور نفرت ودشمنی (اپنی تمام علامتوں کے ساتھ) غیر فطری اور مخرب اخلاق ہے۔

اس اخلاقی پستی ودنائت طبع ضمیر کے مردہ ومفلوج ہونے اور شرافت انسانی کے آخری اثر سے محروم ہوجانے کا سب سے بڑا مظہر مذہبی پیشواؤں معماران انسانیت اور محسنین عالم کی

نہ صرف احسان فراموشی بلکہ ان کے بارے میں وہ زبان اسلوب اختیار کرنا ہے جو پست سے پست انسانوں کے بارے میں بھی روانہیں ہے اور جس سے نہ صرف ان کے کروڑوں ماننے والوں اور ان پر جان قربان کرنے والوں کے دل و ماغ مجروح ہوتے ہیں بلکہ حقائق بھی خون ہوتا ہے اور دیکھنے والی آنکھوں میں خاک جھونکی جاتی ہے کسی شریف معاشر اور کسی مہذب ملک کو بھی ایسے دنی الطبع ضمیر فروش احسان فراموش اور غیر مہذب انسانوں کو برداشت نہیں کرنا چاہئے اس کے مقابلہ میں ہم اس مغربی دنیا کے (جہاں ہم اپنے خیالات پیش کر رہے ہیں) چند ترقی یافتہ اور مثالی ملکوں کے منصف مزاج حقیقت پسند اور بلند پایہ مصنفین اور ادیبوں کے تأثرات اور خیالات پیش کرتے ہیں۔

فرانس کا مشہور ادیب لیمر ٹائن Lamartine نبوت محمدی ﷺ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

کسی بھی انسان نے کبھی بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے لئے اتنا رفیع الشان مقصد منتخب نہیں کیا اس لئے کہ یہ مقصد انسان کی طاقت سے باہر تھا تو ہمات اور خوش اعتقادیوں کو جو انسان اور اس کے خالق کے درمیان حجاب بن گئی تھیں زیر وزبر کرنا انسان کو خدا کے حوالہ کرنا اور خدا کی چوکھٹ پر انسان کو لانا اس زمانہ کی اصنام پرستی کے مادی خداؤں کی جگہ خدائے واحد کے پاکیزہ اور عقلی تصور کو از سر نو بحال کرنا یہ تھا وہ عظیم مقصد...... کسی انسان نے کبھی بھی ایسے عظیم الشان کام کا جو کسی صورت سے انسانی طاقتوں کے بس کا نہ تھا اتنے کمزور ذرائع کیساتھ بیڑا نہیں اٹھایا......

خدا کی توحید کا ایسے دور میں اعلان کرنا جب کہ دنیا لاتعداد ضمنی خداؤں کی پرستش کے بوجھ سے دبی ہوئی تھی بذات خود ایک قوی معجزہ تھا محمد ﷺ کی زبان سے جیسے ہی اس عقیدہ کا اعلان ہوا بتوں کے تمام قدیم معبدوں میں خاک اڑنے لگی اور ایک تہائی دنیا ایمانی حرارت سے لبریز ہوگئی۔

جان ولیم ڈریپر John willam draper یورپ کی ذہنی و علمی تاریخ کے ضمن میں لکھتا ہے:

۵۶۹ء میں جسٹی نین Justinian کی موت کے چار سال بعد سرزمین عرب کے شہر مکہ میں وہ شخص پیدا ہوا جس نے نسل انسانی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا۔

وہ مزید لکھتا ہے:

محمد ﷺ میں وہ صفات جمع ہوگئی تھیں جنہوں نے ایک سے زائد بار سلطنتوں کی قسمت کا فیصلہ کیا ہے...... انہوں نے مابعد الطبیعیات کے بیکار مباحث میں پڑنے کے بجائے لافانی صداقتوں پر زور دیا، اور اپنے آپ کو صفائی ستھرائی سنجیدگی روزے اور نماز کے ذریعہ لوگوں کی سماجی ترقی کے لئے وقف کردیا۔

اس صدی کا عظیم مفکر و مؤرخ ٹائن بی Toynbee لکھتا ہے:۔

مسلمانوں میں نسلی امتیاز کا مکمل خاتمہ اسلام کا ایک عظیم کارنامہ ہے موجودہ دنیا کی جو حالت ہے اس میں اسلام کی اس خصوصیت کی تبلیغ واشاعت وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ دوسو سال قبل تھامس کارلائل (Thomas carlyl) نے تمام پیغمبروں میں محمد ﷺ کو اپنا ہیرو منتخب کیا تھا اور اب بیسویں صدی کے اخیر میں امریکہ کے مائکل ایچ ہارٹ (Michqel h hart) نے ان لوگوں کی فہرست میں جو تاریخ عالم میں انسانیت پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئے ہیں آپ ﷺ کا ہی نام سرفہرست رکھا ہے۔

محمد رسول ﷺ کے متبعین اور آپ ﷺ کی پیدا اور تربیت کی ہوئی امت کے پوری نسل انسانی پر جو ناقابل فراموش احسانات ہیں اور اس تہذیب وتمدن کے بقا وارتقاء کے عمل میں اس کا جو عظیم الشان کردار رہا ہے اس کو مختصراً اہم دو ناقابل انکار تاریخی واقعات کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔

تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری۔ (تیرہویں صدی عیسوی) میں اچانک دنیا کے متمدن ممالک تہذیب تمدن علم وثقافت اخلاق وانسانیت اور وسیع ترین اور عمیق ترین اثرات رکھنے والے دو مذہبوں اسلام اور عیسائیت ان کے پیروؤں اور انکی قائم کی ہوئی وسیع ترقی یافتہ اور زرخیز سلطنتوں اور خود انسانیت کے مستقبل کو ایک ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا جو ماضی کی سب کوششوں پر پانی پھیر دینے والی حال کے حسن وجمال اور

فضل وکمال پر۔

خط نسخ پھیر دینے والی اور مستقبل کے تمام روشن امکانات کومشکوک ومدہم بنا دینے والی تھی یہ نیم وحشی تا تاریوں اور منگولوں کا اپنے غیر معمولی اور عبقری Genirs قائد چنگیز خاں (تموچن) کی قیادت میں متمدن مغربی وشمالی دنیا پر اچانک حملہ تھا جو ۶۱۶ھ ۱۲۱۹ء سے شروع ہوا اس حملہ کی ہولناکی ہوش رباء اور اس کے دنیا کے پورے تہذیبی وتمدنی دینی وعلمی عقلی وفکری تعمیری وصنعتی ورثہ کو برباد کردینے کی صلاحیت اور اس کے آثار وامکانات کے ظاہر ہو جانے کا اندازہ ان چند اقتباسات سے ہوگا جو ہم چنگیز خاں کے مستند مؤرخ ہیرلڈ لیمب Harold lamb کی کتاب Genghiskhan سے پیش کرتے ہیں:۔

اس کے راستہ میں جوشہر آتے اکثر حرف غلط کی طرح مٹ جاتے دریاؤں کے رخ بدل جاتے صحراء کے صحراء سراسیمہ اور لب مرگ پناہ گزینوں سے بھر جاتے اور اس کے گزر جانے کے بعد ان علاقوں میں جو کبھی آباد تھے بھیڑیوں اور گرگسوں کے سوا کوئی زندہ مخلوق باقی نہ بچتی۔

عیسائی دنیا بھی چنگیز خاں کی موت کے بعد منگولوں کی اگلی پشت کے مقابلہ میں اتنی ہی سراسیمہ وحیران تھی جب کہ خونخوار مغل شہسوار مغربی یورپ کو روندتے پھرتے تھے پولینڈ کا شاہ بولسلاس اور ہنگری کا بادشاہ بیلا ہزیمت کھا کے جنگ کے میدانوں سے بھاگے تھے اور سائی لیسیا کا ڈیوک ہنری اپنے تیوتانی شہسواروں کے ساتھ لڑتا ہوا لیگنٹز liegnitz میں مارا گیا تھا۔

یہ ایک ایسی جنگ تھی جو ہر حد سے متجاوز تھی اس حد تک جیسی دوسری عالم گیر جنگ یہ بغیر منافرت کے بنی نوع انسان کا قتل عام تھا جس کا مقصد محض انسانوں کو فنا کرنا تھا۔

انسان کی طاقت سے باہر تھا کہ منگولوں کو روک سکیں وشت وصحراء کے تمام خطروں پر وہ غالب آئے پہاڑ سمندر موسمی سختیاں قحط وبائیں کوئی بھی انکی راہ میں مزاحم نہ ہوسکا کسی قسم کے خطروں کا انہیں خوف نہ تھا کوئی قلعہ ان کے حملہ کی تاب نہ لاسکتا تھا اور رحم کے لئے کسی مظلوم کی فریاد ان پر اثر نہ کرتی تھی۔

اس کی فتوحات کا زیادہ تر اس کے دشمن مؤرخوں نے ذکر کیا ہے تہذیب وتمدن پر اس کا حملہ اس قدر ہولناک اور تباہ کن تھا کہ نصف کرۂ ارض میں پھر نئے سرے سے ابتداء کرنی پڑی

، پریسٹر جان کی حکومت اور ختا قراختائی خوارزم اور اس کے مرنے کے بعد بغداد روس اور پولینڈ کی سلطنتیں نیست و نابود ہو گئیں ، جب یہ نا قابل شکست وحشی کسی قوم کو فتح کرتا تو اور سب لڑائیاں خود بخود ختم ہو جاتیں حالات کی پوری رفتار چاہے وہ پہلے اچھی ہوتی یا بری بالکل بدل جاتی اور مغلوں کی فتح کے بعد جو لوگ باقی بچتے ان کے درمیان عرصہ تک امن قائم رہتا۔

کیمبرج کی تاریخ عہد وسطی کے مصنفوں نے منگولوں کے اس لرزہ خیز حملہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

تاریخ عالم میں اس نئی قوت کا ظہور یعنی ایک شخص واحد کی یہ قابلیت کہ بنی نوع انسان کے تمدن کو بدل دے چنگیز خاں سے شروع ہوا اور اس کے پوتے قوبیلائی خاں پر ختم ہو گیا ، جس کے زمانہ میں مغلوں کی سالم اور بسیط سلطنت نے تقسیم وتفریق کے آثار ظاہر کرنے شروع کر دیئے ایسی طاقت پھر کبھی دنیا کے پردہ پر ظاہر نہیں ہوئی۔

یہ حملہ اور اس کی دہشت ترکستان وایران وعراق تک محدود نہ تھی یورپ کے دور دراز ملکوں تک پھیل چکی تھی جہاں ان نیم وحشی تاتاریوں کا پہنچنا ایک بعید از قیاس بات تھی گبن Gibbon اپنی مشہور کتاب تاریخ انحطاط وسقوط روما The decline and fall of) میں لکھتا ہے:۔

سویڈن کے باشندوں نے روس کے ذریعہ تاتاری طوفان کی خبر سنی ان پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ وہ ان کے خوف سے اپنے معمول کے مطابق انگلستان سواحل پر شکار کھیلنے کے لئے نہیں نکلے۔

تاتاریوں نے پہلے بخارا کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اسکو ایک ذرۂ خاک بنادیا شہر کی آبادی میں سے کوئی زندہ نہیں بچا، پھر سمرقند کو خاک سیاہ کردیا اور ساری آبادی کو فنا کے گھاٹ اتار دیا یہی حشر عالم اسلام کے نامی گرامی شہروں کا ہوا، اس کا پورا امکان تھا اور یورپ کی اخلاقی حالت سیاسی انتشار وابتری اور معاشرہ کی وہ خرابی (جس کا ہم نے حقیقت پسند اور حقیقت نگار مغربی مصنفین کے حوالہ سے اوپر ذکر کیا ہے) اس کی دعوت دیتے تھے اور اسکے لئے فضا ہموار کرتے تھے کہ عالم اسلام کی آخری متحدہ طاقت خوارزم شاہی سلطنت کو نیست ونابود کرنے اور عالم اسلام کے مرکزی آباد اور گلزار شہروں کو کھنڈر بنانے کے بعد تاتاری مسیحی مغرب کا رخ

کریں اور اس کا بھی وہی حشر ہو جو اسلامی مشرق کا ہوا۔ ایچ جیولز (H gwells) کا قول ہم نقل کر چکے ہیں کہ:۔

اگر کوئی سیاسی پیشین گو ساتویں صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ لیتا تو اس نتیجہ پر پہنچتا کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے کہ پورا یورپ اور ایشیا منگولوں کے زیر اقتدار آ جائے گا۔

ہیرالڈ لیمب (Harold lamb) لکھتا ہے:۔

(چنگیز خاں) کی جہاں آشوبی و غارتگری نے تمدن کو ایسا سخت صدمہ پہنچایا کہ نصف دنیا میں تہذیب و شائستگی کو مرکراز سر نوجنم لینا پڑا...... خوارزم کی سلطنت، بغداد کی خلافت روس کی مملکت اور کچھ دنوں کے لئے پولینڈ (پولار) کی حکومتیں مٹ گئیں۔

وہ مزید لکھتا ہے:۔

جس وقت مغلوں نے دھاوا کیا تو جرمن فوجیں اور پولینڈ کی فوجیں مغلوں کے حملہ کی تاب نہ لا سکیں اور مغلوں نے ان کو تقریباً نیست نابود کر دیا۔

لیکن دفعتاً معجزہ کی طرح ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے تاریخ کا رخ ہی بدل دیا اور متمدن دنیا کو اطمینان کا سانس لینے ہی کا نہیں بلکہ تمدن و تہذیب قوت و استحکام اور ترقی و خوشحالی اور علم و فکر کی خدمت کا نیا سفر شروع کرنے کا موقع دیا وہ یہ کہ یہ نا قابل تسخیر فاتح قوم اپنے مفتوح اور بے دست و پا مسلمانوں کے دین کی حلقہ بگوش بن گئی جو اپنی ہر قسم کی مادی و سیاسی طاقت کھو چکا تھا۔ اور جس کے پیروؤں کو تاتاری سخت ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، پروفیسر ٹی ڈبلو آرنالڈ (T w arnold) اپنی مشہور کتاب دعوت اسلام Preachingof islam میں استعجاب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"لیکن اسلام اپنی گزشتہ شان و شوکت کی خاکستر سے پھر اٹھا اور واعظین اسلام نے انہیں وحشی مغلوں کو جنہوں نے مسلمانوں پر کوئی ظلم باقی نہ رکھا تھا مسلمان کر لیا۔

جن مخلصین نے اس خون آشام تاتاری قوم کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا ان بہت کم لوگوں کے نام دنیا کو معلوم ہیں، مگر ان کا یہ کارنامہ تاریخ عالم کے کسی تعمیری اصلاح یا انقلابی کارنامہ سے کم نہیں ان کا احسان نہ صرف مسلمانوں پر نہ صرف مسیحی مغرب پر بلکہ پوری انسانیت پر قیامت

تک رہے گا کہ انہوں نے دنیا کو وحشت بربریت اور ایک بے یقینی اور سراسیمگی کی عالم گیر کیفیت سے نکال کر نظم وانضباط علم دوستی وعلم پروری جوہر شناسی اور فضل وکمال کی قدردانی کی فضا میں منتقل کر دیا اور علم وفکر تصنیف وتالیف تدریس وتعلیم فن وادب نے ایک معتدل فضا اور فضل وکمال اور محنت وجگر کاوی کی قدر کرنے والوں کے سایہ میں نئے سرے سے اپنا سفر شروع کیا۔

جنگیز خاں کی سلطنت اس کے انتقال کے بعد اس کے چار بیٹوں کی چار شاخوں میں بٹ گئی تھی ان چاروں شاخوں میں اسلام کی اشاعت تیزی کے ساتھ شروع ہوگئی اور تاتاری خاقان اور ان کی دعوت وتبلیغ واثر سے تاتاری قوم مسلمان ہونا شروع ہوگئی یہاں تک کہ ایک صدی کے اندر اندر تقریباً ساری تاتاری قوم مسلمان ہوگئی۔

اسلام کی اس اشاعت کا فرض انجام دینے والوں اور ان بزرگوں اور کارپردازان حکومت کے واقعات کا جن کی اخلاقی بلندی دل آویزی ذاتی کردار اور خلوص وروحانیت کے اثر سے یہ خون آشام اور جنگجو تاتاری اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوئے آج بھی دلوں کو تڑپاتے اور روحوں کو گرما دیتے ہیں۔

تاتاری من حیث القوم نہ صرف مسلمان ہوئے بلکہ ان میں بڑے بڑے مجاہد بڑے بڑے عالم اور فقیہ اور بڑے بڑے باخدا درویش پیدا ہوئے ان میں متعدد مصنف اور دانشور اور ادیب وشاعر بھی ہوئے۔

تاتاریوں کا قبول اسلام جس سے ان کا مزاج ذوق ورجحان اور انسانیت وتمدن کے بارے میں نقطہ نظر بدلا صرف اسلامی مشرق پر ہی احسان نہیں ہے بلکہ مسیحی مغرب اور ہندوستان کے تحتی براعظم Subcontinent پر بھی احسان عظیم ہے جس پر اسی ساتویں صدی ہجری۔ (تیرہویں صدی عیسوی) میں انہوں نے بیس تیس بار حملے کئے مگر ترکی النسل مسلمان سلاطین نے جن میں سلطان علاء الدین خلجی (م ۷۱۶ھ۔ ۱۳۱۶ء) اور اس کا فوجی قائد الملک الغازی غیاث الدین تغلق شاہ (م ۷۲۵ھ۔ ۱۳۲۴ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں ہر بار ان کو پسپا کر دیا اور اس طرح یہ قدیم زرخیز ملک اور اس کا تہذیبی وعلمی ورثہ اور خود وہاں کے دو بڑے مذاہب اسلام اور ہندو مذہب (اپنی شاخوں کے ساتھ) تاتاریوں کی غارت گری سے محفوظ رہے۔

عالم انسانیت اور بالخصوص مغرب پر (جس کو مستقبل قریب میں اہم اور انقلاب انگیز علمی اکتشافات ایجادات واختراعات اور زندگی اور باہمی واقفیت کو سہل بنانے والے وسائل وآلات کا دریافت کرنے والا اور دنیا کے دسترس میں دینے والا ملک بننا تھا) امت مسلمہ کا یہ کارنامہ (تاتاری قوم کی نفسیاتی تبدیلی) ایک حفاظی اور انتظامی نوعیت کا کارنامہ اور احسان تھا۔

اس کے بالمقابل اس کا ایک دوسرا کارنامہ یورپ کو علم وفکر کے نئے سرچشموں سے نہ صرف متعارف کرنا بلکہ ان سے مستفید کرنا تھا جس نے یورپ کی قرون مظلمہ Dark age میں اس کو نئی روشنی دکھائی اور اس نشاۃ ثانیہ (Rena is sance) کے لئے راہ ہموار کی جس نے نہ صرف یورپ کی دنیا بدل دی بلکہ پوری دنیا کو نئے حقائق ومعلومات سے آشنا کیا اور تجربی علم Scienc کا وہ دور شروع ہوا جس نے اس دنیا کی کایا پلٹ دی یہ اندلس (Muslimspain) جس کے راستہ سے یورپ میں قدیم علمی ترکہ (فلسفہ وحکمت ریاضی وطب) منتقل ہوا اس نے مغرب کو جو سب سے بڑا علمی تحفہ دیا وہ حقیقت پسندی او منطق استقرائی (Inductive LogIc) کا تحفہ تھا اور جس نے قیاس و انتخراج (Deductuve Loguc) کی جگہ لی جس نے مغرب کے طریق فکر ہی کو بدل دیا اور اس کے نتیجہ میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو نہ صرف ترقی کرنے کا موقع ملا بلکہ حقیقت میں ان کا وجود عمل میں آیا مغرب کی ساری مفید تحقیقات سائنس کے تجربات اور تسخیر کائنات کی جزئی ومحدود کامیابیاں اور زندگی کے سفر کی مشکلات کا کسی حد تک ازالہ اسی منطق استقرائی کا نتیجہ ہے جس سے یورپ ناآشنا تھا اور جو اس کو آزاد خیال اور جرءت مند محققین کی تحقیق کے مطابق مسلمان اسپین کے ذریعہ حاصل ہوا مشہور فرانسیسی فاضل اور مؤرخ Gustve Lebon لکھتا ہے:۔

لوگ تجربہ اور معائنہ (منطق استقرائی) کو جدید علمی تحقیقات میں بنیاد کا درجہ دیتے ہیں Francis Bacon کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اب اس کا اعتراف کیا جائے کہ یہ پورا طریقہ اور نظام فکر عربوں کی دین ہے۔

رابرٹ بری فالٹ (Robert Briffault) اپنی کتاب تعمیر انسانیت (The making OfHumanity) میں لکھتا ہے:۔

یورپ کی ترقی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلامی تمدن کا دخل نہ ہو

اور اس کی ایسی نمایاں یادگاریں نہ ہوں جنہوں نے زندگی پر بڑا اثر ڈالا ہے۔

دوسری جگہ لکھتا ہے:۔

صرف طبعی علوم ہی (جن میں اندلسی عربوں کا احسان مسلم ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتداء اسی وقت سے ہو جاتی ہے جب اسلامی تہذیب وتمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوتی ہیں۔

یورپ کی دینی تاریخ اور عیسائی کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے پاپائی نظام کے مصلحین اور اس کے بانیوں پر اسلام کے ذہنی وفکری اثرات کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں سولھویں صدی مسیحی میں برپا ہونے والی لوتھر (Luthr) کی تحریک اصلاح میں بھی اسلامی تعلیمات کا انعکاس ملتا ہے جیسے کسی شیشہ میں دور کی روشنی کی شعاعیں نظر آتی ہیں اسی طرح قرون متوسطہ کی قدامت پرستی اور کلیسائی جبر کے خلاف تحریکوں سے یہ روشنی چھن چھن کر نظر آتی ہے۔

حضرات! ان دونوں انقلاب انگیز احسانات کا اخلاقی اور انسانی تقاضہ ہے کہ ان کے حقیقی سرچشمہ کی عظمت اور احسان کا اعتراف کیا جائے اور اس کے بارے میں کسی تقریب وعنوان سے جب کبھی اظہار خیال کیا جائے یا اس کا علمی وتاریخی جائزہ لیا جائے تو اس میں ہم ان اخلاقی قدروں کی پابندی کریں جو ہزاروں برس سے دنیا کی مختلف قوموں تہذیبوں اور فلسفوں میں قابل احترام چلی آرہی ہیں اور اس میں ہم کبھی ثقاہت ومتانت توازن واعتدال اور انصاف وحق پسندی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں اس کی تعلیم تمام مذہبی صحیفوں اخلاقی تعلیمات اور بلند مرتبہ مؤرخین وناقدین کے کردار وعمل نے دی ہے اور اس پر مذاہب اقوام ہی نہیں بلکہ علم ودانش کے تبادلہ اور باہم استفادہ کا عمل قائم ہے اور جس کے بغیر علمی وادبی کاوشیں اور تنقید وتبصرہ کا باوقار کام ایک سنجیدہ اور تعمیری عمل کے بجائے فحش ناول نویسی ہزلیات اور دشنام طرازی میں تبدیل ہو جائے گا اور اس سے وہ منفی انتشار انگیز اور نفرت خیز نتائج رونما ہوں گے جن سے علم وادب ہزار بار پناہ مانگتے ہیں اور ان سے قوموں ملکوں کے باہمی تعلقات پر بھی اثر پڑ سکتا ہے۔

یہ ایک سطحی اور عامیانہ خیال ہے کہ اظہار خیال کی آزادی پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنا فرد

کی آزادی کوسلب کر لینے اور جبر واستبداد (Coercion) کے عمل کے مرادف ہے اور وہ کسی آزاد ملک کے آئین ودستور کو معطل کر دینے یا نا قابل عمل بنا دینے کے ہم معنی ہے اظہار خیال کی ایسی آزادی جو تمام اخلاقی حدود کو پار کر جائے انسانیت کے جلیل القدر محسنین ومعماروں اور پیشوایان مذاہب کے بارے میں وہ مبتذل اور سوقیانہ Obscene زبان واسلوب ختیار کرنے پر آمادہ کرے جو ہزلیات وطنزیات اور ناول نگاری کے لئے کسی حدتک جائز قرار دیا جا سکتا ہے جس سے تاریخی حقائق ومسلمات کا خون ہو اور ان قابل صد احترام مذہبی پیشواؤں اور پیغمبروں کے کروڑوں ماننے والوں کے دل زخمی ہوں اور ملکوں اور معاشروں کے مختلف عناصر اور اجزائے ترکیبی کے تعلقات پر اثر پڑے ایک ایسا مجرمانہ فعل ہے جس کی کسی مہذب امن پسند اور بقائے باہم (Coexistence) کے اصول پر عمل کرنے والے ملک میں اجازت نہیں دی جا سکتی خود متعدد مغربی مفکرین اور بلند مرتبہ دانشوروں نے اظہار خیال کی آزادی کو غیر محدود اور غیر محدود اور غیر مقید ماننے سے انکار کیا ہے اور ایسی غیر محدود آزادی اظہار خیال کے ان سنگین نتائج کی طرف اشارہ کیا ہے جو اظہار خیال کی آزادی کو سلب کر لینے سے بھی زیادہ مضر اور خطرناک ہیں یہاں پر صرف دو بیانات پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ ایسے اقتباسات اور شہادتیں ایک مقالہ سے زیادہ ایک مستقل کتاب کی طالب ہیں:۔

سنسر شپ یا شخصی اخلاقیات کے متعلق قوانین کو شخصی آزادی پر نا قابل برداشت پابندی سمجھ کر احتجاج کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم پہلے سے یہ تصور کر لیتے ہیں کہ جن آزادیوں پر یہ قوانین پابندی عائد کرتے ہیں وہ ایک بہتر (یا کسی بھی) معاشرہ میں انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہیں اس کے برعکس ان قوانین کے دفاع کا مطلب یہ ہے کہ یہ ضرورتیں لازمی نہیں ہیں یا یہ کہ ان ضرورتوں کا حصول ان اقدار کو قربان کئے بغیر ممکن نہیں ہے جو شخصی آزادی سے اعلیٰ تر اور انسان کی عمیق ترین ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں۔ یہ وہ اعلیٰ اقدار ہیں جو محض داخلی نہیں بلکہ معروضی حیثیت رکھتی ہیں کسی شخص یا کچھ لوگوں کی آزادی کی حد کیا ہونا چاہئے اس موازنہ پر منحصر ہے کہ وہ کس حد تک آزادانہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں اور دوسرے اقدار مثلاً برابری انصاف مسرت تحفظ یا امن عامہ کے تقاضے کیا ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ غیر محدود نہیں ہو سکتی۔

سینیٹر بلیک اسٹون Blackstoni کی وہ تقریر جو امریکہ میں آزادی اظہار خیال کے

قانون کی بنیاد تصور کی جاتی ہے اس میں اس نے کہا تھا کہ:۔

ہر آزاد شخص کو بلاشبہ یہ قانونی حق حاصل ہے کہ وہ عوام کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کر سکے اس پر پابندی لگانا پریس کی آزادی کو ختم کرنا ہے لیکن اگر وہ ایسی بات چھاپتا ہے جو نا مناسب شرانگیز یا غیر قانونی ہو تو اسے اپنی اس جسارت کی ذمہ داری قبول کرنی ہوگی پریس کو محتسب کی قدغن کی ماتحت کرنا آزادی ضمیر کو ایک ایسے شخص کے ذاتی رجحان پر چھوڑنا ہوگا جسے علم مذہب اور حکومت کے اختلافی مسائل میں فیصلہ کن اور غلطی سے مبرا مان لیا گیا ہو لیکن خطرناک اور مجرمانہ تحریریں جنہیں غیر جانبدارانہ اور منصفانہ مقدمہ کے بعد نقصان دہ سمجھا جائے اس پر سزا دینا امن وامان حکومت اور مذہب کی بقا کے لئے ضروری ہے، کیونکہ انہیں پر شہری آزادی کی بنیادیں قائم ہیں اس طرح افراد کا ضمیر تو آزاد ہے لیکن اس کے غلط استعمال پر سزا دینا تعزیراتی قانون کا مقصد ہے۔

حضرات! ہم اس مضمون کو علامہ اقبال کی ایک نظم پر ختم کرتے ہیں، جس سے نہ صرف کانوں کا بلکہ دلوں اور روحوں کا ذائقہ بھی تبدیل ہوگا بلکہ ان احسانات اور فتوحات کا استحضار بھی ہو جائیگا جو بعثت محمدی اور ذات رسالت پناہ سے وجود میں آئیں اور جن کی مثال مذاہب و اصلاحات کی تاریخ اور ناموران عالم کی زندگی میں نہیں ملتی۔

اقبال کہتے ہیں:

از دم سیراب آں امی لقب
لالہ رست از ریگ صحرائے عرب
حریت پروردہ آغوش اوست
یعنی امروز امم از دوش اوست
او دلے در پیکر آدم نہاد
او نقاب از طلعت آدم کشاد
ہر خدا وند کہن را او شکست
ہر کہن شاخ از نم او غنچہ بست
گرمی ہنگامہ بدر و حنین

حیدرؓ وصدیقؓ و فاروقؓ وحسینؓ
سطوت بانگ صلوٰت اندر نبرد
قرأت الصافات اندر نبرد
تیغ ایوبی نگاہ بایزید
گنجہا ہائے ہر دوعالم راکلید
عقل ودل راستی از یک جام مے
اختلاط ذکر و فکر روم ورے
علم و حکمت، شرع و دیں نظم امور
اندرون سینہ دل ہانا صبور
حسن علام سوز الحمرا و تاج
آنکہ از قد وسیاں گیر و خراج
ایں ہمہ یک لحظہ ازاو رقاتؐ اوست
یک تجلی از تجلیات اوست
ظاہرش ایں جلوہ ہائے دل فروز
باطنش از عارفان پنہاں ہنوز

اس امی لقب نبی ﷺ کی خوش انفاسی کے فیض سے صحرائے عرب کے ریگزاروں میں گل ولالہ کی بہار آ گئی۔

آزادی کا جذبہ آپ ہی کی آغوش مبارک کا پروردہ ہے اور اس طرح گویا اقوام عالم کی موجودہ ترقیاں آپ ﷺ کے عظیم الشان ماضی کا ثمر اور نتیجہ ہیں۔

انسان کے پیکر خاکی میں آپ ﷺ نے دھڑکتا ہوا دل رکھ دیا اور صحیح معنوں میں انسان کی صلاحیتوں سے پردہ اٹھایا اور اس کے جوہر ذاتی کو آشکار کیا۔ آپ ﷺ نے تمام ہی خدایان کہن کو شکست فاش دی اور آپ ﷺ کے فیض سے مرجھائی ہوئی شاخوں پر برگ وبار آنے لگے۔

بدر وحنین کی گرمی ہنگامہ آپ ہی کے جوش وخروش کے دم سے تھی اور حضرت صدیقؓ و

فاروقؓ حیدر کرارؓاور شہید عالی مقام حضرت حسینؓ کی انقلابی شخصیتیں آپ ﷺ ہی کی ہمہ صفت ذات کی تجلیاں تھیں۔

حالت جنگ میں بلند ہونے والی اذانِ بلالی کی سطوت و ہیبت اور تلاوت الصافات کی لذت وحلاوت آپ ﷺ ہی کی دی ہوئی ہے۔

صلاح الدین ایوبی کی شمشیر آبدار اور بایزید بسطامی کی نگاہ حقیقت میں دو عالم کے خزانوں کی کلید ثابت ہوئیں۔

ساقیٔ کوثر کے ایک جام سے عقل ودل دونوں ہی مست وسرشار ہوگئے اور آپ ﷺ کی تربیت گاہ میں رومی کا ذکر اور رازی کی فکر فلک پیما ہم آہنگ ہوگئی۔

علم وحکمت دین وشریعت انتظام سلطنت اور دنیا کے اندر پھیلی ہوئی روحانی طلب وتلاش اور سینوں میں دلوں کی بےقراری۔

الحمراء اور تاج محل کا وہ حسن عالم سوز ودل افروز جو فرشتوں سے بھی عقیدت لے لیتا ہے۔

یہ سب کارنامے آپ ﷺ کے اوقات عزیز وگراں مایہ کے ایک مختصر لمحے اور آپ ﷺ کی بیشمار تجلیات میں سے ایک تجلی اور ایک جھلک کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آپ ﷺ کے فیض ظاہری کے اثرات ان جلوہ ہائے دل فروز کی شکل میں تو ظاہر ہوگئے لیکن آپ ﷺ کے وجود مبارک کا باطنی پہلو عارفان کامل کی نگاہ سے اب بھی پوشیدہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت محمد ﷺ کی کامل پیروی

طبیعت پر شریعت، رسم و رواج اور خواہشات پر اسوہ نبوی اور تعلیمات نبوی ﷺ کی ترجیح

جمعۃ الوداع کی تقریر جو ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ کو مسجد حضرت سید شاہ عالم اللہ رائے بریلی میں کی گئی۔

الحمد للہ الذی کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

میرے عزیز بھائیو، دوستو اور بزرگوں سب سے پہلے ہم آپ کو اس بات کی مبارک باد دیتے ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے رمضان المبارک کا یہ مہینہ نصیب فرمایا اور ہم کو، آپ کو اس وقت تک زندہ رکھا کہ ہماری زندگی میں ایک بار پھر یہ مبارک مہینہ آ گیا، آپ یاد کیجئے ان لوگوں کو جو رمضان سے پہلے دنیا سے چلے گئے، یہ اللہ تبارک تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہوا، اور اس کے بعد پھر یہ کہ آج جمعۃ الوداع جو اس مہینہ کا بظاہر آخری جمعہ معلوم ہوتا ہے) اللہ نصیب فرما رہا ہے، اور اس کی بعد انشاء اللہ عید کا مبارک دن بھی آئے گا، ہم اور آپ اللہ کا شکر ادا کریں گے روزے کی توفیق پر اور اللہ کی نعمتوں پر۔ اس وقت دور دور سے بھائی جمعہ ادا کرنے آئیں ہیں۔ مختلف ذہن کے مختلف حالات کے مختلف طبیعتوں کے، مختلف ماحول کی اور مختلف مجبوریوں اور دشواریوں کی، اس وقت ایسی بات کہنا ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جو ساری عمر کام آئے، ہر جگہ کام آئے اور ہر ایک کے کام آئے، اور یہ اللہ کی توفیق پر منحصر ہے اور یہ بات اس لئے ممکن ہے کہ اللہ کے رسول نے کوئی بات اٹھا نہیں رکھی، اور انسان کی نجات پانے کے لئے، اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گذرنے کے لئے، یہاں بھی اللہ کے فضل اور اس کے انعام کے مستحق بننے کے لئے اور اٹھائے جانے آنکھ بند ہونے کے

بعد بھی ،اللہ کی نعمتوں کو پانے کے لئے اور جنت میں جانے کے لئے آپ ﷺ نے کوئی بات اٹھانہیں رکھی ،آپ کا کلام ،اپ کے ارشادات ایسے ہیں کہ ان میں ایک ایک ارشاد ایسا ہے کہ اگر اللہ ہمیں توفیق دے ،اور ہماری قسمت اچھی ہواور اللہ کو منظور ہوتو ساری عمر کے لئے کافی ہے اور تمام حالات کے لئے کافی ہے۔

کوئی ہم سے فرمائش کرے کہ کوئی بات ایسی کہہ دیجئے کہ ہم اس کو پکڑ لیں ،ہم اس کو دل پر لکھ لیں ،پلو میں باندھ لیں اور پھر ہم اس کی روشنی میں ،اسی کے سایہ میں پوری زندگی گذار دیں اور ہر بات کے لئے ہمیں بار بار پوچھنے کی ضررت نہ پڑے ،مسئلہ پوچھنے کی ضرورت پڑتی ہے، راستہ پوچھنے کی ضرورت پڑتی ہے اور بہت سی چیزیں ،لیکن اللہ کی رضا حاصل کرنے اور جیسی زندگی وہ چاہتا ہے اور اس کے رسول ﷺ جس زندگی گذارنے کا طریقہ بتلانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے ،اس کے لئے بار بار پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے ،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (سورہ المائدۃ)

ترجمہ:۔اے اللہ کے نبی جو کچھ آپ پر اتارا گیا ہے سب پہونچا دیجئے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو رسالت اور نبوت کا حق نہیں ادا ہوا۔

تو آپ ﷺ نے کوئی کسر اٹھانہیں رکھی آپ کے ارشادات تو بہت ہیں ،اور صحابہ کرام جن سے بڑھ کر کوئی قدر دان نہیں ہوسکتا ،عاشق رسول ﷺ نہیں ہوسکتا ،شمع کے پروانی کی چیز ہیں وہ شمع رسالت کے لئے پروانوں سے بڑھ کر پروانے تھے ،ان کو دین کی باتوں سے سیری نہیں ہوتی تھی ،لیکن کسی صحابی نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کوئی ایسی بات بتا دیجئے جس کو میں پکڑ لوں دامن میں باندھ لوں ،دین کی باتیں بہت ہوگئی ہیں احکام ومسائل بہت ہیں ،اور پورا اللہ کا کلام ہے ،قرآن مجید ہے ،لیکن کوئی ایسی بات بتا دیجئے جسے میں اپنا دستور العمل بنالوں اور ہمارے لئے کافی ہوجائے ،آپ ﷺ نے فرمایا آپ ﷺ نے بتایا **قل ربی اللہ ثم استقم** (ایک مرتبہ دل سے کہہ دو میرا پروردگار اللہ ہے ،پھر اس پر جم جاؤ)۔

اب اس وقت میں آپ کو ایک حدیث سناؤں گا ،اگر آپ اس کو اپنے ساتھ لے گئے ، یہاں چھوڑ نہیں گئے ،یہ پختہ ارادہ کر کے گئے کہ اس حدیث پر عمل کرنا ہے تو یہ زندگی بھر کے لئے

کافی ہے اور وہ حدیث ایسی ہے جو چونکا دینے والی ہے وہ پوری زندگی کا دستور العمل اور مکمل ہدایت نامہ ہے اور دین و دنیا کی کامیابی کی ضامن ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

لا یومن احد کم حتیٰ یکون ھوا ہ تبعا لما جئت بہ.

(تم میں سے کوئی شخص صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات اس کے تابع نہ ہوجائیں جس کو میں لے کر آیا ہوں)۔

حضور ﷺ سے بڑھ کر تواضع دنیا میں کسی کے اندر ہو ہی نہیں سکتی لیکن اس موقعہ پر آپ نے جو لفظ استعمال کیے ہیں ان میں پیغمبرانہ غیرت بھی جھلکتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کتنی زور سے بات کہی اور آپ نے اس وقت مقام رسالت کا خیال کیا اپنی بشریت کا اور بہت سی چیزیں جو مشترک ہیں ان میں سے کسی کا خیال نہیں کیا اس میں تواضع سے کام نہیں لیا، بلکہ اپنے منصب اور مقام کو سامنے رکھا، بہت جوش کے ساتھ جیسی کوئی بات کہی جاتی ہے اور للکار کر کہی جاتی ہے، سوئے ہوئے کو جگا کر کے اور جاگتے ہوئے کو بلا کر کے اس کو متوجہ کر کے بات کہی جاتی ہے اس طرح فرمائی کہ کوئی صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش نفسانی اس کی خواہشات، اس کے عادات واطوار اس کے مصالح ومنافع اس کے ماحول کے رسم ورواج ذلت وعزت کی پیمانے اس کے مطابق نہ بنیں، اور اس کے تابع نہ ہو جائیں جس کو میں لے کر آیا ہوں، **تبعاً لما جئت بہ** اور اس میں آپ نے بالکل تواضع سے کام نہیں لیا واحد متکلم کا صیغہ استعمال کیا جو عربی جانتے ہیں وہ اس کو سمجھتے ہیں پھر عربی میں ھوی کا لفظ جو ہے اس میں خواہشات، لذات فوائد ومنافع مصلحتیں، خوف اور لالچ کے اسباب سب آ جاتے ہیں، یعنی زندگی کا پورا نقشہ اندر کا بھی باہر کا بھی، اندر کا کیا اندر کی خواہشات، باہر کا کیا، باہر کی عادتیں باہر کا ماحول اس کے تقاضے اور لوگوں کی امیدیں کسی چیز کا ڈر کہ ہم نے یہ نہیں کیا تو یہ نقصان ہو جائے گا یا ہماری طرف انگلیاں اٹھ جائیں گی اور ہمیں لوگ بدنام کریں گے ہمیں ذلت و حقارت کی نگاہ سے دیکھیں گی ہمارا اتنا زبردست مالی نقصان ہو جائے گا ہم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گی، ہم سر اٹھا کر چل نہیں سکیں گے ہم گھر میں جائیں گے تو ہمیں اس کا بھی ڈر ہے کہ گھر میں انگلیاں اٹھیں اور گھر والے شکایت کریں کہ ہمارے خاندان میں یہ ہوتا آیا ہے ہماری برادری میں یہ ہوتا آیا ہے ہماری ماحول میں یہ ہوتا آیا ہے، یہ کیسی شادی کردی لڑکی کی یہ

کیسے لڑکے کا نکاح کر دیا اور اس طرح رخصت کر دیا وہ ساری دھوم کہاں گئی؟ اس کے جو لوازمات تھے اور اس میں شان وشوکت کے جو مظاہرے تھے اور جو حیثیت عرفی ہماری ہے اور ہماری جو سوشل پوزیشن ہے اور ہمیں جس نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ہماری جو عزت ہے محلّہ میں اور خاندان میں اس سب کے مطابق آپ نے کچھ نہیں کیا سب پہ پانی پھر گیا اور سب پر دھول پڑ گئی انگلیاں اٹھنے لگیں دیکھو یہ جا رہے ان کی پاس پیسہ نہیں رہا انہوں نے ایسی شادی کر دی دیکھو یہ اپنے ہونہار فرزند کو دینیات پڑھوا رہے ہیں، کوئی اچھی نوکری نہیں ملے گی یہ بچہ کیا کمائے گا، کیا پہنے گا، اور کیا کھلائے گا اور فلاں صاحب نے سود چھوڑ دیا نہیں لیا، اور فلاں نے بہن کو حصہ دے دیا ایسی پچاس باتیں ہیں۔

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب اسکے دل کی چاہت اور جو عادتیں رسمیں ہیں اور جس کی جو حیثیت ہے اس کے لئے یہ قانون بن جاتا ہے کہ اپنے لڑکے کی شادی کرے گا تو اس معیار سے دعوت کرے گا تو اس معیار سے کپڑے پہنے باہر نکلے گا تو ایسی سواری ہوگی ایسا لباس ہوگا اور فلاں سے ملے گا فلاں سے نہیں ملے گا ملنے نہ ملنے کے لئے بھی کوئی فیصلہ کن بات نہیں ہے کہ اس کا حق ہے جو اس کا عزیز ہوتا ہے اس کا یہ رشتہ ہے اس پر اللہ کے یہ عائد کردہ حقوق ہوتے ہیں کس سے ملنے میں عزت ہے کس سے ملنے میں بے عزتی ہے کس سے ملنے میں فائدہ ہے، کس سے ملنے میں نہیں۔ کہاں بیٹھئے کہ لوگ دیکھیں اور اشارے کریں کہ دیکھو کیسے معزز آدمی کے ساتھ بیٹھا ہے اور کہاں بیٹھنا عیب کی بات سمجھی جائے گی، یہ بھی ملاؤں میں ہو گیا، دیکھو کہاں بیٹھا ہے مسجد جانے لگا ہے اس کو بھی کسی کی ہوا لگ گئی، یہ سارے معیار ہیں اور یہ ساری شرطیں حضور فرماتے ہیں یہ سب میری لائی ہوئی تعلیم میں جو شریعت مبین لے کر آیا ہوں، یہ حلال یہ حرام، یہ جائز ہے یا ناجائز یہ مکروہ یہ مستحب ہے، دنیا داری ہے یہ دین داری، یہ خدا کی مرضی ہے یہ اس کی نافرمانی، یہ شریعت ہے یہ شریعت کیخلاف، جو شخص جب تک یہ طے نہ کرے گا کہ اچھی بات وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کہی چاہے اس سے عزت ملتی ہو چاہے بے عزتی ہوتی ہو چاہے گھر لٹ جاتا ہو، کھانے کو کچھ نہ رہتا ہو یہ باتیں کچھ نہیں رہیں، فیصلہ کن بات یہ ہے کہ یہ شریعت کے مطابق ہے، یہ شریعت کے خلاف، ہم علم رکھنے والے سے پوچھیں گے اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم

ہے۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں تقریبات کیسی ہوتی تھیں۔

ایک بڑے صحابی جو عشرہ مبشرہ میں ہیں یعنی وہ ان دس خوش قسمت صحابہ میں شامل ہیں جن کو حضور ﷺ نے ان کی زندگی ہی میں نام لے لے کر کہہ دیا کہ یہ جنتی ہیں۔ حضور ﷺ کو بتا دیا گیا کہ یہ جنت میں جائیں گے ان ہی میں ایک حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی تھے، پھر مہاجر بھی تھے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آئے تھے، قریشی تھے آپ ﷺ ہی کے قبیلہ کے تھے اور ممکن ہے اوپر جا کر کئی کئی رشتے نکلتے ہوں، آپس میں برادری میں شادیاں ہوتی ہیں، اور بڑی بات یہ کہ تھوڑے سے آدمی مکہ معظمہ سے آئے تھے، اور جب کوئی کسی ملک سے کسی دوسرے ملک کو جاتا ہے تو عام طور سے قریب قریب رہتا ہے ذرا آسانی ہوتی ہے، ایک دوسرے کی ضرورتوں کو سمجھتا ہے، ایک دوسرے کی ضرورتوں کو جانتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے معیار کو سمجھتا ہے، چنانچہ بمبئی کے لوگ جو تاجر تھے سب کراچی جا کر ٹھہرے یہ کاروباری شہر ہے تجارتی مرکز ہے میمن لوگ اور جو پنجابی کہلاتے تھے جنکا کاروبار بمبئی میں دہلی میں ہر جگہ تجارت کا تھا وہ لاہور میں رہے یا کراچی میں اکثر لوگ کراچی میں مقیم ہوئے، اس لئے کہ ہر ایک دوسرے کی زبان سمجھتا ہے اور ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں آپس میں ہمدردی ہوتی ہے رشتہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضور ﷺ کے قریب ہی رہے ہوں گے اور مدینہ طیبہ اس وقت کوئی بہت بڑا شہر بھی نہیں تھا تعجب ہے حدیث کی روایت ہے ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، لباس کچھ زیادہ اچھا تھا خوشبو آرہی تھی، عطر لگا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا عبدالرحمٰن خیریت ہے کیا بات ہے۔ بے تکلفی میں آپ نے پوچھ لیا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے شادی کی ہے اس لئے یہ عطر وغیرہ ہے، ہم نے بڑے مجمعوں میں کہا، علماء کے سامنے کہا کہ آج تک کسی حدیث یا سیرت و تاریخ کی کتابوں سے پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے ایک حرف بھی زبان سے شکایت کا فرمایا ہو کسی شہر یا قصبہ میں کوئی تقریب ہو کسی بہت جاننے والے کی تو کہا جاتا ہے کہ خبر تو کی ہوتی چاہے ہم نہ آسکتے، دعا کر دیتے اور پھر حضور ﷺ سے بڑھ کر دعا کس کی ہو سکتی ہے کچھ نہیں کچھ نہیں دعا کے لئے تو خبر کرتے کہ یا رسول اللہ ﷺ میں شادی کرنے جا رہا ہوں، دعا

فرمایئے، اللہ مبارک فرمائے اور آپس میں الفت دے۔

یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی عقل ایمانی تھی کہ ہم جتنی دیر کے لئے آپ کو تشریف رکھنے کی دعوت دیں گے اتنی دیر میں معلوم نہیں وحی کا کتنا حصہ نازل ہو جائے گا، اور کیا معلوم کوئی روزنامچہ ہوتا کہ کل کون سا حصہ نازل ہوا، آج کون سا حصہ نازل ہوا تو ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ جو وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے یہاں شادی کا تھا اس وقت بھی قرآن مجید کی کوئی سورۃ یا اس کا کوئی حصہ نازل ہو رہا تھا وہ جگہ اس کے لئے مناسب نہیں تھی، پھر ہوسکتا ہے کہ اس وقت میں کئی آدمیوں نے اسلام قبول کیا ہو آپ نے حرف شکایت کا نہیں کہا، انہوں نے ایک حرف معذرت کا نہیں کہا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کو زحمت ہوتی یہ مجبوری تھی، وہ دشواری تھی کچھ نہیں کہا، خود انہوں نے معذرت کی ضرورت سمجھی نہ آپ کے دل میں شکایت پیدا ہوئی اس طرح شادیاں ہوتی تھیں۔

اس طریقہ سے اور باتیں ہیں پانچ وقت کی نماز ہے سب سے پہلے عقیدہ کی بات ہے، معلوم کیجئے کیا توحید ہے کیا شرک ہے اور کیا ایمان ہے کیا کفر ہے اور پھر اس کے بعد احکام ہیں فرائض ہیں پانچ وقت کی نمازیں ہیں آپ پڑھ کر لیجئے، مگر ان پانچوں نمازوں کا اپنے اپنے وقت پر پڑھنا لازمی ہے، یہ جمعۃ الوداع ہے چاہے وہ چار آدمیوں کے ساتھ ہے اور جمعۃ الوداع پانچ سو آدمیوں کے ساتھ ادا ہوتا ہے اور عید کی نماز اس سے بڑی دھوم دھام سے ہوگی، لیکن نماز نماز ہی ہے چاہے جانماز بچھا کر پڑھنا پڑے وہ جمعۃ الوداع کی نماز سے جو اچھی پڑھی گئی ہے اس سے بھی وہ کم نہیں ہے یعنی اللہ کا حکم ہونے میں اور اس پر عمل کرنے میں سب برابر ہیں اب جو نمازیں آئیں گی ان کا مرتبہ یہی ہوگا، انکے پڑھے بغیر فرض ادا نہیں ہوگا آپ نے فجر کی نماز چھوڑ دی چاہے آپ اپنا گھر لٹا دیجئے آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ گھر کیوں لٹا دیا، آپ سے پوچھا جائے گا کہ فجر کی نماز کیوں نہیں پڑھی۔

سب سے پہلے عقیدہ کا درجہ اس میں بھی سب سے پہلے توحید، پھر رسالت حضور ﷺ کی کہ اس کے مانے بغیر کوئی نجات نہیں پاسکتا چاہے کوئی ہو جب تک آپ کو آخری پیغمبر، آپ کی شریعت کو آخری شریعت نہ مان لے اور اس پر چلنے نہ لگے۔ نماز کے بعد پھر زکوۃ کا درجہ ہے، معلوم نہیں کتنے بھائی ایسے ہیں جن پر زکوۃ فرض ہے، کسی سے پوچھتے ہی نہیں کب زکوۃ فرض

ہوتی ہے کتنی مقدار میں زکوۃ فرض ہوتی ہے عالموں سے پوچھنا چاہئے اور کئی بھائی ہوں گے حج ان پر فرض ہو چکا ہے مگر کسی سے پوچھتے نہیں کیسے حج فرض ہوتا ہے اس کی کیا صورت ہے بس ایک رسم ورواج پر زندگی چل رہی ہے عید کی بقرعید کی نماز بڑی دھوم دھام سے پڑھ لیں گے اور کسی سے کچھ پوچھنا معلوم کرنا نہیں اور پھر شادی اور یہ رسم ورواج نہیں ہے سب شریعت کے کام ہیں، بیٹے کی شادی کرنا اور بیٹی کو رخصت کرنا، یہ سب شریعت کا حکم ہے اور شریعت کی طرف سے ہدایات ہیں، دین کا کام ہے، مگر اسے ویسا ہونا چاہئے جیسا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتایا ہے۔

پھر اس کے بعد یہ فضول خرچیاں ہیں، سودی قرض ہے، اسراف ہے، نام ونمود کے لئے شہرت کے لئے بڑی بڑی دعوتیں کرنا، حکام کی خوشامد کرنا، ان سے تعلقات پیدا کرنا کچھ کام نہیں آئے گا۔

حتیٰ تکون هواه تبعا لما جئت به

ھوی کا لفظ ایسا کہہ دیا جو سب پر صادق آتا ہے، جس کو دل چاہتا ہے، جس سے دل خوش ہوتا ہے، جس سے تعریف ہوتی ہے، جس سے دل کو اطمینان ہوتا ہے، یہ سب معیار اس کے تابع اس کے پیرو نہ ہو جائیں اس ﷺ کے قدموں کے نیچے نہ آ جائیں جس کو میں لے کر کے آیا ہوں، حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ تبعا لما جئت بہ، جو حدیث سے اشتغال رکھتے ہیں، سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کرتے ہیں وہ سمجھیں گے۔

آخری بات یہ ہے کہ اپنی آئندہ نسل کی حفاظت کیجئے، مکتب قائم کیجئے، دینی تعلیم کو رواج دیجئے، قریب مدرسہ ہے وہاں اپنے بچوں کو بھیجئے کہ محلّہ ہے محلّہ کے بچے برادری ہے برادری کے بچے اور وہ اس قابل ہو جائیں کہ قرآن کو پڑھنے لگیں، دینی کتابوں کو سمجھنے لگیں گے، عقائد و فرائض اور احکام سے واقف ہو جائیں گے تب ہی مسلمان رہ سکیں گے یہ آپ کو بتا دیتا ہوں اسوقت بڑا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ہے کتابوں میں بھی یہ آ گئی ہے تحریروں میں بھی آ گئی ہے اخبارں میں بھی آ گئی ہے کہ اس ملک میں بس ہندوستانی بن کر رہنا چاہئے، یہ ہندو مسلمان کا فرق جو ہے صحیح نہیں بات بات میں کہنا کہ ہم مسلمان ہیں اس کے لئے ہم قرآن شریف پڑھ سکیں، دینی مذہبی کتابیں پڑھ سکیں اردو پڑھ سکیں، یہ سب کچھ نہیں

یہاں بس ہندوستانی بن کر رہنا چاہئے اور صرف کھانے پینے کی فکر کرنی چاہئے کہ ہم اس قابل ہوں اور ہم یہاں کی زندگی میں کھپ جائیں اور کوئی چیز ضروری نہیں۔

تو اس وقت بہت خطرناک منصوبہ چل رہا ہے، مسلمانوں کے ذہنوں سے جنکو اللہ نے اولاد دی ہے یا جن کے زیر اثر ایک نئی نسل ہے انہیں بالکل اس کی فکر نہ رہے، ان کا عقیدہ کیا ہوگا، کس شریعت کو مانیں گے، پیغمبر کو مانیں گے اس کے حکموں کو مانیں گے اس کی پیروی کریں گے دیندار بنیں گے، اللہ کو راضی کرنے اور ناراض کرنے کا فرق پہنچائیں گے یا نہیں تو آپ کے لئے فرض ہے اور ساری چیزوں سے زیادہ ضروری ہے کہ آپ مکتب قائم کریں مدرسہ قائم کریں اور گھر میں بھی ایسا ماحول بنائیں بیبیوں سے کہہ دیجئے خواتین مستورات سے کہہ دیجئے کہ گھر میں دینی باتیں کیا کریں بچوں کو انبیاء کے قصے، صحابہ کے واقعات، صلحاء کی حکایات بیان کیا کریں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنائیں کہ انہوں نے توحید کا کیا نمونہ پیش کیا اور کس طرح سے بتادیا کہ جن کو آپ لوگ پوجتے ہیں ان کے قبضہ میں کچھ نہیں ہے، جن کی آپ پرستش کرتے ہیں وہ کچھ نہیں کر سکتے، میں نے ان کے ساتھ کیا کیا وہ اپنے کو بھی نہیں بچا سکے تو آپ کو وہ کیا بچائیں گے، انبیاء علیہم السلام کے قصے سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا موسیٰ اور پھر سرور کائنات حضور ﷺ کے قصے سنانا اور ان سے واقف کرانا اور محبت پیدا کرنا۔

یہ سب چیزیں ضروری ہیں، یہ چیزیں آپ اپنے ساتھ لے کر کے جایئے، عید میں لوگوں کو جلدی ہوتی ہے ملنا ملانا ہوتا ہے، اس لئے اس وقت ہم نے ذرا اطمینان سے بات کہہ دی کہ نہ کھانا ہے اور نہ کوئی اور کام درپیش ہے، بس ان چیزوں کو یاد رکھئے، اور میں پھر اس حدیث کو دہراتا ہوں، تم میں سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی چاہتی چیز اس کی پسندیدہ چیز اس کے تابع اس کے پیرو نہ بن جائے اس کی خادم نہ بن جائے، اس کا چاکر نہ بن جائے، جس کو میں لے کر کے آیا ہوں جو شریعت لے کر کے آیا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

اس دنیا کی فلاح، سعادت اور تباہی و ہلاکت انسانیت کے ساتھ وابستہ ہے

الحمد لله نحمدة ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهدى الله فلامضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمدا عبده ورسوله .

دوستو اور بھائیو! اس وقت تمام دنیا میں سخت اختلاف ہے۔ روزمرہ کی جو حقیقتیں سورج کی طرح روشن ہیں اور جن میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں، ان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، کوئی دعویٰ ایسا نہیں جس کی ہر جگہ سے ہر ادارہ سے اور مکتب خیال سے تائید ہو۔ ایسی کوئی حقیقت نہیں جس پر سب کے سب متفق ہوں، لیکن ایک بات ایسی ہے جس کی تائید آپ ہر طرف سے سنیں گے، اور جہاں جائیں گی اس کی صدائے بازگشت پائیں گے، وہ یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں ایک عالمگیر فساد برپا ہے، اور ایسا بگاڑ ہے جس سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں ہے یہاں تک کہ جو آپ اپنی مادی ترقی کے نقطہ عروج پر پہنچ گئے ہیں، وہاں بھی اگر آپ جائیں گے تو اسی کا رونا پائیں گے۔

کوئی جلسہ، کوئی کتاب، کوئی مباحثہ، کوئی مذاکرہ، کوئی غور و فکر کا حلقہ اس سے خالی نہیں، دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کر جائیے ہر جگہ اپ اسی کا شکوہ پائیں گے کہ بگاڑ بہت پھیل گیا ہے، اور دنیا میں ایک عالمگیر فساد برپا ہے، یہ وہ حقیقت ہے جس پر قریب قریب اس وقت دنیا کے تمام سوچنے اور سمجھنے والے یہاں تک کہ جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، وہ بھی متفق ہیں جو کتابوں کے پڑھنے والے ہیں وہ کتابوں کے واسطے سے جانتے ہیں جن لوگوں کو اس کا اتفاق نہیں ہوتا یا اس کی فرصت نہیں ملتی، ان کے کانوں میں بھی یہ بات

پڑتی رہتی ہے۔ ہمارا ملک ہو یا کوئی باہر کا ملک، یورپ ہو یا امریکہ افریقہ ہو یا ایشیا، اور یہاں تک کہ وہ سرزمین جو خیر و برکت کی سرزمین ہے، وہاں بھی اگر آپ جائیں گے تو اس کا احساس عام پائیں گے۔

یہ ایک ایسی الجھی ہوئی ڈور ہے جس کا سرا کسی کو نہیں ملتا، بگاڑ تو ضرور ہے لیکن بگاڑ کا سبب کیا ہے اور جس قدر اس ڈور کو سلجھانے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ الجھتی ہی چلی جارہی ہے۔ اس لئے کہ سرا ہاتھ میں لینے اور سرا تلاش کرنے کا جو فطری طریقہ ہے اور جو خدا نے پیدا کیا وہ کھو گیا ہے اور اس کی کسی کو خبر نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق اور ان سب لوگوں کے عقیدہ کے مطابق جو خدا کے وجود پر یقین رکھتے ہیں اور خدا کی صفات کا کوئی نہ کوئی تصور ان کے اندر پایا جاتا ہے، وہ سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی اصلاح اور اس دنیا کا فساد، اس دنیا کی سعادت اور اس دنیا کی شقاوت اور اس کا بناؤ بگاڑ، اس کی خوش حالی اور اس کی بربادی، سب کو انسان کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ انسان اگر اچھا ہے تو یہ دنیا اچھی ہے، اگر انسان بگڑا ہوا ہے، راستہ چھوڑ چکا ہے، خودکشی پر آمادہ ہے، تباہی و بربادی پر کمر بستہ ہے، اس کو اپنی قیمت معلوم نہیں، وہ خدا کو بھول چکا ہے اس کے نتیجہ میں اپنے کو بھی بھول چکا ہے۔ اس کو اپنے آغاز و انجام کی خبر نہیں یا فکر نہیں تو پھر اس دنیا کے بگاڑ کو کوئی روک نہیں سکتا اور اس بگڑی ہوئی دنیا کو بنا نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات غنی ہے۔ وہ انسان کا محتاج نہیں لیکن اس نے ایک قانون مقرر کر دیا ہے۔ یہ سنت الٰہی ہے اور سنت الٰہی کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔

"ولن تجد لسنة الله تبديلا ولن تجد لسنة الله تحويلا"

قرآن شریف میں بار بار، یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قانون جس کے لئے بنا دیا جس میں جو خواص رکھ دیئے ہزاروں لاکھوں برس گذر جانے کے بعد بھی وہ خواص ان کے اندر پائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قانون اسی طرح سے جاری و ساری اور کارفرما ہے، جیسے ہزاروں برس پہلے تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حکمت بالغہ سے، اپنے ارادہ و اختیار سے، اپنی قدرت سے دنیا کی

سعادت وشقاوت کو انسان کے ساتھ وابستہ فرمادیا ہے۔خدا کا یہ قانون ہے کہ یہ دنیا انسان کے دم سے ہے۔انسان اچھا ہے تو یہ دنیا اچھی ہے،انسان اگر برا ہے تو یہ دنیا فساد کا گہوارہ ہے۔ آپ اگر تاریخ میں اس کا سراغ لگائیں گے اور تاریخ کی تاریکیوں میں دور تک جائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دنیا کا بگاڑ انسان کی وجہ سے ہے۔ انسان سرچشمہ ہے دنیا کی فلاح و سعادت کا اور انسان سرچشمہ ہے دنیا کی تباہی و ہلاکت کا۔اس لئے اصل چیز جس پر محنت صرف کرنے اور توجہ کرنے کی ضرورت ہے،وہ انسان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی صحیح تربیت فرمائی اور ان کو مامور فرمایا۔ان کو اللہ تعالیٰ نے جو عقل سلیم اور نبوت کا نور عطا فرمایا تھا اس کی روشنی میں انہوں نے اس حقیقت کو پالیا کہ اس دنیا میں جو کچھ ان کے کرنے کا کام ہے وہ انسان کی درستگی ہے اور انسان کی ہدایت ہے۔ راستے کو سمجھ لینا اور اس پر اپنی طاقت اور صلاحیتوں کو لگا دینا ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے اس حقیقت کو سمجھا۔اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کے شامل حال تھی اور ارادہ الٰہی ان کی پشت پر تھا۔اللہ تبارک وتعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ ان کے ذریعہ سے اس گم کردہ راہ انسانیت کو اور اس تباہ شدہ دنیا کو ایسا امن وسکون اور راحت عطا فرمائے گا کہ اس دنیا میں بھی انسان کو جنت کا مزہ آ جائے اور اپنی زندگی ہی میں وہ جنت کا مشتاق ہو جائے،اور اس دنیا میں اس کو انسان بن کر رہنے کا سلیقہ آ جائے۔اسی لئے انبیاء علیہم السلام نے ایک لمحہ تردد کئے بغیر اور ایک دن بھی تجربے کی ضرورت سمجھے بغیر جس وقت وحی کا پہلا حصہ ان پر نازل ہوا،انہوں نے ساری طاقتیں ایک موضوع پر صرف کردیں،اور وہ انسان تھا۔

لیکن خود انسان ایک عالم ہے۔انسان کسی طرح سے اپنی وسعت میں،اپنی گہرائی میں، اپنی پیچیدگی میں،اپنے تنوع میں،اپنے رازہائے سربستہ میں،اپنے تہ بہ تہ پردوں میں کسی طرح اس کائنات سے،سیاروں سے نظام شمسی سے،نظام فلکی سے اور ہماری اس لمبی چوڑی دنیا سے کم نہیں۔انسان تو اتنی وسیع مخلوق ہے جس کی تہہ تک پہنچنا ہی ناممکن ہے۔جس طریقے سے آپ سمندر میں ایک چٹکی ڈالیں اور پتہ نہ چلے کہ وہ کہاں گئی،انسان کی گہرائی اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔اس کی تہہ کو اس کے پیدا کرنے والا ہی جانتا ہے۔

”الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر.“

یہ انسان خود ایک عالم ہے۔ اس کو اللہ نے دماغ دیا ہے، اس کو اللہ نے دل دیا ہے، اس کو اللہ نے اعضاء وجوارح دیئے ہیں، اس کو اللہ نے مقاصد عطا فرمائیں ہیں۔ بڑے دور دراز، سر بلند۔ اس کی کیا کیا خواہشات ہیں، کیا کیا ضرورتیں ہیں، کیا کیا ارادے ہیں، اس کی کیا کیا تمنائیں اور آرزوئیں ہیں، غرض کہ اتنا بڑا جنگل ہے کہ بڑے سے بڑے محقق اس میں گم ہو جائیں۔

انبیاء علیہم السلام کے سامنے جب انسان آیا اور ان کو معلوم ہوا کہ اس انسان پر ان کو محنت صرف کرنی ہے اور اس کو بنانا ہے تو اب ان کے لئے بڑا امتحان تھا۔ اگر اس موقع پر انسانی نفسیات کے ماہر ہوتے، بڑے بڑے مصلح ومعلم ہوتے، بڑے بڑے مفکر وفلسفی ہوتے تو ہزاروں ٹھوکریں کھاتے وہ انسان کی انسانیت کا سراغ لگانے کے لئے نکلتے اور اس کا سرا ڈھونڈھنے کے لئے وہ سفر شروع کرتے تو عمر گذر جاتی بلکہ نسلیں گذر جاتی اور ان کو اس کا سرا نہ ملتا۔ یہ انسان ایک ایسی پہیلی ہے جس کا بوجھنا ہی مشکل ہے خود انسان اپنی حقیقت سے واقف نہیں اس کے سینکڑوں شعبے ہیں، کتنے شعبے ہیں جو معلوم ہو چکے ہیں اور کتنے شعبے ہیں جو ابھی تک نامعلوم ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اگر اللہ کی رہنمائی نہ ہوتی اور اللہ کی نصرت شامل حال نہ ہوتی اور تقدیر الٰہی کا فیصلہ نہ ہوتا کہ اللہ کے آخری نبی ہی سے قیامت تک ہدایت کا کام لینا ہے اور اس دنیا کا بگاڑ ان سے دور کرانا ہے اور انسان کو اس کے خالق سے ملانا ہے اور انسان کا مقصد زندگی سے آگاہ کرنا ہے تو انسان کی ہدایت کا کام آسان نہ تھا۔

انسانیت کے محققین کی نسلیں گذر گئیں جو دماغ ہی کے اندر سرگرداں رہیں اور دماغ ہی کا سفر پورا نہیں کر سکیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی رہنمائی فرمائی کہ دنیا کی اصلاح و تبدیلی کا مرکز انسان ہے اور انسان کی اصلاح میں تبدیلی کا مرکز اس کا دل ہے۔

دل کہنے کو تو ایک لفظ ہے لیکن اس کا بھی کوئی اور چھور نہیں، اس کی وسعت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے، یہ سارا عالم اس کا لقمہ بن سکتا ہے، یہ سارا عالم اس کے دل کی وسعتوں میں ایسا گم ہو سکتا ہے کہ پتہ ہی نہ چلے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت و رہنمائی فرمائی کہ انسان کے اندر خیر کا ارادہ پیدا ہو جانا اپنی

ہستی سے واقف ہوجانا اور ایثار کا مادہ اس کے اندر پیدا ہوجانا اور اغراض سے اس کا پاک ہوجانا اپنی اور دوسروں کی زندگی کو خدا کے رضا کے راستے پر ڈالنے کی کوشش کرنا تاکہ سب کے سب خدا کی رضا کے جویا بن جائیں۔ اپنی شہوتوں اور خواہشات کی بندگی سے آزاد ہوجائیں اور ایک خدائے واحد کی بندگی میں لگ جائیں اور ان پر ان کے معدے کی حکومت نہ ہو، ان کے خواہشات کی حکومت نہ ہو، ان کے سفلی مقاصد کی حکومت نہ ہو، وہ صرف اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ہاتھ پاؤں نہ ماریں اور اس دنیا کو صرف اپنے گھر کے اندر محدود نہ سمجھیں۔ اپنے چار بچوں والی، آٹھ بچوں والی، دس بارہ افراد خاندان والی دنیا نہ سمجھیں کہ ساری دنیا اسی ایک گھر کی اندر آ گئی اور یہی میری دنیا ہے، یہیں مجھے مرنا اور جینا ہے۔ وہ اس قفس سے جس کی تیلیاں کہیں سونے کی ہیں، کہیں لوہے کی، مگر بہر حال یہ ایک پنجرہ ہے، اس پنجرہ سے وہ آزاد ہوجائے اور آفاق کی وسعتوں سے آشنا ہوجائے۔

"وکذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ولیکون من المؤقنین"

اس کو معلوم ہوجائے کہ میرا خالق کیا ہے؟ اس کی کیا کیا صفات ہیں؟ اس کے پاس کیا ہے؟ اس سے کیا چیز مانگنی چاہئے؟ اس کے خزانے میں کیا کچھ ہیں؟ اس کے خزانے سے مجھے کیا مل سکتا ہے؟ وہ کون سے اعمال ہیں؟ کون سے اخلاق ہیں؟ کون سے عقائد ہیں؟ کون سا طرز زندگی ہے؟ جس سے میں خالق سے وہ نعمتیں حاصل کرسکتا ہوں جن کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

"مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر"

نہ کسی آنکھ نے اس کو دیکھا نہ کسی کان نے اس کو سنا اور نہ کوئی دل میں اس کا خیال گزرا۔

انسان ایک جنگل ہے۔ اس میں ہر طرح کے شیر، چیتے اور تیندوے موجود ہیں۔ یہ نہ سمجھئے گا کہ یہ اس کے باہر کی دنیا میں موجود ہیں بلکہ در حقیقت یہ انسان کے اندر موجود ہیں اور باہر ان کا ظہور ہے۔ انسان کے اندر کے شیر اور تیندوے، انسان کے اندر کے چیتے اور بھیڑیے، انسان کے اندر کے کتے اور سور، باہر کے کتے اور سوروں سے کہیں زیادہ خطرناک، کہیں زیادہ زہریلے، کہیں زیادہ خونخوار اور کہیں زیادہ انسان کے خون کے پیاسے ہیں۔ اور ان

کے اندران سے کہیں زیادہ خباثت ہے، یہ انسان کے اندر کے سانپ اور بچھو جب سے باہر نکل آئے ہیں، تب سے دنیا تباہ ہوئی ہے۔

باہر کے سانپ اور بچھوؤں نے دنیا کو کبھی تنگ نہیں کیا۔ آپ نے یہ کبھی تاریخ میں نہیں پڑھا ہوگا کہ سانپوں اور بچھوؤں نے اپنی تنظیم کی اور اپنے دشمنوں کے خلاف لشکر کشی کی۔ کبھی آپ نے یہ نہیں سنا ہوگا کہ ساری دنیا کے شیر اکٹھا ہو گئے اور شیروں نے دنیا پر حملہ کر دیا، یہاں پر تاریخ کے بہت سے ☆ بھیڑیئے بھیڑیوں سے لڑے ہوں۔ چھوڑ دیجئے انسان کو، لیکن کتنی بار آپ نے پڑھا اور پڑھتے پڑھتے آپ تنگ آ گئے اور پڑھنا تو بڑی دور کی بات ہے ہماری اور آپ کی زندگی میں دو دو جنگیں پیش آئی ہیں۔ ہم میں سے بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جنہوں نے پہلی جنگ عظیم بھی دیکھی ہوگی۔ خواہ وہ اس وقت کے بچے رہے ہوں۔ یہ دونوں جنگیں کس نے کس کے خلاف لڑیں؟ خدا کے لئے یہ بتایئے کہ یہ سانپوں اور بچھوؤں کی لڑائی تھی انسان سے یا سانپوں اور بچھوؤں سے، بچھو بچھو سے لڑتا ہے، سانپ سانپ سے لڑتا ہے، بھیڑیا بھیڑیئے کو کھاتا ہے مگر بھیڑیوں نے کبھی اپنی تنظیم نہیں کی بھیڑیوں نے کبھی اپنی صفت آرائی نہیں کی۔

بھیڑیوں میں کبھی کوئی عصبیت پیدا نہیں ہوئی کہ ایک ملک کے بھیڑیئے دوسرے ملک کے بھیڑیئے سے لڑیں لیکن انسانیت کی تاریخ میں ایک دن بھی آپ بتا سکتے ہیں کہ انسان انسان کے خلاف لڑتے ہیں، محلے کے خلاف لڑتے ہیں لیکن جانوروں کے متعلق کبھی ایسا نہیں سنا گیا۔

انسان کے اندر کے یہ خونخوار جانور کب باہر نکلتے ہیں؟ خدا کے پیغمبروں نے جو حصار تعمیر کیا ہے اور جس کے اندر "یاجوج ماجوج" کی طرح وہ بند ہیں۔ انسان کے اندر خونخوار جانوروں کو لگام دینے کے لئے بلکہ ان کو انسانوں میں تبدیل کرنے کے لئے اللہ کے پیغمبروں کے پاس ایک نسخہ ہے۔ جب انسان اس سے سرکشی کرتا ہے یا اس نعمت کی ناقدری کرتا ہے تو انسانوں کے اندر جو درندے ہیں، یہ باہر نکل آتے ہیں اور پوری دنیا میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔

جب انسان، انسان کا شکار کھیلنے لگتا ہے جب انسان، انسان کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ کے سامنے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دوسری توفیق یہ تھی کہ اس نے ان کو یہ سمجھ عطا فرمائی کہ انسان کے دل پر اپنی ساری طاقتیں لگادیں، حدیث شریف میں آتا ہے۔

"ان فی الجسد مضغة اذ صلحت صلح الجسد کله و اذ فسدت فسدت کله الا وهی القلب"

انسان کے اندر ایک مضغہ گوشت ہے، ایک حقیر سا ٹکڑا ہے انسانی گوشت کا۔ اگر وہ درست ہوجائے تو سارا جسم درست ہوجائے۔ یادرکھو۔ یہ دل ہے اس لئے انہوں نے دل پر اپنی طاقت صرف کی انہوں نے اس حقیقت کو پالیا کہ وسائل اور ارادے، ذہانتیں، طاقتیں کائنات کے سارے خزانے، روپیہ پیسہ اور دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی نعمتیں پیدا کی ہیں اور جتنے بھی فائدہ پہنچانے اور نقصان پہنچانے والے ذرائع پیدا کئے ہیں، وہ سب انسان کے ارادے کے تابع ہیں۔ انسان کے اندر خیر کا ارادہ پیدا ہوجائے تو اگر وسائل نہ ہوں گے تو وہ وسائل پیدا کرلے گا اور اللہ اس کے لئے وسائل پیدا فرمادے گا۔

اگر انسان کی طبیعت کا رخ صحیح ہوجائے، اگر انسان خیر کا طالب، اگر انسان انسان کی فلاح چاہنے والا ہو، اگر انسان انسان کو نفع پہنچانے کا خواہش مند ہو، اگر انسان اپنی ہستی کو دوسروں کے لئے مٹانا چاہے، دوسرے کے زندہ رہنے کے لئے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنے کی ہمت رکھتا ہو، اور اس دنیا سے بدامنی کو دور کرنا چاہے، اس دنیا سے نفرت کو دور کرنا چاہے، اس دنیا کو امن سے خوش حالی سے، اللہ کی محبت سے، انسان کے قدر سے، انسانی جان کی قیمت کی احساس سے بھر دینا چاہے تو پھر وسائل نہ ہوں گے تو بھی وہ اتنا بڑا کام انجام دے گا جو بڑے سے بڑے وسائل کے ساتھ آج تک نہ انجام پایا ہے نہ انجام پاسکتا ہے۔ **اصل چیز** ہے انسان کا ارادہ ہے اگر ارادہ صحیح ہوجائے اور اس کا سرچشمہ صحیح ہوجائے، جہاں سے **وہ** ارادہ نکلتا ہے تو سب کچھ درست ہوجائے۔

ہمارے اس ہاتھ میں اللہ نے بڑی طاقت رکھی ہے۔ لیکن یہ ہاتھ خود کوئی چیز نہیں، اس کی کوئی ہستی نہیں۔ یہ ہاتھ مظلوم پر ظلم کے لئے اٹھ سکتا ہے، ظالم کی مدد کے لئے اٹھ رہا ہے، آج ساری انسانی توانائیاں اور اس کی ساری طاقتیں ظلم کے لئے وقف ہیں اور یہ کوئی انہونی اور بعید از قیاس بات نہیں جب انسان کا دل بدل جائے، انسان کے دل میں اور اس کی نیت میں فتور

آ جائے اوراس کے دل کے اندر انسان کی دشمنی گھر کر جائے۔ اس کو انسان کے خون کی چاٹ لگ جائے تو اس کا ہاتھ یتیم کا سر قلم کرنے کے لئے، بیوہ کے سر سے آخری دوپٹہ یا جو آخری سہارا رہ گیا ہے، اس کو چھین لینے کے لئے غریب ومفلس کے فاقہ زدہ گھر سے جس کو ہفتوں کے بعد چند دانے پکانے کے لئے اپنا اور اپنے یتیم بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ملے ہیں۔ یہ چند دانے اور اس کے چولھے کو اٹھا لینے اور اس کی آگ کو گل کر دینے کے لئے اس وقت تیار رہتا ہے۔ لیکن مسئلہ صرف ہاتھ کا نہیں بلکہ اس کا اور اس طرح کی ساری خرابیوں کا انحصار اس پر ہے کہ انسان کے دل میں کیا ہے اس کا ارادہ کیا ہے؟

کیا انسان کے اندر خیر کی طلب پیدا ہوگئی؟ کیا اس کے اندر خوف پیدا ہوگیا؟ کیا انسانیت کی حقیقت اس پر کھل گئی؟ کیا انسان کو ہستی کا آغاز وانجام معلوم ہوگیا؟

انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے جتنی زرخیزی رکھی ہے اور اس کے دل کی اندر سونا اگلنے کی جو صلاحیت رکھی ہے اس کے سامنے سائبریا کے میدان اور ہندوستان کی سرسبزی وزرخیز زمین ہیچ ہے۔ اگر اس کے اندر نیک ارادوں کے اگنے، پھلنے پھولنے اور پرورش پانے کی صلاحیت پیدا ہوگئی اور انسان کے سفلی اغراض ومقاصد اور اس کی سفلی خواہشات کھاد بننے کے لئے تیار رہے تو انسان ان کو کھاد بنا کر اپنے دل کی سرزمین سے نیک ارادوں کی کھیتی پیدا کرسکتا ہے اور یہ کھیتی پھل دے سکتی ہے، پک سکتی ہے، اور کاٹی جا سکتی ہے۔

لیکن اگر یہ دل کی سرزمین بنجر ہوگئی ہے تو اس کے اندر کانٹے تو پیدا ہو سکتے ہیں، پھول پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس کے اندر تلواریں تو اگ سکتی ہیں لیکن امن دینے والی چھاؤں نہیں پیدا ہوسکتی۔ زہر تو پیدا ہوسکتا ہے لیکن تریاق پیدا نہیں ہوسکتا، بدامنی پیدا ہوسکتی ہے امن پیدا نہیں ہوسکتا نفرت تو پیدا ہوسکتی ہے محبت پیدا نہیں ہوسکتی۔ اپنے بچوں کو پالنے کے لئے یتیموں کا پیٹ پھاڑنے کا جذبہ پیدا ہوسکتا ہے لیکن کسی بے کس کی مظلوم اور کسی مصیبت زدہ کی حفاظت اور یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھنے کا جذبہ نہیں پیدا ہوسکتا۔

اگر انسان کی فطرت ہی کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ اس کی پیاس شربت سے نہیں بجھتی، دودھ سے نہیں بجھتی۔ جس کو اللہ نے "لبناً خالصاً سائغاً للشاربین" کہا ہے۔ اس کی پیاس ٹھنڈے میٹھے پانی سے نہیں بجھتی جس کو قرآن "ماءً فراتاً" کہتا ہے۔ اس کی پیاس دجلہ و

فرات کے پانی سے نہیں بجھتی بلکہ اس کی پیاس انسان کے خون سے بجھتی ہے۔ایسی حالت میں اگر یہ چاند اور دوسرے سیارے جن تک پہنچنے اور وہاں کی آب وہوا کو اپنے مناسب بنانے میں انسان اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہا ہے۔ یہ چاند مریخ اور دوسرے سیارے زمین پر اتر آئیں، انسان کے قدموں کے نیچے آجائیں اور یہ ساری دنیا جنت کا نمونہ بنائی جائے لیکن انسان کے دل کی کھیتی خراب رہے اور اس سے خیر پیدا کرنے کی صلاحیت جاتی رہی ہے تو یاد رکھو انسان کی تقدیر میں تباہی لکھی ہوئی ہے۔اس کی حالت کبھی سدھر نہیں سکتی اور یہ دنیا انسانوں ہی کے ہاتھوں پھر جہنم کدہ بن جائے گی۔

حضرات! دنیا میں ہر طرف پھیلے ہوئے فساد کو، بدامنی کو، سروں پر منڈلاتے ہوئے مہیب جنگ کے خطرہ کو دور کرنے کے لئے اور انسان کو امن وسکون اور باہمی اعتماد ومحبت کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کے دل کے کھیتی میں ہل چلایا جائے، آج کسانوں کو دیکھتے ہیں خدا کے بنائے ہوئے صحیح اور فطری قانون کے مطابق کسان زمین میں ہل چلاتا ہے تو زمین کتنا خزانہ اگل دیتی ہے۔اسی طرح اگر دل کی کھیتی میں ہل چلایا جائے اور خدا کے پیغمبروں کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق چلایا جائے اور اس میں تھوڑی سی محنت صرف کی جائے اور یہ دل کی کھیتی لہلہا اٹھے اور پھلنے پھولنے لگے تو آپ سمجھ سکتے ہی کہ اس وقت دنیا کا نقشہ کیا ہوگا؟ یہ حقیر زمین جو آپ کے قدموں تلے روندی جاتی ہے،اس سے آپ نے اتنا بڑا فیض پایا، اگر آپ دل کی کھیتی میں خدا کے پیغمبروں کے دیئے ہوئے ہل چلاتے اور ان کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق آپ اس کی خدمت کرتے اور اس میں ریاضت کرتے اور وہ کھیتی برگ وبار لاتی تو پھر آپ دیکھتے کہ دنیا میں کیسی بہار آئی ہے اور جب دل کی کھیتی خزانہ اگلتی تو دنیا کا دامن کیسے کیسے موتیوں سے بھر جاتا، کیسے کیسے ولی کامل، کیسے، کیسے خادم انسانیت، کیسے کیسے بے لوث وبے غرض انسان اور انسانوں کے لئے اپنا خون پانی ایک کرنے والے سامنے آتے کہ جن کے کارناموں کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔

کوئی باور نہیں کرسکتا کہ کیا انسان کے اندر اتنی بے غرضی پیدا ہوسکتی ہے؟ کیا انسان دوسروں کی خاطر اپنی اولاد قربان کرسکتا ہے؟ کیا انسان وعدہ وفا کرنے کے لئے اپنا گھر لٹا سکتا ہے؟ ایک مظلوم کو بچانے کے لئے اپنے سارے کنبے کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے،ایک

انسان خود زخمی ہے اور پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے ہیں، مر رہا ہے، پھر بھی دوسرے زخمی کی پیاس بجھانے کے لئے اپنا پانی پیش کرسکتا ہے، دنیا کی عقل اس کا تصور کرنے سے بھی عاجز ہے۔ یہ سب کرشمہ تھا خدا کے پیغمبر کی محنتوں کا، انہوں نے دل کی کھیتی پر صحیح طریقے سے محنت کی اور اس کے اندر اللہ کے رکھے ہوئے مخفی خزانوں اور دفینوں کو نکالا اور عالم انسانیت کو اس سے مالا مال کردیا۔

خدا کے پیغمبروں نے اس زمین کو چھوڑا، بڑے بڑی ماہرین کو چھوڑا کہ وہ صنعتوں کو ترقی دیں، نہ ان کو روکا نہ ان کی رہنمائی کا دعویٰ کیا بلکہ انہوں نے صاف کہہ دیا" **انتم اعلم بامور دنیا کم**" صنعت والے صنعت کے میدان میں ترقی کریں، زراعت والے زراعت کے میدان میں اور علم والے علم کے میدان میں۔ اللہ نے ہم کو ایک اور میدان دیا ہے۔ وہ انسانیت کا میدان ہے انہوں نے اس میدان میں محنت صرف کی تو دنیا کا نقشہ کیا سے کیا ہو گیا۔ صرف ایک دور کی تاریخ پڑھئے صحابہ کرام کے دور کی، جب حضور ﷺ کو اللہ نے یہ موقع دیا کہ وہ دل کی سرزمین میں کھیتی کریں تو آپ دیکھئے کہ اس دنیا میں کیسی بہار آئی۔

اس وقت ہزاروں مشکلات تھیں، تمدن اپنے بالکل ابتدائی دور میں تھا۔ انسانیت نے بہت سے میدانوں کا انکشاف ہی نہیں کیا تھا، سائنس نے گویا اپنا سفر ہی شروع نہیں کیا تھا، قدم قدم رکاوٹ تھی، سفر کی دشواریاں تھیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ آدمی کے پہنچنے کے لئے سخت مشکلات درپیش تھیں۔ لیکن جب نیک ارادہ پیدا ہوا اور ان کے اندر انسانوں کو خدا کا پیغام پہنچانے کا انسانوں کو تاریکی سے نکالنے کا اور ترحم کا سچا جذبہ پیدا ہوا کہ انسان اپنی ہستی کو کس طرح خاک میں ملا رہا ہے اور ان کو اپنی آنکھوں سے صاف نظر آیا کہ جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہیں، اور انسان اس میں چھلانگ مارنا چاہتے ہیں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص نے آگ روشن کی اور پروانے اس میں گرنے لگے۔ وہ ہٹاتا ہے مگر ہٹا نہیں پاتا، پروانوں کی طرح لوگ اس میں کودنے اور چھلانگ مارنے کے لئے تیار ہیں اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں اس سے ہٹانا چاہتا ہوں۔

جب صحابہ کرامؓ پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی تو پھر نہ سفر کی صعوبتیں اور اس کی دشواریاں ان کی راہ میں حائل ہوئیں اور نہ اس وقت کی دقتیں اور سفر کی طوالت، راستوں کے خطرات، ان

میں سے کوئی چیز بھی ان کے عزم کے سامنے نہیں ٹک سکی۔ اس لئے کہ ایک تو نیک ارادہ پیدا ہوا دوسرے یہ کہ ارادہ ان پر مستولی ہو گیا، ان کے اعصاب پر اور ان کے دل دماغ پر چھا گیا۔ اب ان کو کھانا پینا مشکل ہو گیا۔ وہ لقمہ توڑتے تھے اور کہتے تھے کہ میں لقمہ توڑتا ہوں اور اللہ کے ہزاروں بندے بالکل ''شفا حفرة من النار'' جہنم کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں جتنی دیر میں لقمہ منہ میں رکھوں گا اور اتاروں گا اتنی دیر میں کتنے خدا کے بندے جہنم کے گڑھے میں گر پڑیں گے۔ عبادت اور ذکر و ورد کا تو خیال ہوتا ہے لیکن دوسروں کو حتیٰ کہ اپنی اولاد کو بھی گناہوں سے نہیں روکتے اور امید رکھتے ہیں کہ مصیبت رفع ہو جائے۔ بڑے تہجد گذار ہیں لمبے لمبے نوافل پڑھتے ہیں خانقاہ والے مرشد ہیں لیکن لڑکے خانقاہ میں داڑھی مونڈ رہے ہیں لڑکیاں بے پردہ ہو کر کالج جا رہی ہیں لیکن ابا جان ہے کہ اپنی نیکی کی گھمنڈ میں مبتلا ہیں کبھی حرف غلط کی طرح بھی برائیوں پر روک ٹوک نہیں کرتے۔

ایک بستی کو الٹنے کا حکم:

ایک حدیث میں ارشاد ہے اللہ جل شانہ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فلاں فلاں بستی کو اس کے رہنے والوں کے ساتھ تختہ الٹ دو۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار ان میں آپ کا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کی بقدر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی کیا اس کو اس عذاب میں شریک کر لیا جائے اللہ جل شانہ کا ارشاد ہوا کہ اس بستی کو اس شخص پر اور باقی رہنے والوں پر الٹ دو کیونکہ یہ شخص خود تو نیکیاں کرتا رہا اور نافرمانیوں سے بچتا رہا لیکن اس کی چہرے پر میرے احکام کے بارے میں کبھی کسی وقت شکن نہیں پڑی۔ (مشکوٰۃ شریف)

امر بالمعروف نہی عن المنکر کی فریضہ کی انجام دہی میں کوتاہی کرنے کا وبال کس قدر ہے اس حدیث سے ظاہر ہے۔

اس دنیا کی فلاح، سعادت اور تباہی و ہلاکت

محترم حضرات! آج ساری دنیا یہی کہہ رہی ہے، حقیقت گم ہوئی تھی ہمارے دل کے اندر، ہمارے وجود کے اندر ہمارے ارادوں کے اندر، ہمارے یقین کا جو سرچشمہ ہے اس کے اندر۔ لیکن چونکہ اس میں تاریکی ہے اور تاریکی ہے ایمان نہ ہونے کی وجہ سے، تاریکی ہے اس وجہ سے کہ نبوت کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹ گیا، لیکن ملے گی وہ چیز وہیں، باہر گیس کے ہنڈے کی روشنی سہی لیکن جو چیز جہاں گری ہے وہ چیز وہیں ملے گی۔ تم نے جس چیز کو گھر کے اندر کھویا ہے، اس کو گھر کے باہر مت ڈھونڈو، گھر کے اندر آؤ چراغ جلاؤ ایمان کی مشعل مانگ کر کے لاؤ، لیکن خدا کے لئے گھر میں آؤ اور تلاش کرو، جو عمل گری ہے، قانون خداوندی ہے، عقل کا فیصلہ ہے وہ چیز وہیں ملے گی۔

تم نے دل کی دنیا میں یقین کھویا، تم نے دل کی دنیا میں انسان کی محبت کھوئی، تم نے دل میں ایمان کھویا، تم نے دل کی دنیا میں انسان پر اعتماد کھویا، تم نے دل کی دنیا میں خدا کی محبت سمجھتا اب تم اس کو باہر تلاش کر رہے ہو، تم اس کو اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر تلاش کر رہے ہو، تم سیاسی کانفرنسوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو سیاسی پارٹیوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو بادشاہوں کے ایوانوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو کتب خانوں کے گوشوں میں تلاش کر رہے اس کا قانون ہے خدا کی غیرت کا فیصلہ ہے کہ جو چیز جہاں کھوئی ہے وہیں ملے گی۔

یہ کھوئی ہوئی چیز جسے تم نے دل میں کھویا ہے اور تم جانتے ہو کہ تم نے کھویا ہے، چیز جب گری تھی، اس کی آواز آئی تھی۔ شیشہ گرتا ہے تو اس کی جھنک پیدا ہوتی ہے، وہ کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ ریت میں گر کر کھو گئی ہو اور آواز نہ آئی ہو، اس کی رسید آئی، اس نے اعلان کیا کہ میں جارہی ہوں۔

ایمان جب کھویا تم کو معلوم ہے۔ اس کی صدائے بازگشت تمہارے کانوں میں آئی محبت جب کھوئی تو اس کی آواز آئی، اس نے پکارا، اس نے تم کو دہائی دی کہ میں جارہی ہوں۔ نبوت کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تو تم کو احساس ہوا اور بتانے والوں نے بتایا، تم نے سنی ان سنی کردی۔

یورپ کے داناؤ! تم نے اس وقت ایسا شور مچا رکھا تھا، ایسی گھنٹیاں بجا رہے تھے کہ جب

حضرت مسیح علیہ السلام کی عطا کی ہوئی چیز کھوئی تھی اور زمین پر گر کر اس نے آواز دی تھی تو تم اس کی آواز نہیں سنی، لیکن مسلمان تم کو بتاتا ہے کہ وہ چیز تم نے کہاں کھوئی، ڈھونڈھنے والوں کو وہیں ملے گی آب حیوان کا چشمہ وہیں ملتا ہے، جہاں وہ ہوتا ہے۔ ہزاروں دریا سہی، سمندر سہی، راوی و چناب سہی، گنگا و جمنا سہی لیکن آب حیوان کا چشمہ تاریکیوں میں ملے گا، انہی تاریکیوں میں جانا پڑے گا، پہلے تاریکیاں پڑیں گی، پھر آب حیوان کا چشمہ ملے گا۔

اب دنیا کا کوئی علاج نہیں ہے۔ سننے والے سن لیں لکھنے والے لکھ لیں، یاد کرنے والے یاد کرلیں، کہ اب دنیا کا کوئی علاج نہیں ہے، صرف یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دامن پکڑا جائے اور پھر چراغ بھی روشن کیا جائے جس سے دل کی کھوئی ہوئی چیز ملے۔ دل کا سرا گم ہو چکا۔ دل تک پہنچنے کا راستہ کسی کے پاس نہیں، افسوس یہ ہے کہ راستہ نہیں، دل تک پہنچنے کا رستہ بہت نازک ہے، یہ بہت پتلی گلی ہے مگر راستہ وہی ہے۔

سن لو کہ دماغ ہفت زبان ہے، لیکن دل یک زبان۔ دماغ انگریزی جانتا ہے، دماغ فرانسیسی جانتا ہے، دماغ عربی جانتا ہے، اعلیٰ سے اعلیٰ تقریریں کرو، لطیف نکتے پیدا کرو، بلند سے بلند فلسفیانہ بحث کرو، لیکن دل ایک زبان جانتا ہے۔ دل انصاف کی زبان جانتا ہے، دل محبت کی زبان جانتا ہے، دل فلسفوں سے نہیں سمجھے گا، باریکیوں سے نہیں سمجھے گا، سائنس سے نہیں سمجھے گا، دل تو ایک ایمان کی زبان جانتا ہے۔ خدا کا نام لو تو دل جاگ اٹھے گا، خدا کے نام سے پکارو، دل دوڑ پڑے گا، خدا کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں، طاقت کی کمی نہیں، تنظیم کی کمی نہیں، دولت کی کمی نہیں دانائی کی کمی نہیں، سب قدموں کے نیچے ہیں۔ لیکن دل کو جگاؤ اور دل کو ایک مرتبہ خیر کے راستے پر ڈال دو اور دل میں انسان کی محبت پیدا کردو، دل کی اس بنجر زمین میں پھر صلاحیت پیدا کرو اور وہ صلاحیت پیدا نہیں ہوگی جب کہ اپنے سفلی اغراض و مقاصد کی کھاد اس میں نہ ڈالو۔

یہ تمہاری دولت پرستی، یہ تمہاری جاہ پرستی، یہ تمہاری غرض پرستی یہ تمہاری حکومت پرستی یہ کھاد ہے دل کی، جب اس کو کھاد بنا کر زمین پر ڈالو گے تو دل کی کھیتی خزانہ اگلے گی پھر خلوص پیدا ہوگا، کھاد ہوگی۔ تم نے دیکھا ہے کہ کھاد ہمیشہ گندی ہوتی ہے، مگر کھاد سے جو چیز پیدا ہوتی ہے، وہ کیسی لطیف و نفیس ہوتی ہے۔ جب اغراض کی غلط مقاصد کی کھاد انسانیت دشمنی کی، جاہ پرستی

کی، حکومت پرستی کی، کھاد ڈالو گے تو اس سے خلوص برآمد ہوگا، اس سے صداقت برآمد ہوگی، اس سے انصاف برآمد ہوگا، اس سے انسانیت کی فلاح کی طلب برآمد ہوگی اور پھر دنیا میں بہار آئے گی اور یہ دنیا جنت کا راستہ بن جائے گی۔

وماعلینا الا البلاغ المبین

صور زندگی

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد ٥فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ٥بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

بعثت سے پہلے دنیا کے حالات

حضرات! ذرا چودہ سو برس پہلے کی دنیا پر نظر ڈالئے، اونچی اونچی عمارتوں، سونے چاندی کے ڈھیروں اور زرق برق لباسوں کو چھوڑ دیجئے، یہ تو آپ کو پرانی تصویروں کے مرقع اور مردہ عجائب خانہ میں بھی نظر آ جائیں گے، یہ دیکھئے کہ انسانیت بھی کبھی جیتی جاگتی تھی، مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھر کر دیکھ لیجئے اور سانس روک کر آہٹ لیجئے، کہیں اس کی نبض چلتی ہوئی اور اس کا دل دھڑکتا ہوا معلوم ہوتا ہے؟

زندگی کے سمندر میں بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھائے جارہی تھی، انسانیت کے جنگل میں شیر اور چیتے، سوار اور بھیڑیے بکریوں اور بھیڑیوں کو کھا رہے تھے، بدی نیکی پر، رزالت شرافت پر، خواہشات عقل پر، پیٹ کے تقاضے روح کے تقاضوں پر غالب آ چکے تھے، لیکن اس صورت حال کے خلاف اتنی لمبی چوڑی زمین پر کہیں احتجاج نہ تھا، انسانیت کی چوڑی پیشانی پر غصہ کی کوئی شکن نظر نہیں آتی تھی، ساری دنیا نیلام کی ایک منڈی بن چکی تھی، بادشاہ و وزیر، امیر و غریب، اس منڈی میں سب کے دام لگ رہے تھے اور سب کوڑیوں میں بک رہے تھے، کوئی ایسا نہ تھا جس کا جوہر انسانیت خریداروں کے حوصلے سے بلند ہو اور جو پکار کر کہے کہ یہ ساری فضا میری ایک اڑان کے لئے کافی نہیں، یہ سادی دنیا اور یہ پوری زندگی میرے حوصلہ سے کم تھی، اس لئے ایک دوسری ابدی زندگی میرے لئے پیدا کی گئی، میں اس فانی زندگی اور اس محدود دنیا کی ایک چھوٹی سی کسر پر اپنی روح کو کس طرح فروخت کرسکتا ہوں؟

حقوموں اور ملکوں کے اوران سے گزر کر قبیلوں اور برادریوں کے اوران سے آگے بڑھ

کر کنبوں اور گھرانوں کے چھوٹے سے چھوٹے گھروندے بن گئے تھے اور بڑے بڑے بلند ہمت انسان جن کو اپنی سرفرازی و سربلندی کے بڑے اونچے دعوے تھے، بالشتیوں کی طرح ان گھروندوں میں رہنے کے عادی بن چکے تھے، کسی کو ان میں تنگی اور گھٹن محسوس نہیں ہوتی تھی اور کسی کو اس سے زیادہ وسیع تر انسانیت کا تصور باقی نہیں رہا تھا، زندگی ساری سود و سودا اور مکر و فن میں گھر کر رہ گئی تھی۔

انسانیت ایک سرد لاشہ تھی، جس میں کہیں روح کی تپش، دل کا سوز اور عشق کی حرارت باقی نہیں رہی تھی، انسانیت کی سطح پر خود رو جنگل اگ آیا تھا، ہر طرف جھاڑیاں تھیں، جن میں خونخوار درندے اور زہریلے کیڑے تھے، یا دلدلیں تھیں، جن میں جسم سے چپک جانے والی اور خون چوسنے والی جونکیں تھیں، اس جنگل میں ہر طرح کا خوفناک جانور، شکاری پرندہ اور دلدلوں میں ہر قسم کی جونک پائی جاتی تھی، لیکن آدم زادوں کی اس بستی میں کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا، جو آدمی تھے وہ غاروں کے اندر، پہاڑوں کے اوپر اور خانقاہوں اور عبادت گاہوں کی خلوتوں میں چھپے ہوئے تھے اور اپنی خیر منا رہے تھے، یا زندگی میں رہتے ہوئے زندگی سے آنکھیں بند کر کے فلسفہ سے اپنا دل بہلا رہے تھے، یا شاعری سے اپنا غم غلط کر رہے تھے اور زندگی کے میدان میں کوئی مرد میدان نہ تھا۔

حضور ﷺ کی بعثت:

دفعتاً انسانیت کے اس سرد جسم میں گرم خون کی ایک رو دوڑی نبض میں حرکت اور جسم میں جنبش پیدا ہوئی۔ جن پرندوں نے اس کو مردہ سمجھ کر اس کے بے حس جسم کے ساکن سطح پر بسیرا کر رکھا تھا، ان کو اپنے گھر ہلتے ہوئے اور جسم لرزتے ہوئے محسوس ہوئے۔ قدیم سیرت نگار اس کو اپنی خاص زبان میں یوں بیان کرتے ہیں کہ کسریٰ شاہ ایران کے محل کے کنگرے گرے اور آتش پارس ایک دم بجھ گئی۔ زمانہ حال کا مورخ اس کو اس طرح بیان کرے گا کہ انسانیت کی اس اندرونی حرکت سے اس کی بیرونی سطح پر اضطراب پیدا ہوا۔ اس کی اس ساکن و بے حرکت سطح پر جتنے کمزور اور بودے قلعے بنے ہوئے تھے ان میں زلزلہ آیا۔ مکڑی کا ہر جالا ٹوٹتا اور تنکوں کا ہر گھونسلہ بکھرتا نظر آیا۔ زمین کی اندرونی حرکت سے اگر سنگین عمارتیں اور آہنی برج خزاں کے

پتوں کی طرح جھڑ سکتے ہیں تو پیغمبر کی آمد سے کسریٰ وقیصر کے خودساختہ نظاموں میں تزلزل کیوں نہ ہوگا؟ زندگی کا یہ گرم خون جو انسانیت کے سرد جسم میں دوڑا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا واقعہ ہے جو متمدن دنیا کے قلب مکہ معظمہ میں پیش آیا۔

حضور ﷺ کا امت کو پیغام:

آپ نے دنیا کو جو پیغام دیا، اس کے مختصر لفظ زندگی کی تمام وسعتوں پر حاوی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ انسانی زندگی کی جڑیں اور اس کے جھوٹے قصر زندگی کی بنیادیں کبھی اس زور سے نہیں ہلائی گئیں اور دنیا کے کند ذہن پر بھی ایسی چوٹ نہیں پڑی تھی، جیسے ان لفظوں سے پڑی۔ وہ غصہ سے تلملا گیا اور اس نے جھنجھلا کر کہا اجعل الا لهة الهـا واحـدا ان هذا الشـئ عجاب (کیا ان سب کو جن کی ہم پرستش کرتے تھے اور جن کے ہم بندے بنے ہوئے تھے اڑا کر ایک ہی معبود مقصود مقرر کر رکھا ہے؟ یہ تو بڑے اچنبھے کی بات ہے) اس ذہن کے نمائندوں نے فیصلہ کیا کہ یہ ہمارے نظام زندگی کے خلاف ایک گہری اور منظم سازش ہے اور ہم کو اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ وانطلق الملأ منهم ان امشوا واصبروا علىٰ الهتكم ان هذا الشيئ يراد (ان کے سردار اور ذمہ دار ایک دوسرے کے پاس گئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو۔ یہ تو کوئی طے کی ہوئی بات معلوم ہوتی ہے۔)

لا الہ الا اللہ کے پیغام کا مطلب:

یہ نعرہ زندگی اور انسانیت کے پورے تصور پر ایک کاری ضرب تھی جو ذہن کے پورے سانچہ اور زندگی کے پورے ڈھانچہ کو متاثر کرتی تھی۔ اس کا مطلب تھا جیسا کہ آج تک سمجھا جاتا رہا، یہ دنیا کوئی خودرو جنگل نہیں بلکہ یہ مالی کا لگایا ہوا آراستہ باغ ہے اور انسان اس باغ کا سب سے اعلیٰ پھول ہے، یہ پھول جو ہزاروں بہاروں کا سرمایہ ہے، بے مقصد نہیں کہ مل دل کر رہ جائے۔ اس کے اندر وہ لامحدود طلب، وہ بلند ہمت، وہ بلند پرواز روح اور وہ مضطرب دل ہے کہ ساری دنیا مل کر اس کی تسکین نہیں کر سکتی اور یہ سست عناصر دنیا اس کے ساتھ نہیں چل سکتی، اس کے لئے غیر فانی زندگی اور ایک لامحدود دنیا درکار ہے، جس کے سامنے یہ زندگی ایک قطرہ اور یہ

دنیا بازیچہ اطفال ہے، وہاں کی راحت کے سامنے یہاں کی راحت اور وہاں کی تکلیف کے سامنے یہاں کی کوئی تکلیف حقیقت نہیں رکھتی، اس لئے انسان کا فطری تقاضا خدائے واحد کی عبادت، اس کی خودشناسی، رضائے الٰہی کی طلب، اور اس کی زندگی اس کے لئے جدوجہد ہے۔ انسان کو کسی روح، کسی مخفی وفرضی طاقت، کسی درخت اور پتھر، کسی قسم کی دھات اور جمادات، کسی مال ودولت، کسی جاہ وعزت، کسی طاقت وقوت اور کسی روحانیت وعظمت کے سامنے بندوں کی طرح جھکنے اور سبزی کی طرح پامال ہونے کی ضرورت نہیں، وہ صرف ایک بلندی کے سامنے سب سے زیادہ پست اور سب پستیوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ بلند ہے، وہ سارے عالم کا مخدوم اور ایک ذات کا خادم ہے، اس کے سامنے فرشتوں کو سجدہ کرا کر اور اس کو اللہ کے سوا ہر ایک کے سجدہ سے منع کر کے ثابت کر دیا کہ کائنات کی طاقتیں جن کے فرشتے امین ہیں ان کے سامنے سرنگوں اور سربسجود ہیں اور اس کا سر اس کے جواب میں اللہ کے سامنے جھکا ہوا ہے۔

کفار مکہ کی حضور ﷺ کو پیشکش:

دنیا کا ذہن اتنا شل ہو چکا تھا کہ وہ مادیات ومحسوسات اور جسم اور پیٹ کے حدود سے باہر آسانی سے کام نہیں کرسکتا تھا۔ لوگوں کا ذہن اتنا اتھلا ہو چکا تھا کہ وہ کسی انسان سے متعلق گہرا اور بلند تصور قائم ہی نہیں کرسکتا تھا، انہوں نے کچھ پیمانے بنا رکھے تھے، ہر نئے شخص کو اس پیمانے سے ناپتے تھے، زندگی کی جو چھوٹی چھوٹی بلندیاں بن چکی تھیں، ہر بلند انسان کو انہیں کے سامنے لا کر دیکھتے تھے، انہوں نے بڑے غور وفکر اور ذہانت سے کام لیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے اس کے آگے نہ سوچ سکے کہ یا تو وہ مال ودولت کے یا سرمایہ داری وبادشاہی کے یا عیش وعشرت کے طالب ہیں، انصاف کیجئے تو اس وقت تک دنیا کا تجربہ اس سے زیادہ اور کیا تھا اور اس نے اپنے زمانے کے حوصلہ مندوں اور شہبازوں کی اس سے بلند پرواز کب دیکھی تھی؟ انہوں نے آپ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا، یہ دراصل اس عصر کے ذہن ودماغ اور نفسیات کی سچی نمائندگی اور اس نے جو کچھ کہا، وہ زمانہ کے احساسات کی صحیح ترجمانی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے جو اس کا جواب دیا، وہ نبوت کی صحیح نمائندگی اور امت مسلمہ کی حقیقت کا اصلی اظہار تھا، آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ ان میں سے کسی چیز کے طالب نہیں، آپ جس چیز کے داعی ہیں وہ ان کی ان بلند چیزوں سے

اس سے بھی زیادہ اونچی ہے جتنا آسمان اس زمین سے، آپ اپنی ذاتی راحت اور ترقی کے لئے فکرمند نہیں بلکہ نوع انسانی کی نجات اور اس کی راحت کے لئے بے چین ہیں، آپ اس دنیا میں اپنے لئے کوئی مصنوعی جنت بنانے کے خواہشمند نہیں بلکہ جنت سے نکالے ہوئے انسان کو حقیقی جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اپنی سرداری کے لئے کوشاں نہیں بلکہ تمام انسانوں کو انسان کی غلامی سے نکال کر بادشاہ حقیقی کی غلامی میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ اسی بنیاد پر یہ امت بنی اور یہی پیغام لے کر تمام دنیا میں پھیل گئی۔ ان کے سفیروں نے جو اپنے اندر دعوت کی سچی روح اور اسلام کی صحیح زندگی رکھتے تھے، کسریٰ اور قیصر کے بھرے دربار میں صاف کہہ دیا کہ ہم کو اللہ نے اس کام کے لئے مقرر کیا ہے کہ ہم اس کے بندں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں، دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں اور مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کے انصاف میں داخل کریں، ان کو جب اپنے اصولوں پر حکومت قائم کرنے اور چلانے کا موقع ملا تو وہ جو کچھ کہتے تھے اور جس کی دوسروں کو دعوت دیتے تھے، اس کو جاری کر کے دکھادیا، ان کی معیاری حکومت کے زمانے میں کسی انسان کی بندگی نہیں ہوتی تھی، بلکہ اللہ کی بندگی ہوتی تھی، کسی انسان یا جماعت کا حکم نہیں چلتا تھا بلکہ اللہ کا حکم چلتا تھا، ان کا حاکم جس کو وہ خلیفہ کہتے تھے معمولی سی انسانی تحقیر پر کہہ اٹھتا تھا کہ لوگ ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے۔ تم نے ان کو کب سے غلام بنالیا؟ ان کا بڑے سے بڑا حاکم بڑی بڑی بادشاہتوں کے دارالسلطنت میں شان سے رہتا تھا کہ لوگ اس کو مزدور سمجھ کر اس کے سر پر بوجھ رکھ دیتے تھے اور وہ اس کو ان کے گھر پہنچا آتا تھا۔ ان کا دولت مند سے دولت مند انسان اس طرح زندگی گزارتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس زندگی کو زندگی اور اس کی راحت کو راحت ہی نہیں سمجھتا۔ اس کی نظر کسی اور زندگی پر ہے اور اس کو طلب کسی اور راحت کی ہے۔

دنیا میں مادی ضرورتوں کے علاوہ ایک دوسری روشن حقیقت بھی ہے

اس امت کا وجود دنیا کے ہر گوشہ میں مادی حقیقتوں اور جسمانی لذتوں کے علاوہ ایک بالکل دوسری حقیقت کے وجود کا اعلان ہے۔ اس کا ہر فرد پیدا ہو کر اور مر کر بھی اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ دنیا کی طاقتوں سے بڑی اور ایک دوسری طاقت ہے اور اس زندگی سے زیادہ

حقیقی دوسری زندگی ہے۔ وہ دنیا میں آتا ہے تو اس کے کان میں اسی حق کی اذان دی جاتی ہے، مرتا ہے تو اسی شہادت و مظاہرہ کے ساتھ اس کو رخصت کیا جاتا ہے، جب اس دنیا پر بے حسی اور موت کا سکوت طاری ہو جاتا ہے اور شہر کی ساری آبادی معاش کی جدوجہد میں سرتاپا غرق ہو جاتی ہے اور دنیا میں مادی ضرورتوں کے علاوہ کوئی اور ضرورت اور محسوس حقیقتوں کے علاوہ کوئی اور حقیقت جیتی جاگتی نظر نہیں آتی، اس کی وہی اذان اس طلسم کو توڑ دیتی اور اس کا اعلان کرتی ہے کہ نہیں جسم اور پیٹ سے زیادہ ایک دوسری روشن حقیقت ہے اور وہی کامیابی کی راہ ہے۔ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح بازار کا شور اس نعرہ حق کے سامنے دب جاتا ہے اور سب حقیقتیں اس حقیقت کے سامنے ماند پڑ جاتی ہیں اور اللہ کے بندے اس آواز پر دیوانہ وار دوڑ پڑتے ہیں، جب رات کو پورا شہر میٹھی نیند سوتا ہے اور یہ جیتی جاگتی دنیا ایک وسیع قبرستان ہوتی ہے، دفعتاً موت کی اس بستی میں زندگی کا سرچشمہ اس طرح ابلتا ہے جس طرح رات کی سیاہی میں صبح کی سپیدی نمودار ہو۔ الصلوٰۃ خیر من النوم سے اونگھتی سوتی انسانیت کو تازگی اور زندگی کا پیغام ملتا ہے، جب کسی طاقت و سلطنت کا کوئی فریب خوردہ انا ربکم الاعلیٰ (میں تمہارا سب سے اونچا پروردگار ہوں) اور ما لک من الہ غیری (میرے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں) کا نعرہ لگاتا ہے تو ایک غریب مؤذن اسی مملکت کی بلندیوں سے اللہ اکبر کہہ کر اس کے دعویٰ خدائی کا تمسخر اڑاتا ہے اور اشہد ان لا الہ الا اللہ کہہ کر حقیقی بادشاہت کا اعلان کرتا ہے۔ اس طرح دنیا کا مزاج بے اعتدالی سے اور اس کا دماغ بہکنے سے محفوظ رہتا ہے۔

اس عرفان، ایمان اور اعلان کا چشمہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور آپ کی تعلیم و دعوت اور اب یہی عرفان ایمان اور اعلان دنیا کی حیات نو کا سرچشمہ اور صحیح و صالح انقلاب کا واحد ذریعہ ہے:

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

توحید خالص اور اتباع سنت کی دعوت

ذیل کا مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ اہم تقریر ہے جو مدرسہ فلاح المسلمین تیندوا امین نگر رائے بریلی میں ۲۷ شوال المکرم ۱۴۱۹ھ کو نئے تعلیمی سال کے موقع پر وہاں کے عوام اور اساتذہ کے سامنے کی گئی یہ مدرسہ نصیر آباد کے قریب واقع ہے جو حضرت مولانا رحمۃ اللہ کے خاندان کا مسکن رہ چکا ہے اور یہیں سے حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ تکیہ کلاں رائے بریلی تشریف لائے تھے، عہد اخیر میں نصیر آباد کے اسی خاندان کے دو بزرگوں مولانا خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی اور مولانا سید امین صاحب نصیر آبادی نے اس علاقہ میں اور قریبی اضلاع اعظم گڑھ، جونپور، سلطان پوری، پرتاپ گڑھ وغیرہ میں توحید و سنت کی دعوت کا بڑا کام کیا، جس کے اثرات اب تک نمایاں ہیں۔

الحمد للہ نحمدہ و نستعینه و نستغفره و نو من به و نتو کل علیه و نعوذ باللہ من شرر انفسنا و من سیأت اعمالنا من یهده اللہ فلا مضل له و من یضل اللہ فلا هادی له و نشهد ان لا اله الا اللہ وحدہ لاشریک له و نشهد ان سیدنا و مولانا محمداً عبده و رسوله صلی اللہ تعالیٰ علیه و علیٰ آله و اصحابه اجمعین اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم.

میرے عزیز دوستو اور بھائیو:

میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں، خاص طور پر اپنے عزیز طلبہ کو جو اس علاقہ سے یا علاقہ کے آس پاس سے آئے ہیں، ان کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بڑا انعام فرمایا ان پر بلکہ ان کے والدین پر کہ جنھوں نے اپنے بچوں کو ایسے مدرسہ میں دینی تعلیم کے لئے بھیجا جو ایک ایسی جگہ پر واقع ہے، اور ایسے بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے، جو صحیح عقیدہ پر تھے، توحید خالص کے عقیدہ پر تھے اور اتباع سنت ان کا دستور تھا، اتباع سنت پر عمل تھا اور شرک و بدعت سے ان کو سخت نفرت تھی، کسی کو گندگی سے اتنی نفرت نہیں ہو سکتی، نجاست سے اتنی نفرت نہیں ہو سکتی، بیماریوں سے اتنی نفرت نہیں ہو سکتی، اور جسمانی تکلیف سے اتنی وحشت اور پریشان نہیں ہو

سکتی جتنی ان کو شرک و بدعت کی باتوں سے نفرت تھی، اس علاقہ کا فیض بہت دور دور تک پہنچا، اس میں ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں، جن کی مثال تاریخ میں ملنا مشکل ہے تاریخ میرا موضوع ہے، تاریخ پڑھتا ہی نہیں، بلکہ لکھتا بھی ہوں آپ سے کہتا ہوں، پورے وثوق کے ساتھ اور مطالعہ کی روشنی میں کہتا ہوں کہ یہاں ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں، کہ ہندوستان میں بھی بہت کم ایسے مرتبہ کی ہستیاں پیدا ہوئیں، ان کو سارے ہندوستان نے مانا اور ان کو سر پر بٹھایا اور آنکھوں میں جگہ دی ،اور جب ذکر کرتے ہیں، تو ایسے ادب کے ساتھ اور ایسے عقیدت کے ساتھ کرتے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے، اس میں حضرت شاہ علم اللہؒ جو اس علاقہ سے رائے بریلی چلے گئے اور وہاں قیام اختیار کرلیا، اور مسجد بنائی اور وہاں اللہ کا نام سکھانا شروع کیا، اللہ رسول کے نام سے لوگوں کو واقف کرانا شروع کیا، توحید و سنت کی تعلیم دی اور شرک و بدعت کی خباثت سے احتیاط کرنے اور شریعت پر عمل کرنے کا پورا عادی بنایا، ان کے حالات میں کتابیں بھی ہیں، اور ان کا تذکرہ دور دور پھیلا، ان کے بعد انھیں کے پوتے حضرت سید احمد شہیدؒ نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا، لوگ جنھیں امام المسلمین اور تیرہویں صدی کا مجدد مانتے ہیں اور ہم نے اپنے بزرگوں اور دیو بند کے بزرگوں کو اور اس کے آس پاس دہلی کے بزرگوں کو دیکھا ہے، ان کا نام بڑے ادب سے لیتے تھے، مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے تھے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ وہ بزرگ تھے جن کی وجہ سے ہم لوگ مسلمان ہیں اور اسلام پر پورا عمل کررہے ہیں، سید صاحب کی تحریک سے سارا ہندوستان متاثر ہوا، انھوں نے اللہ کے راستہ میں شہادت پائی، ان کا یہ حال تھا کہ وہ جدھر سے گذر جاتے تھے، کسی شہر میں تھوڑی دیر کیلئے ٹھہر جاتے تھے، تو وہاں سے شرک و بدعت کافور ہو جاتی تھی، اور اس کا نام مٹ جاتا تھا اور لوگ حرام پیشہ چھوڑ دیا کرتے تھے، اخلاق ان کے سدھر جایا کرتے تھے، پاکیزگی ان میں پیدا ہو جاتی تھی اللہ کا ڈر پیدا ہو جاتا تھا مخلوق خدا کا خیال پیدا ہو جاتا، بڑی بڑی کتابیں ان کے حالات پر لکھی گئی ہیں، انگریزی میں بھی اور عربی میں بھی، اردو اور فارسی میں بھی۔

ان کا ذکر کسی پڑھے لکھے آدمی کے سامنے کر کے دیکھئے یہاں سے لے کر افغانستان تک سب ان سے واقف ہیں، ان کے بعد حضرت خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی کی وجہ سے بہت دور تک اتباع سنت کا رواج پھیلا اور شرکت و بدعت سے نفرت ہوئی اور پھر آخر میں حضرت

مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادیؒ جن کے دیکھنے والے ابھی زندہ ہوں گے، وہ بھی اس خاندان کی وجہ سے یہاں سے جونپور تک اور اعظم گڑھ تک اور آس پاس کے جتنے اضلاع ہیں ان میں سنت کا نور پھیلا اور توحید کا عقیدہ پھیلا، شرک وبدعت سے نفرت پیدا ہوئی، جب ہم ندوۃ العلماء میں پڑھتے تھے، وہاں ایک بڑے عالم تھے، مولانا شبلی فقیہ، ان سے ہم فقہ کی کتابیں پڑھتے تھے وہ کہنے لگے کہ دیکھو ہمارے اعظم گڑھ میں کوئی شرک وبدعت کو نہیں جانتا، نہ امام باڑے ہیں، نہ شرک ہے، نہ بدعت، ہم نے کہا الحمد للہ خوشی کی بات ہے، فرمایا جانتے ہو کیوں؟ ہم نے کہا فرمائیے، فرمایا کہ حضرت خواجہ احمد صاحب نصیر آبادیؒ اور مولانا محمد امین صاحبؒ کی وجہ سے، ان کی آواز وہاں تک پہونچی، یا قدم مبارک پہونچے تو کبھی کبھی شہر کا شہر صاف ہو گیا۔

ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں، آپ ایسی جگہ کے رہنے والے ہیں، یہ مدرسہ ان کی دعاؤں کی مقبولیت کا نتیجہ ہے، کہ اتنے دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہاں اس کی توفیق عطا فرمائی کہ اتنا بڑا مدرسہ بنا، کہ کم جگہ ایسے مدرسے ہیں، اس مرتبہ ہم بہت دنوں کے بعد آئے مدرسہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ یہاں اتنی بڑی بڑی عمارتیں ہیں، کئی سو طلباء رہتے ہیں اور اچھے اچھے استاد ہیں، میں آپ سے کہتا ہوں اور یہ بات ذہن میں تازہ کرلیں ذہن میں جب چیز تازہ نہیں ہوتی تو وہ رسمی بن جاتی ہے تو اس کا اثر نہیں پڑتا، کبھی کبھی اس کا شکر ادا کیا کریں، نمازوں کے بعد شکر ادا کریں، کہ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں ایسی بستی میں پیدا کیا اور ہم کو ایسے مدرسہ میں بھیجا اور ایسے مدرسہ کا ہمارے لئے انتخاب کیا، جو صحیح عقیدے پر قائم ہے، توحید وسنت پر قائم ہے، یہی بنیاد ہے۔

اگر توحید وسنت نہیں ہے تو چاہے ہوا میں اڑے، چاہے پانی پر چلے، چاہے سارے دن ساری رات نماز پڑھے، تو کوئی فائدہ نہیں ہے، اصل چیز توحید وسنت یہی دین کی بنیاد ہے، یہ دین اللہ کے رسولؐ لے کر آئے، اس دین کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا ہے، دین کے ایک ایک حکم کا پابند ہونا ہے، اس کا ادب کرنا ہے، شرک وبدعت کے سایہ سے دور رہنا ہے، اور دل سے اس سے نفرت کرنا ہے، یہ دین کی بنیاد ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کے اے اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔

قدیم مذاہب جو ناکام ہوئے وہ اس لئے کہ اخیر میں جا کر بے اصل ہو گئے کہ ان میں وہ غلط عقائد شامل ہو گئے، رسم ورواج شامل ہو گئے، وہ مذہب، مذہب نہیں رہا بلکہ ایک رواج بن گیا، ان کے بزرگ یوں کیا کرتے ہیں اور ہمارے بزرگ یوں کیا کرتے تھے، اس طرح عبادتیں کرنی چاہئیں، اس طرح بلانا چاہئے، اس طرح پہننا چاہئے، اس طرح تعظیم کرنی چاہئے، اس طرح بزرگوں کے مزار پر سر جھکانا چاہئے اور دعا کرنا چاہئے، کیسے کیسے رواج وفضول خرچی شادی بیاہ میں کیسی کیسی رسمیں شامل ہو گئیں کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

ہندو مذہب کو دیکھ لیجئے، جین مذہب کو دیکھئے، سب رواجوں کا نام ہے، ہمارے خاندان میں بھی اس طرح ہوتا آیا ہے، اور یہ ہمارے یہاں کا دستور ہے، ہم تو یہ کریں گے، اللہ کا حکم کیا ہے، اس کے رسول کا حکم کیا ہے، دین کیا کہتا ہے، کتابیں اور آسمانی صحیفے کیا کہتے ہیں، حضورؐ کی سنت کیا کہتی ہے، اس سے بحث نہیں، ایسا ہوتا آیا ہے۔

" انا وجدنا آباءنا علی امۃٍ وانا علی اثارھم مقتدون

ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے ہی کرتے پایا ہے

ہم تو وہی کریں گے، اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اس مضمون کو اپنے ذہن میں تازہ رکھنا چاہئے، جب چیز بھولی بسری ہو جاتی ہے تو اس کا اثر نہیں رہتا، کبھی کبھی اس بات کو تازہ کر لینا چاہئے، سوچنا چاہئے، اپنے ذہن کو بیدار کرنا چاہئے کہ ہم کہاں ہیں، کس جگہ ہیں، یہاں کیسے کیسے لوگ تھے، کیا ان کی دعوت تھی، کس چیز کے لئے انھوں نے قربانیاں دیں، جان ومال عزت وآبرو سب اس پر لگادی وہ یہ کہ صرف ایک خدائے واحد کی عبادت کرو، اس کے سوا کسی کو کارساز، کسی کو مددگار اور کسی کو مشکل کشا، اور کسی کو حاجت روانہ سمجھا جائے، وہی ہے جو دیتا ہے، وہی ہے جو عزت دیتا ہے، وہی ہے جو روزی دیتا ہے، وہی ہے جو اولاد دیتا ہے، وہی ہے جو صحت دیتا ہے، وہی ہے جو زندگی بڑھاتا ہے، "الا لہ الخلق والا مر"، ان کا کام ہے پیدا کرنا، حکومت چلانا، انتظام کرنا۔

میرے عزیزو: پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اللہ کا شکر ادا کریں، اللہ آپ کے والدین کو جزائے خیر دے گا، اور اللہ ان کا سایہ قائم رکھے، اگر زندہ ہیں اور اگر دنیا سے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ ان کو مغفرت فرمائے کہ انھوں نے آپ کو کسی انگریزی اسکول میں نہیں بھیجا، ورنہ آپ بھی نہ

جانتے کہ آپ کون ہیں اور کس نے یہ دنیا بنائی ہے اور کس لئے بنائی ہے، کس طرح اس کو راضی کرنا چاہئے اور کیا اس کی رضا وخوشی کے کام ہیں، کیا ناپسندیدگی کے کام ہیں، کیا حرام ہے، کیا حلال ہے، کیا صحیح عقیدہ ہے، کیا غلط عقیدہ ہے، کیا گمراہی ہے کچھ نہیں جانتے، وہاں یہ چیزیں بتائی ہی نہیں جاتیں، وہاں تو بس یہ ہے کہ فارغ ہو جائیں، کوئی چھوٹی موٹی نوکری مل جائے، جس سے اپنا پیٹ بھر سکیں اور اپنا گھر چلا سکیں، باقی نہ عقیدہ نہ اخلاق نہ تربیت اور نہ صحیح انسانیت، کچھ نہیں، اس پر شکر ادا کریں، کہ اللہ نے آپ کی حفاظت فرمائی، جب چیز کی اہمیت دل میں نہیں ہوتی تو آدمی کا شکر ادا نہیں کرتا، تو یہ بہت بڑی دولت ہے، محرومی ہوگی۔

"لئن شکرتم لازیدنکم" "قرآن شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے اگر تم شکر کروگے تو اور زیادہ تم کو دونگا، تو قرآن مجید میں شکر ادا کرنے کی اس کے جاننے کی اور محسن کو پہچاننے کی بڑی تاکید آئی ہے، تو آپ شکر کریں کہ اللہ نے والدین کو ہمارے سرپرستوں کو توفیق دی جنھوں ہمیں یہاں بھیجا، تاکہ ایسی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کریں، جہاں صحیح عقیدہ بتایا جاتا ہے اور جہاں دین سکھایا جاتا ہے، اخلاق بتایا جاتا ہے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی تعلیم اور سنتوں پر چلنے کی ترغیب دی جاتی یہ، اگر شکر کریں گے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوگا" لئن شکرتم لازیدنکم" اگر تم شکر کروگے تو اور زیادہ دیں گے، اور یہ کچھ نہ خیال کیا، بس درجہ میں گئے پڑھ لیا، کھانا کھالیا، نماز کا وقت آیا نماز پڑھ لی، لیکن یہ پتہ نہیں کہ ہم کہاں ہیں، یہاں کی کیا خصوصیت ہے، یہاں کی کیا تعلیم ہے، یہ کس بنیاد پر قائم ہے، تو یہ اچھی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،" لمسجد أسس علیٰ التقویٰ من اول یوم احق ان تقوم فیہ" وہ مسجد جو خدا کے خوف پر قائم کی گئی، اس کی بنیاد رکھی گئی، وہ زیادہ اس کی مستحق ہے کہ تم خدا کی عبادت کرو، ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقدر فرمایا کہ آپ اس مدرسہ میں آئے جو صحیح عقیدہ کا مرکز ہے، صحیح العقیدہ قصبے کے قریب واقع ہے، اللہ تعالےٰ اس کے بانی اول مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے، انھوں نے اسی جذبہ سے اسے قائم کیا کہ یہاں صحیح دین سکھایا جائے، طالبعلموں کو داعی بنایا جائے، نہ صرف خاندان کے لئے بلکہ قصبات کے لئے بھی، بلکہ اس سے بڑھ کر سارے عالم کے لئے ان کو تیار کیا جائے دوسری بات یہ ہے کہ آپ تعلیم حاصل کرنے کی پوری

کوشش کریں، اللہ تعالیٰ نے اس امت کی قسمت دین سے وابستہ کی ہے، ہم جو چیز بار بار پڑھتے ہیں، تو خیال نہیں آتا، بڑے غور کرنے کی بات ہے، کہ جب پہلی وحی نازل ہوئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقریباً پانچ چھ سو برس بعد یہ عزت انسانیت کو ملی ہے، صحیح نسل کو ملی ہے، ایک ہستی کو، ایک مخلوق کو جن کا نام محمد رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم ہے جو مکہ کے رہنے والے تھے، نبوت کے لئے ان کا انتخاب فرمایا، وہ پڑھے ہوئے نہیں تھے، وہ امی تھے اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ بار بار آتا ہے اور اس کے معنی ہیں ان پڑھ، آپ نے تعلیم حاصل ہی نہیں کی، مکہ میں تعلیم کا رواج ہی نہیں تھا یا آپ کو موقع نہیں ملا، اور ایسے حالات تھے کہ نہ وہاں مدرسے تھے نہ مکاتب تھے تو آپ بنی امی ہیں اور یہ قوم بھی امی کہلاتی ہے، کیونکہ وہ قوم بھی ان پڑھ تھی، بلکہ وہ کہا کرتے تھے ''نحن امہ امیون'' فخر کے طور پر کہتے تھے ہم ان پڑھ لوگ ہیں اس کو بے عزتی کی بات نہیں سمجھتے تھے، ایسے انداز سے کہتے تھے کہ اس پر فخر ہو، ہم لوگ پڑھے لکھے لوگ نہیں ہیں، کہ پڑھے لکھے لوگ معلوم نہیں کیا کیا کرتے ہیں، کیسی کیسی چالاکی کرتے ہیں، اس لئے وہ کہتے تھے کہ ہم ان پڑھ لوگ ہیں، یہودی بھی کہتے تھے ان کو تکلیف پہونچانا یا ان کی کسی چیز پر قبضہ کر لینا گناہ نہیں ہے، یہ امی لوگ ہیں، ان کو تکلیف دینے سے ان کی چیز پر قبضہ کر لینے سے کوئی گناہ نہیں ہوا کرتا، جیسے آدمی جانوروں سے کہے، کہ اس کے مارنے ہنکا لینے یا تکلیف دینے یا کام لینے میں کوئی حرج نہیں۔

ایسے بنی امی پر ایسی امت امیہ پر اور ایسے امی مقام وشہر میں پہلی وحی نازل ہو رہی ہے اور آسمان سے رشتہ قائم ہو رہا ہے اور جس چیز سے رشتہ قائم ہو رہا ہے اور چھ سو برس کے بعد قائم ہو رہا ہے، اس کے پہلے پیغام میں کیا کہا جاتا، پتہ نہیں کیا کیا چیزیں ہیں، کہنے کی، پورا قرآن شریف بھرا ہوا ہے اور آپ پڑھیں گے اور عربی سمجھنے لگیں گے، کہ معلوم نہیں کیا کیا علوم اور اعلیٰ درجہ کے حقائق اور کیا کیا خرابیاں ان کے اندر تھیں، وہ ایسی تھیں کہ ان میں سے کسی ایک کو نشانہ بنایا جا سکتا تھا کہ غیر اللہ کی پرستش نہ کرنا، جو چیز اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے اس کو مت کرنا، اور ایسے ہی بہت سی بد اخلاقیاں تھیں، لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتا تھے، اس وحی کے ذریعہ کو پہلی تعلیم دی جا رہی ہے کہ پڑھو کتنے ایسے لوگ ہیں جو کتابوں کے مصنف ہیں لیکن ان کو ظلم کرنے میں، جھوٹ بولنے میں، لوگوں کو غلام بنانے میں، اپنی خواہش پوری کرنے میں کوئی

عار نہیں ہوتا، ایک ہندوستانی فلسفی لندن گئے، وہاں کسی نے کہا کہ دیکھئے، چند گھنٹہ میں ہم ہوائی جہاز کے ذریعہ پیرس پہونچ سکتے ہیں، سمندر پار کر سکتے ہیں، تو ہمیں اڑنا بھی آتا ہے اور تیرنا بھی آتا ہے، انھوں نے کہا لیکن زمین پر چلنا نہیں آتا، زمین پر آدمی کی طرح چلنا نہیں سیکھا، متکبروں کی طرح چلتے ہو، ظالموں کی طرح چلتے ہو، بس خالی علم کافی نہیں ہے، بلکہ وہ علم جو اللہ کے نام سے شروع ہو، صرف یہ نہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لی جائے بلکہ اللہ کی محبت سے شروع ہو، اللہ کے خوف سے شروع ہو، اللہ کے احکامات وہدایات معلوم کرنے سے شروع ہو، ادب وتعظیم کے ساتھ شروع ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی اور آپ کے لئے یہ جگہ بھی انتخاب کی اور آپ کو توفیق دی کہ قرآن وحدیث کا علم پڑھیں، جس سے عقائد صحیح ہوں کہ آپ گناہوں سے بچیں، گناہوں کی قباحت، گناہوں کی خرابی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں، اس پر شکر ادا کرنا چاہئے، شکر ادا کرنے سے اضافہ ہوتا ہے، ''**لئن شکر تم لازید نکم**'' اس پر شکر کیا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اس جگہ کا اور اس مدرسہ کا انتخاب کیا، آپ کی عمر کے لوگ، ، کنبہ وخاندان کے بچے ایسے اسکولوں اور کالجوں میں پڑھتے ہیں جہاں ہندی دیومالائی تعلیم دی جاتی ہے، اور وندے ماترم پڑھا جاتا تھا، لیکن اللہ نے آپ کو بچایا، آپ شکر ادا کریں، استعداد پیدا کریں، اعتراف کریں، انشاء اللہ عمر میں برکت ہوگی، علم میں برکت ہو گی، یہی مقصد ہے کہ آپ کو صحیح عقائد معلوم ہونا چاہئے، کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والی صرف ایک خدا کی ذات ہے، داہی پیدا کرنے والا ہے، وہی جلانے والا ہے، **الا لہ الخلق والامر** ''وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہوجا تو وہ چیز ہوجاتی ہے، ''**انّہ اذا اراد شیئاً ان یقول له کن فیکون**'' اس میں نہ کسی نبی کا دخل ہے نہ کسی ولی وابدال کا دخل ہے، نہ کسی فرشتہ کا دخل ہے، وہی اولاد دیتا ہے، وہی روزی دیتا ہے، وہی مارتا ہے، وہی جلاتا ہے، یاد رکھیئے اسی کا کام ہے، پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے اس کو چلانا، اور انتظام کرنا''۔

آپ ایسی جگہ ہیں جہاں صحیح عقیدہ کی تعلیم دی جاتی ہے، کتاب وسنت کی تعلیم دی جاتی ہے، نمازوں کی پابندی کی جاتی ہے، یہاں مسجد بنی ہوئی ہے، پانچوں وقت کی نماز پڑھتے ہیں، دین کی تعلیم ہوتی ہے، قرآن کی تعلیم دی جاتی ہے، جو دینی مسائل آپ کو حلال وحرام کے، جائز وناجائز کے، یہاں بتائے جائیں، ان کو آپ گھروں میں پہنچائیں، خاندانوں میں

پہنچائیں اور نیت کریں کہ آپ ایسے علاقہ کے رہنے والے ہیں کہ جہاں کی آواز افغانستان اور غزنی تک سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ پہونچی، جو اسی علاقہ کے رہنے والے تھے، ان کے بعد مولانا خواجہ احمد صاحب پیدا ہوئے جو بہت بڑے بزرگ تھے، بہت سے لوگ ان سے فیضیاب ہوئے، اور ولایت پائی، اس کے بعد مولانا محمد امین صاحب جو دین کے داعی اور مبلغ اور شرک و بدعت کے سخت مخالف، جس نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا شرک و بدعت سے نفرت کرنے لگا، یہ باتیں ذہن میں تازہ رکھیئے اور اساتذہ کو بھی چاہئے کہ وہ بھی یاد رکھیں اور طلباء کو شوق دلائیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے، ان کو اجر عطا فرمائے، ان کے اعمال میں اس کو شامل فرمائے، اور جو لوگ مدرسہ کو چلا رہے ہیں اللہ ان کی عمروں میں برکت عطا فرمائے، اور مدرسہ کو ترقی عطا فرمائے۔

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مسئلہ صرف دین ولادینیت کا ہے

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد O

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیمO بسم اللہ الرحمن الرحیم O

حضرات: ابھی ایک فاضل مقرر نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ مشہور اور تسلیم شدہ حقائق ہیں اور اس میں کسی بحث ومباحثہ کی گنجائش نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انتشار و افتراق سے بچنے اور اختلافات کو ختم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اصل سرچشمہ اور مرکز کی طرف رجوع کیا جائے، اس لئے کہ جب بھیڑوں کا ریوڑ انتشار و پراگندگی کا شکار ہوجاتا ہے تو ان کو ایک طرف جمع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مرکز کی طرف رجوع کیا جائے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ بھیڑیا اس بکری کو اپنا لقمہ بناتا ہے جو اپنے ریوڑ سے علیحدہ ہو، اس لئے جنگل میں منتشر بھیڑیوں کا لقمہ بننے سے بچانے کے لئے ان کے داعی و محافظ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور ان کی سرکردگی و نگرانی میں اس بکھرے ہوئے شیرازہ کو یکجا کرنا ہوگا۔

حضرات! ہم ایک امت سے تعلق رکھتے ہیں، ہمارے نبی ایک ہیں اور ہماری کتاب اور ہمارا قبلہ بھی ایک ہی ہے۔ رسول اکرم ﷺ جب اپنے معاصرین اور بادشاہوں کو دعوتی خطوط تحریر فرماتے تھے تو قرآن مجید کی یہ آسمانی تبلیغ اور حکیمانہ آیت تحریر فرماتے تھے:

قل یاھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سوآء بیننا وبینکم ان لاتعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا شھدو بانا مسلمون۔ (آلم عمران ۶۴)

کہ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں

اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں تو تم لوگ کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تفرقہ وانتشار، اختلاف وکمزوری اور ذلت ونکبت سے بچنے کے لئے اتحاد و اتفاق، طاقت وقوت اور عزت وسربلندی کا راستہ بتلایا ہے اور اس کو انبیاء ورسول اور ان کے نائبین علماء کی ذمہ داری قرار دی ہے اور اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ما کان لبشر ان یوتیه الله الکتاب والحکم والنبوة، ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون الله، ولکن کونو ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون ولا یامرکم ان تتخذو الملائکة والنبیین ارباباً أیامرکم بالکفر بعد اذا انتم مسلمون (آل عمران ۷۹۔ ۸۰)

کسی بشر سے یہ بات نہیں ہوسکتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور فہم اور نبوت عطا فرمادیں، پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ۔ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر، لیکن کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ، بوجہ اس کے کہ تم کتاب سکھاتے ہو، اور بوجہ اس کے کہ پڑھتے ہو، اور نہ یہ بات بتلائے گا کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب قرار دے لو، کیا وہ تم کو کفر کی بات بتلادے گا۔ بعد اس کے تم مسلمان ہو۔

میں اس بات سے مکمل اتفاق رائے کرتا ہوں کہ ''دشمن کسی دین و مذہب، گروہ اور جماعت اور قومیت کے درمیان امتیاز نہیں کرتا۔'' اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے میں یہ عرض کروں گا کہ آج مذہب کا مقابلہ مذہب سے نہیں بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ اس وقت دین و لادینیت کے درمیان ایک فیصلہ کن معرکہ درپیش ہے۔ اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ یا تو انسان خدا و رسول، آخرت، غیبی حقائق اور رسول کے لائے ہوئے پیغام پر یقین رکھے اور نجات کو اسی دین پر منحصر سمجھے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے یا پھر ان تمام غیبی حقائق کا یکسر انکار کردے اور تمام مذاہب سے اعراض کرے۔

حضرات! اس وقت صرف دین ولادینیت کا مسئلہ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اس کو کمیونزم کا نام دے سکتے ہیں، ورنہ لادینیت تو کمیونزم سے زیادہ وسیع مفہوم پر حاوی ہے۔ اس لئے کہ وہ تمام ادیان و مذاہب، غیبی حقائق، انبیاء کی تعلیمات اور تمام دینی واخلاقی قدرتوں کی منکر و

مخالف بلکہ ان کے خلاف صف آرا ہے، دوسری طرف انبیاء اور ان کے نائبین کا کیمپ ہے، جس کے ہم ادنیٰ خادم اور رضا کار ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم اور بے پایاں احسان سے ہمیں اس خدمت کے لئے نامور فرمایا ہے۔ اس میں ہماری کسی صلاحیت اور استحقاق کو دخل نہیں ہے، ہمارا فرض ہے کہ جو پرچم محمدی ہمارے ہاتھ میں ہے، ہم اس کو ہمیشہ سر بلند رکھیں اور اس کے تلے جمع ہو کر اتحاد واتفاق سے اس دین کو تمام دنیا میں پھیلانے اور اس کو سر بلند رکھنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں، کوششوں اور جدوجہد کو بروئے کار لائیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

ایمان کی سلامتی

الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ .اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم .بسم اللہ الرحمن الرحیم.

حضرات: میں اپنے خطبہ کا آغاز قرآن شریف کی ایک چونکا دینے والی آیت سے کروں گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ام کنتم شھداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ماتعبدون من بعدی قلوا الھک والہ ابائک ابراھیم اسمعیل و اسحاق الھا واحدا و نحن لہ مسلمون(سورۃ البقرہ.۱۳۳)

بھلا جس وقت یعقوب علیہ السلام وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا کہ آپکے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم برادر ہیں۔

باوجود اس کے کہ یہ پیغمبروں اور پیغمبر زادوں کا گھرانہ تھا، جس میں توحید اور اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کے سوا نہ کوئی اور تعلیم تھی نہ عمل نہ ماحول اور فضا پھر بھی عقیدہ اور عمل اور توحید خالص کی اہمیت اور فکر اور اپنی نسل کے اس عقیدہ وعمل سے دائمی وابستگی کے خیال سے کہ۔

عشق است و ہزار بدگمانی

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں پوتوں اور نواسوں کو جمع کر کے دریافت کیا کہ عزیزو میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ ان فرزندوں اور نبی زادوں نے اسکے جواب میں یقیناً یہ کہا ہوگا کہ تایا جان دادا جان نانا جان آپ نے ابھی تک ہم کو تعلیم ہی کیا دی؟ اور کس

چیز کا پابند بنایا؟ یہی توحید خالص اور عبادت الہ واحد پھر آپ کو ہمارے مستقبل کے بارے میں کیوں شک ہے کہ ہم آپ کی آنکھ بند ہوتے ہی دوسرے راستہ پر پڑ جائیں گے؟ حضرت یعقوب علیہ السلام نیز زبان حال سے یہی کہا ہوگا کہ فرزندو۔ میری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی جب تک دنیا سے یہ اطمینان لے کر نہ جاؤں گا کہ میرے بعد تم سب خدائے واحد کے پرستار اور دین ابراہیمی کے علمبردار ہو گے۔

حضرات: آپ سلسلۂ ابراہمی سے تعلق رکھتے ہیں، اس خاندان کا شیوہ اور شعار یہ رہا ہے کہ دنیا سے جانے سے پہلے اپنی نسل کے بقائے ایمان اور تعلق باللہ کا اطمینان اور ضمانت کر لی جائے، اور دنیا سے جانے سے پہلے اولاد سے یہی عہد و پیمان لے لیا جائے کہ دنیا میں جب تک رہنا ہے مسلمان بن کر رہنا ہے، اور جب جانا ہے تو مسلمان کی حیثیت سے جانا ہے۔

ووصى بها ابراهيم بنيه و يعقوب يابنى ان الله اصطفى لكم الدين فلا تموتن الاو انتم مسلمون (سورة البقره ۱۳۲)

اور یہی وصیت کر گئے ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب، اے بیٹو، اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین پس نہ مرنا مگر مسلمان۔

نہ صرف یہ عہد و پیمان ضروری ہے، بلکہ س کے لئے وسائل کا مہیا کرنا اس کو ممکن اور آسان بنانے کی تدبیریں اختیار کرنا اور اسکا اطمینان حاصل کر لینا بھی ضروری ہے، اسی لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کا امتحان لیا، اور اپنا پڑھایا ہوا سبق سنا۔

حضرات! بحیثیت اس مذہب کے متبع اور داعی کے ہم پر اور ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ ملک کی تعلیمی تبدیلیوں کا بغور جائزہ لیتے رہیں، اور ہر وقت ان پر نظر رکھیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ ان کا اثر ہمارے مذہب، ہماری نسلوں کے دل و دماغ اور ان کے دینی و اخلاقی مستقبل پر کیا پڑے گا، میں یہ صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا مذہب بہت سے دوسرے مذاہب کے بر خلاف بہت جلد متاثر ہوتا ہے اور بہت زیادہ متاثر کرتا ہے اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک زندہ اور ذی شعور مذہب ہے زندہ ہستی متاثر بھی ہوتی ہے اور موثر بھی جو وجود زندگی کھو چکا ہوتا ہے یا زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے وہ نہ متاثر ہوتا ہے اور نہ موثر، ہم اپنے مذہب کے

لئے یہ پوزیشن قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ دنیا چاہے جتنی ہی بدل جائے زندگی کے چاہے کیسے ہی نقشے بنیں؟ نسلوں کو ڈھالنے کے لئے کیسے ہی سانچے تیار ہوں ہمارے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑے، ہم بدستور مذہبی فرائض ادا کرتے رہیں گے، اور انسان اور خدا کا رشتہ اسی طرح قائم رہے گا ہمارا مذہب ایک پورا نظام حیات ہے وہ زندگی کے ہر شعبہ کیلئے متعین ہدایات اور احکام دیتا ہے، اس لئے ہمیں ہر ملک اور ہر دور میں چوکنا رہنا چاہئے اور یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ کیا ہمیں اپنے ذہنی اخلاقی اور روحانی نشوونما کیلئے مناسب فضا اور سازگار ماحول میسر ہے یا نہیں اور ہماری آئندہ نسلیں صحیح معنوں میں مسلمان رہ سکیں گی یا نہیں؟

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ اسلام صرف چند رسوم اور تقریبات کا نام نہیں چند عبادات تک بھی محدود نہیں بلکہ یہ مکمل زندگی گزارنے کا طریقہ اور کامل دین ہے ایک مختصر جملہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مستقل تہذیب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں اسلام کا کوئی مخصوص طرز زندگی اور اس کی کوئی مستقل تہذیب نہیں، لہذا دوسری قومیں اور دوسرے ممالک کے لوگ اسلام قبول کریں تو اسلامی عقائد کو لے لینا ہی کافی ہے تہذیبی اقدار کو لینے اور اختیار کرنے کی ضرورت نہیں، میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ غیر اسلامی طرز فکر ہے، اسلام کو اصرار ہے کہ عقائد و اعمال کے ساتھ اس کا مخصوص طرز زندگی بھی اپنایا جائے قرآن وسنت سے منصوص طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک خاص طرح کی زندگی اور خاص طرح کی معاشرت چاہتا ہے اسلام میں سونے جاگنے کھانے پینے سے لے کر عائلی قانون نکاح وطلاق اور وراثت تک کے متعین ضوابط و احکام ہیں اور اسلام کا مطالبہ ہے کہ انہیں کے مطابق زندگی گزاری جائے اسکے خلاف ورزی نہ ہو نبی کریم ﷺ نے بڑی باتوں سے لے کر انتہائی معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی اور صحابہ کرامؓ نے انہیں سیکھا اور برتا۔

پورے نصاب تعلیم کی تبدیلی اور ایک نئی تاریخ کی وضع وتدوین تو بڑے وسیع اور انقلاب انگیز منصوبے ہیں، رسم الخط کی تبدیلی ہی قدیم علمی اور مذہبی سرمایہ سے رشتہ ختم کر دینے اور ان سے بے گانہ بنا دینے کے لئے کافی ہے آرنلڈ ٹوآئن بی نے جو اس زمانہ کا بڑا فلسفی اور مؤرخ ہے لکھا ہے کہ اب کسی کتب خانہ کو آگ لگانے کی ضرورت نہیں رسم الخط بدل دینا کافی ہے رسم الخط کی تبدیلی سے قوم کا رشتہ اپنے ماضی سے بالکل ٹوٹ جائے گا و راس کی پوری تہذیب اس

کے لئے بے معنی ہو کر رہ جائے گی پھر جس طرف چاہو اس کو لے جاؤ جو چیز کسی ملت کو اس کے ماضی سے اس کے مذہب سے اس کی تہذیب سے اس کے کلچر سے ملاتی ہے وہ رسم الخط ہے، رسم الخط بدلا نسل بدل گئی آج ہندوستان میں یہی ہو رہا ہے، فرقہ وارانہ فسادات محض ملک کو بدنام کرتے ہیں فائدہ ان کا کچھ نہیں ہے، تعلیم کا نظام بدلنا کافی ہے، آج سے چھ سات سال پہلے لسان العصر اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا تھا۔ شیخ مرحوم کا قول

اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

اور اس سے زیادہ لطیف انداز میں انہوں نے اس حقیقت کو اپنے مشہور شعر میں بیان کیا ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ان کے ذہن میں کالج کا وہ تصور رہا ہوگا جس میں صرف قبطی زبان پڑھائی جاتی ہو اور ایسی تاریخ جس میں فراعنہ کی الوہیت، ان کے غیر محدود و غیر مشروط اختیارات اور مصر کی دوسری نسلوں اور قوموں (بنی اسرائیل اور بیرون مصر سے آئی ہوئی قوموں) کی تحقیر آمیز تصویر اور نفرت انگیز تاریخ پیش کی گئی ہو۔

زبان اور رسم الخط کے بدل جانے اور ثقافتی و تعلیمی انقلاب سے کسی ملک میں جو عظیم و عمیق انقلاب آسکتا ہے اور وہ ملک اگر اپنے عقائد، تہذیب و تمدن، علمی اشتغال و کمال، مساجد و مدارس کی کثرت و شان و شوکت کے لحاظ سے کسی خالص اسلامی ملک سے کم نہیں تھا لیکن وہاں زبان اور رسم الخط کے بدل جانے اور دینی تعلیم موقوف کئے جانے کی وجہ سے وہ عقیدہ عمل زبان اور تمدن و ثقافت کے کے لحاظ سے بالکل خالص غیر اسلامی ملک بن گیا تو وہ اندلس (اسپین) ہے جس کے انقلاب حال کے لئے علامہ اقبال کا یہ مصرعہ کافی ہے۔

بے اذان اس کی زمیں بے سجود اس کی فضا اسپین میں ایسے روحانی پیشوا علوم اسلامیہ اور عربی زبان میں کمال رکھنے والے اور علوم اسلامیہ میں ایسی مجتہدانہ تصنیفات مستند و معیاری کتب حدیث کی شرحیں لکھنے والے پیدا ہوئے جن کی نظیر ہر عربی اللسان اور پیرو اسلام ملک

میں بھی نہیں مل سکتی۔

مذہب مالکی جو اندلس کا عمومی اور اکثریتی طبقہ کا فقہی مذہب تھا اس کی پیروی اس ملک ایسی تھی کہ اس دور میں مذہب مالکی کا یہ فتوی اور فیصلہ تھا عمل اہل قرطبة حجة (اہل قرطبہ کا عمل بھی ایک شرعی) دلیل ہے اہل علم جانتے ہیں کہ مذہب مالکی کا یہ حکم اور فتوی اصلاً مدینہ طیبہ کیلئے تھا اور اس کا یہ درجہ تھا کہ فقہ مالکی کا یہ فیصلہ ہے کہ عمل اہل المدینہ حجة (اہل مدینہ کا عمل ایک شرعی دلیل اور معیار ہے) صدیوں سے یہ سرزمین اور پورا ملک جو دین کا نہ صرف پیرو بلکہ علمبر دار علوم اسلامیہ کا نہ صرف حامل بلکہ اس میں مجتہدانہ درجہ رکھنے والا تھا اور جس کی سرکاری اور عوامی زبان عربی تھی اس کی فضا یکسر بے اذان ہے اور اس کی مساجد تک (جن کی نظیر بڑے بڑے اسلامی ممالک میں بھی مشکل سے ملے گی رکوع وسجود سے محروم ہیں۔

حضرات۔ اب اس داستان کو جس میں شکوہ وشکایت کا حصہ زیادہ ہے مختصر کرتے ہوئے کہوں گا کہ ایک آزاد جمہوری حکومت کا جس کی بنیاد خالص حب الوطنی رضا کارانہ جذبہء خدمت اور اس مشترک جنگ آزادی پر پڑی ہو جس میں ملک کے تمام شہری، اور اکثریت واقلیت کے افراد دوش بدوش شریک رہے ہوں سب سے عظیم ومقدس فرض یہ ہے کہ اس کی آبادی کے تمام عنصر اور اس کے مختلف فرقوں اور اقلیتوں کو اس ملک میں اپنے اور اپنی نسل کے تحفظ کا پورا احساس اور مکمل اطمینان ہو کسی حکومت کی ناکامی اور دستور کی خامی کی اس سے بڑھ کر مثال نہیں ہوسکتی کہ اس ملک کا کوئی شہری تحفظ کے احساس سے محروم ہو اور واضح رہے کہ ایک حقیقت پسند انسان کی حیثیت سے میں جب تحفظ کا لفظ بولتا ہوں تو اس سے مراد جسمانی ومعنوی نسلی واعتقادی ہر طرح کا تحفظ ہوتا ہے کہ محض جسمانی تحفظ جسم وجان کی سلامتی اور قتل وغارت گری سے حفاظت پر کوئی باشعور باضمیر صاحب عقیدہ اور صاحب تہذیب جماعت قانع اور مطمئن نہیں ہوسکتی، ایسا تحفظ تو جنگل کے بعض جانوروں اور پرندوں کیلئے بھی کیا جاتا ہے اور وقتاً فوقتاً انکی نسل ونوع کی حفاظت کے لئے سخت قوانین بنائے جاتے ہیں، مجھے معاف کیا جائے، مسلمانوں کا معیار اس بارے میں اور زیادہ بلند اور انکی حس اس سلسلہ میں اور زیادہ تیز ہے اس کا تعلق ان کے مذہبی معتقدات ان کے اصول زندگی اور ان کے اس فہم وفکر اور نقطہ نظر سے ہے جو دین ودنیا فوز وفلاح فرد وجماعت کی کامیابی وسعادت کے بارے میں وہ رکھتے

ہیں اس کا تقاضا ہے کہ ایک طرف اس ملک کے مسلمان آئینی جدو جہد کے تمام طریقوں سے کام لے کر، اور اجتماعی عزم وفیصلہ کی پوری طاقت سے اس ملک میں اپنے لئے حقیقی اور کامل تحفظ کی فضا پیدا کریں جس کے بغیر مجھے کہنے کی اجازت دی جائے) وطن وطن نہیں غربت ومسافرت ہے آزادی آزدی نہیں غلامی ہے اور گھر چمن نہیں قید خانہ اور قفس ہے اس سلسلہ میں ایثار وقربانی اور خطر پسندی کی بھی ضرورت ہے کہ حکومت کی امداد سے جو ان مطالبات اور تغیرات کے ساتھ مشروط ہے پورے استغناء اور توکل اور اعتماد علی اللہ کیساتھ معذرت کر دی جائے اور اسکو قبول نہ کیا جائے۔

دوسری طرف حکومت کو بھی اپنے رویہ اور اس رجحان پر نظر ثانی کرنی چاہئے جو نجی تعلیمی اداروں کو ختم کرنے، اور مختلف فرقوں اور اقلیتوں کو ان کی آزادی اور بنیادی شہری حقوق سے محروم کرنے کی شکل میں جو دستور ہند نے ان کو دیئے ہیں نمایا ہورہا ہے بلکہ اس سے ایک قدم آگے دستور ہند میں تبدیلیوں کا خطرناک قدم بھی اٹھایا جا چکا ہے اور اس طرح اقلیتوں کے لئے وہ آخری پناہ گاہ بھی ختم ہورہی ہے جو کسی دستوری اور جمہوری ملک میں پائی جاتی ہے یہاں تک کہ ملک کے آزاد واقلیتی اداروں بلکہ مذہبی تعلیم گاہوں کو بھی سرکاری تعلیمی پالیسی اور اکثریت کے اعتقادات وروایات اور مذہبی نشانات کا پابند بنانے کے عزائم واعلانات کا اظہار ہو چکا ہے سرکاری اداروں کالجوں اور اسکولوں میں ہندو دیو مالا پر مبنی کتابیں بھی نصاب میں داخل کی جارہی ہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ ان تعلیم گاہوں میں جن میں مسلمان بچے بڑی تعداد میں تعلیم پاتے ہیں بندے ماترم کا گیت پڑھنا ضروری قرر دیا جارہا ہے جو اسلامی نقطۂ نظر بلکہ عقائد کے لحاظ سے واضح اور طاقور مشرکانہ گیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان اعمال پر مضبوط رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

رسالت محمدی کی عظمت

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعدo

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیمo بسم اللہ الرحمن الرحیم o

عصر جاہلی کا المیہ:

محترم سامعین! اس جاہلی عصر کا المیہ جس کے انحطاط و زوال پر مورخین کا اتفاق ہے۔ کفر و فجور، معاصی اور گناہ، ظلم و سرکشی، انسان کی حیثیت عرفی کا ازالہ اور اس کے حقوق کی پامالی، جابر حکومتوں اور ظالم بادشاہوں کا غلبہ نہ تھا...... اسی طرح یہ المیہ خدا کی عبادت کرنے والے صالح بندوں کی کمی اور ان کی کمزوری بھی نہ تھی اگرچہ یہ سب چیزیں قابل افسوس ہیں، لیکن یہ سب انسانیت کی طویل تاریخ میں بارہا ہو چکا، اور اس کے خلاف دعوت و اصلاح کے مرد میداں، بیدار ضمیر اور قوی عزائم والے افراد اپنے اپنے زمانوں میں کام بھی کرتے رہے ہیں۔

دراصل جاہلیت کا وہ المیہ جس کے نتائج بد سے انسانیت کو نجات دینے' اور انسان کی حیثیت عرفی بحال کرنے کے لئے بعثت محمدی ہوئی' وہ المیہ یہ تھا کہ علم صحیح' نیک ارادے اور حق کے لئے سینہ سپر ہونے والی اور باطل سے پنجہ آزمائی کرنے والی جماعت اس وقت کی وسیع دنیا میں کہیں پائی نہیں جاتی تھی' یہ المیہ اس حقانی گروہ کی یا کا تھا جو شر کی طاقتوں سے نبرد آزما ہو کر خیر کی بنیادوں پر ایک عالم نو کی تعمیر کر سکے۔

علم صحیح کا فقدان:

عصر جاہلیت میں وہ علم صحیح گم ہو گیا تھا جس کے ذریعے انسان اپنے رب کو اچھی طرح پہچانتا اور اس تک پہنچتا ہے' اور جس کے ذریعہ صحیح' خالص' اور پسندیدہ عبادت کر سکتا ہے' ایسے زمانے میں اگر صحیح اور قوی ارادہ اور طلب صادق کسی شخص میں پائے بھی جائیں تو اس کے لئے ماحول کی خرابی کے سبب کچھ زیادہ مفید نہیں ہو سکتے ایسے زمانے میں جو علم بھی پایا جاتا ہے' وہ

جہالت وخرافات کی آمیزش لئے ہوئے اور اصل سے ہٹا ہوتا ہے اس میں صحت کم، غلطی زیادہ نفع تھوڑا اور نقصان بہت ہوتا ہے۔

قوی ارادہ خیر کی کمی:

اور اگر یہ علم صحیح اپنی کمیابی کے باوجود کسی عالم کے سینے یا کسی حکیم کے سفینے میں یا قدیم زمانے میں نازل شدہ کسی علم کی باقیات کے طور پر کہیں پایا بھی جاتا ہے تو اپنے حق میں وہ ارادہ خیر نہیں پاتا جو اسے اس کی جگہ سے چن لے اور اسے متاع جان بنالے اور اس کے ذریعہ اپنی نفسانی خواہشات اور معاشرے کا مقابلہ کر سکے۔

چنانچہ اس عہد میں خدا طلبی اور تلاش حق کا جذبہ مفقود ہو گیا تھا قوتیں، اور عزیمتیں اس کی طلب کے سلسلے میں درماندہ ہو چکی تھیں وہ طلب معاش ہوس دانی نفس کے مطالبات کی تکمیل، بادشاہوں کی اندھی اطاعت اور ان کے لئے جاں سپاری میں لگ گئی تھیں، محبت کے شعلے بجھ چکے تھے، دلوں کی انگیٹھیاں سرد پڑ گئی تھیں، اور ان پر حب دنیا کی برف جم گئی تھی دین کے مظاہر وآثار میں سے صرف خرافاتی بت پرستی اور سطحی قسم کے رسم ورواج باقی رہ گئے تھے۔

حق کی حامی وناصر جماعت کا فقدان:

اگر بفرض محال ایسے ماحول میں کہیں علم صحیح اور ارادہ خیر کا وجود بھی تھا تو کوئی ایسی پشت پناہ جماعت اور طاقت نہ تھی جس کا وہ سہارا لیتے اور کمزور پڑنے پر اس سے طاقت حاصل کرتے' چنانچہ یہ دونوں چیزیں انفرادی کوششوں اور شخصی اصلاحات ہی میں ضائع ہو گئیں اور یہ افراد جو کلیساؤں' مندروں' یا غاروں' اور پہاڑ کی چوٹیوں میں گوشہ گیر تھے...... ایسے چراغ کی مانند تھے جس کا فتیلہ جل چکا جس کا تیل ختم ہو چکا' اور اس کا نور ہلکا پڑ چکا ہو'ان کی مثال ایسے جگنوؤں کی تھی جو سرما کی بارش زدہ اور تاریک راتوں میں ادھر ادھر اڑتے اور چمکتے ہیں لیکن ان سے نہ کوئی بھولا بھٹکا مسافر راستہ پا سکتا ہے اور نہ کوئی سردی سے کپکپایا ہوا غریب گرمی پا سکتا ہے۔

ایک آفتاب تازہ کی ضرورت:

وہ علم صحیح جو لوگوں کو اس کائنات کے خالق ومالک کی ذات وصفات وبرگزیدہ ناموں کی

صحیح پہچان عطا کرے، انہیں اس سے ایک مضبوط اور نئے رشتے میں جوڑ دے عقلوں اور دماغوں کو نئے ایمان ویقین سے بھر دے دلوں کو محبت سے پر کردے غلو کرنے والوں کی تحریف اور باطل پسندوں کے غلط الحاق وانتساب کو دور کر کے لوگوں کو اندھیرے سے اجالے اور شک سے یقین تک پہنچا دے وہ علم صرف نبوت محمدی کی شکل میں دنیا کو ملا' وہی ان اوہام وخیالات اور مغالطوں کا پردہ چاک کرسکتا تھا جن میں دنیا کی بت پرست اور خدا ناآشنا قومیں عرصہ سے مبتلا تھیں، وہی یہود ونصاریٰ اور اہل کتاب کا صحیح احتساب کرسکتا تھا اور ان میں اگر خوف خدا اور انصاف ہوتا تو وہ اعتراف کرتے کہ ستارے ماند پڑ چکے بطن گیتی سے آفتاب تازہ پیدا ہو چکا ہے' اور صبح کی روشنی چراغوں سے بے نیاز کرچکی ہے۔

لم یکن الذین کفروا من اھل الکتب والمشرکین منفکین حتیٰ تاتیھم البینة رسول من اللہ یتلو صحفا مطھرة O فیھا کتب قیمة

اہل کتاب میں سے کافر لوگ اور مشرکین چھوڑنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل یعنی اللہ کی طرف سے رسول نہ آجاتا جو پاکیزہ اوراق کی تلاوت کرتا جن میں قیمتی کتابیں ہیں۔

فلسفہ اور شرک کی' ایمان کو کمزور اور انسان کو گمراہ کرنے کے لئے سازش:

ارادۂ خیر ہمیشہ علم صحیح اور ایمان قوی کے تابع ہوتا ہے' جب انسان چند حقائق پر ایمان لاتا اور منافع اور مضرتوں کو سمجھتا ہے' اور اس میں امید وبیم، خوب وطمع کے جذبات پیدا ہوتے ہیں تو اس کے ارادے بھی اس کا ساتھ دیتے اور اس کے اعضاء بھی مدد کرتے ہیں' لیکن عصر جاہلی میں ایمان قوی مفقود ہو گیا اور انسان خدا کے اور جنت ودوزخ کے وجود اور آخرت اور اپنے اعمال کی جواب دہی کے عقیدہ سے محروم ہو گیا تھا' فلسفہ وشرک نے بھی اس ایمان اور خدا و بندہ کے باہمی ربط کو کمزور کرنے میں خاصا حصہ لیا' فلسفہ نے صفات کی نفی میں غلو سے کام لیا' اور شرک نے ان صفات میں مخلوق کو شامل کر دیا، اس طرح دونوں نے عبد ومعبود کے رابطہ کو نقصان پہنچایا ،چنانچہ جس شخص کا تعلق فلسفہ سے ہوا اسے صفات قدرت وحکمت اور رحمت ومحبت سے مجرد خدا

سے رجوع کرنے اس سے ڈرنے یا اس سے پرامید ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی اور جو شرک میں مبتلا ہوا وہ مخلوقات ہی سے التجاء والتماس میں مشغول رہا اور اسے آنکھوں سے غائب مگر بندوں کے معاملات میں دخیل، خدا سے التجاء کی نہ ضرورت پیش آتی تھی، اور نہ اس کی فرصت ملتی تھی۔

اس طرح دنیا دو کیمپوں میں تقسیم ہو گئی تھی ایک کیمپ تو اپنے اندر آخرت کے لئے کسی کوشش کا کوئی داعیہ اور جذبہ نہیں پاتا تھا، اور دوسرے کیمپ کو رب الارباب سے سوال کی فرصت ہی میسر نہیں، ان دونوں نظریات نے جاہلیت کی پوری دنیا اور طویل عہد کو خدا سے کاٹ کر رکھ دیا اور انسانی دل کے اندر محبت اور خدا طلبی کا شعلہ فروزاں بجھ کر رہ گیا اسی طرح انسانی فطرت میں ودیعت کی ہوئی صلاحیتیں اور قوتیں جمود وخمود شرک وخرافات نفس اور بادشاہوں کی غلامی، طاغوت اور شیطان کے فریب کا شکار ہو گئیں اور مشرق سے لے کر مغرب تک کی تمام انسانی دنیا ان اصنام اور معبودوں کی عبادت میں مبتلا تھی جنہیں اس کے تخیل نے جنم دیا تھا جو موروثی طور پر رسم ورواج کا جز بن چکے تھے، یا ان مقاصد نصب العین اور اقدار حیات کی ماتحت ہو کر رہ گئی تھی جنہیں اس نے خود ہی گڑھا اور اپنے لئے لازم کر لیا تھا اور ان سب پر حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول صادق آ گیا تھا۔

اتعبدون ما تنحتون .

کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جنہیں تم اپنے ہی ہاتھوں سے گڑھتے ہو؟

جاہلی ماحول میں تبدیلی نبی کی لائی ہوئی عالمگیر دعوت ایمانی ہی سے ممکن ہے:

حضرات! قوت قدسیہ کے مؤید من اللہ انسان کے سوا کسی کے کے لئے صدیوں سے گم شدہ ایمان کو دلوں میں پھر سے تازہ کرنا اور ایک نئی لگن اور عشق پیدا کر دینا ممکن نہ تھا کہ اس کے قوی ارادوں کو پرفریب اور لذیذ دنیوی زندگی کی طلب اور نفس کے عزیز ولذیذ تقاضوں کی تکمیل سے باز رکھا جا سکے، اور انہیں عظیم الشان بادشاہوں کی خوشامد سے ہٹا کر ان دیکھے خدا کی طلب

پر مائل اور اسے خدا کی مرضی پر راضی، اور اس کے راستہ میں جان و مال اور ہر عزیز شے کی ثواب آخرت کی امید پر قربانی کرنے پر آمادہ کیا جا سکے۔

اس اہم کام بلکہ کارنامے کے لئے تو اس آہنی ارادے کی ضرورت ہوتی ہے جسے سربفلک پہاڑ بھی نہ ہلا سکیں، اور جنہیں جن وانس کی مجموعی مخالفت بھی نہ کمزور کر سکے، اسی حقیقت کی ترجمانی زبان نبوت سے نکلے ہوئی اس فقرہ نے کی تھی۔

لو وضعت الشمس فی یمینی والقمر فی یساری ماترکت ھذا الامر حتی یظھرہ اللہ او اء ھلک فی طلبہ.

اگر قریش میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند بھی رکھ دیں تو میں تبلیغ کے اس کام کو ترک نہیں کر سکتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غالب کر دے یا میں اس کی طلب میں ہلاک ہو جاؤں۔

اس کام کے لئے اس قوی ایمان کی ضرورت تھی جو اگر تمام دنیا اور دنیا والوں پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے اور سب کے شک کو یقین اور ضعف کو قوت سے بدل دے، وہ ایمان، صاحب ایمان کی زبان سے اس وقت بھی بولتا ہے، جب زبانیں گنگ ہو جاتی اور نگاہیں چوندھیا جاتی ہیں، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ غار کے دہانے پر جانی دشمن کھڑے ہیں مگر نبی ﷺ اپنے ساتھی کو تسلی دے رہا ہے۔

لاتحزن ان اللہ معنا .

غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

نبیؐ کی نگاہیں بعد مکانی و زمانی اور مختلف پردوں کے حائل ہونے کے باوجود عرب کے ایک فقیر بدوی سراقہ کی ہاتھوں میں شہنشاہ ایران کسریٰ کے کنگن اور بھوک کی شدت اور محاصرے کی طوالت کے باوجود خندق کے ایک پتھر کی چنگاری میں قیصر روم کا سفید محل دیکھ لیتی ہیں سفر ہجرت کے موقع پر سراقہ بن جعشم جب تعاقب کرتا ہوا پہنچا اور اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اس نے اپنی گستاخی کی معافی چاہی تو آپ نے فرمایا سراقہ وہ کیا وقت ہوگا جب شاہ ایران کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھ میں ہوں گے مدائن فتح ہونے پر کسریٰ کے جب طلائی کنگن مال غنیمت میں آئے تو حضرت عمرؓ نے سراقہ کو پہنایا اور ناقابل قیاس پیش گوئی

حرف بہ حرف پوری ہوئی اسی طرح غزوہ خندق میں جب آپ نے ایک پتھر پر کدال ماری اس سے ایک شعلہ نکلا تو آپ نے فرمایا کہ اس روشنی میں میں نے قیصر کا سفید محل دیکھا نبوت کی یہ دور بینی بھی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی اور مسلمان قیصر کے محل پر قابض ہوئے۔

عالمگیر جاہلیت کا خاتمہ اور اس کی جگہ زندگی و یقین اور دینی جوش کا اعادہ ایسے ہی طاقتور اور پیغمبرانہ ایمان کے ذریعہ ممکن ہوتا ہے، اور انسان کے حق میں خدا کی رحمت کے تحت ظہور میں آتا ہے۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلوا علیهم آیاته و یزکیهم ویعلمهم الکتب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین

وہ ذات جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیات سناتا' ان کی سیرت کو سدھارتا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الذین کله ولو کره المشرکون

وہ ذات جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے وہ تمام دینوں پر غالب کردے خواہ اسے مشرکین کتنا ہی ناپسند کریں۔

دائمی اصلاح وجدو جہد والی قوم کی ضرورت:

جاہلیت کا یہ فساد چند مصلح افراد یا کسی مضبوط جماعت یا کسی بڑے ادارے کے بس سے باہر تھا اس لئے کہ یہ فساد اپنی آخری شکل کو پہنچ گیا اور نا قابل علاج بن چکا تھا اس لئے ایک مستقل امت کی ضرورت تھی جو اس کے لئے متحدہ اور مسلسل جدو جہد کرتی رہے' اور خدا کی زمین میں پھیل کر باطل جہاں بھی ہو اس کا مقابلہ کرے' شر کی طاقت جہاں بھی ہو اسے اکھاڑ پھینکے اور خدا کی سرزمین کو عدل وانصاف سے بھر دے جیسے کہ وہ ظلم و جور سے بھری جا چکی تھی، اس طرح دنیا کو ایک پیغمبر اولوالعزم کی ضرورت تھی جس کی امت ایک عظیم امت ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرن بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے برپا کی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

صاحبو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ٹھیک اس وقت ہوئی جب انسانیت اس کے لئے اسی طرح چشم براہ اور گوش برآواز تھی جیسے گرمی سے جھلسی ہوئی فضا اور تپتی ہوئی زمین موسم کی پہلی بارش کے لئے ہوتی ہے۔

وتری الارض ھامدۃ فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت وربت وانبتت من کل زوج بھیج ذالک بان اللہ ھوا لحق وانہ یحیی الموتی وانہ علی کل شیء قدیر

اور تم زمین کو مرجھائی ہوئی دیکھتے ہو اور جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو لہلہا اٹھتی، نمو پذیر ہونے اور ہر قسم کے دلفریب پھل پھول اگانے لگتی ہے یہ ثبوت ہے کہ اللہ ہی معبود برحق ہے اور وہی مردے کو جلاتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

بعثت محمدی کی انقلابی تاثیر:

یکا یک اس مردہ انسانی جسم میں ...... جسے نسل انسانی کہا جاتا ہے ...... روح حیات دوڑنے لگتی ہے، اور اچانک یہ مردہ انگڑائی لینے لگتا ہے، جو سڑنے گلنے کے قریب ہو گیا تھا، اس حقیقت مؤرخین اپنی محدود زبان میں ایوان کسریٰ کے لرزنے اور آتش فارس کے بجھنے سے تعبیر کرتے ہیں، آپ نے دیکھا ہو گا کہ پختہ اور مضبوط عمارتیں اور فلک بوس محلات زمین کے زلزلے کی ایک حرکت سے خزاں زدہ پتوں کی طرح زمین پر آرہتے ہیں، تو قیصر وکسریٰ کے نظام اور فراعنہ عصر کے کارنامے بنیٔ اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دنیا میں صبح سعادت کے طلوع سے کیوں زوال پذیر نہیں ہو سکتے۔

ایک نئی دنیا کا ظہور:

حضرات محترم! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت صرف ایک نبی کی یا صرف ایک امت کی، یا ایک عصر ہی کی پیدائش نہیں بلکہ ایک نئی دنیا کی پیدائش تھی، جو آپ کی بدولت ظہور میں آئی اور آپ ﷺ کی یہ دنیا تا قیامت باقی رہے گی، جب میراث عالم کا آخری وارث خدائے تعالیٰ ہوگا، آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ کے آثار اس دنیا کے چپے چپے پر موجود اور اس کے ذرے ذرے میں سرایت کئے ہوئے ہیں، اور دنیا اپنے عقیدے انداز فکر تہذیب وتمدن، اخلاق ومعاشرات اور علم وثقافت کے سلسلے میں بعثت محمدی سے متاثر ہی نہیں بلکہ اس کے اثرات اس میں اس طرح پیوست ہو چکے ہیں کہ کسی طرح اس کا ان سے جدا ہونا ممکن نہیں، اور اگر وہ اس سے الگ کر دیئے جائیں تو وہ اپنے بہترین سرمائے اور اثاثہ سے محروم ہو جائے گی، دنیا دراصل اپنی زندگی کے لئے بھی بعثت محمدیؐ کی ممنون ہے، اس لئے کہ اسی نے اسے زندگی کا استحقاق بخشا اور اس کی عمر میں اضافہ کر دیا، اور خیر کو شر پر غالب کر کے خدائی غضب کی مار اور اللہ کی لعنت اور بدبختی سے اسے بچالیا جس کی وہ مستحق ہو چکی تھی، دنیا، بعثت محمدیؐ سے پہلے اس کی بالکل سزاوار تھی کہ اس کی بساط الٹ دی جائے اور اس کی بنیاد کھود ڈالی جائے۔

ظهر الفساد في البر و البحر بما كسبت ايدي الناس ليذيقهم بعض الذي عملوا لعلهم يرجعون

لوگوں کے کرتوتوں کے سبب خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا تاکہ وہ انہیں ان کے کئے کا کچھ مزہ چکھائے شاید وہ اپنے کئے سے باز آئیں۔

حدیث شریف میں اس سلسلے میں آیا ہے۔

ان الله نظر الیٰ أهل الارض فمقتهم عربهم وعجمهم الا بقا يا من ا هل الكتاب.

اللہ نے اہل زمین کی طرف نظر کی اور عرب وعجم دونوں کو ناپسند کیا سوا تھوڑے سے اہل کتاب کے۔

عصر جاہلی کی تصویر:

خدا نے جو خبیر وعلیم بھی تھا، زمین پر کیا دیکھا؟ اس نے یا تو کسی کو بت کے آگے سجدہ ریز دیکھا یا کسی کو پیٹ کا پجاری یا کسی کو سلطان اور شیطان کا بندہ پایا جہاں تک دین خالص، طلب صادق، علم صحیح اور عمل صالح اللہ سے رجوع، آخرت کی سعی کا سوال تھا تو یہ چیزیں نایاب اور کیمیا کی طرح عزیز الوجود ہوگئی تھیں، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی معرکہ الآراء تصنیف ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں، اس دور جاہلیت کی جو تصویر پیش کی ہے، میں نے اس سے بہتر تصویر کسی مصنف کے قلم سے نہیں دیکھی، فرماتے ہیں۔

''صدیوں سے آزادانہ حکومت کرتے کرتے اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے آخرت کو یکسر بھول جانے اور شیطان کے پورے اثر میں آجانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسائیوں اور سامان آرائش میں بڑی موشگافی اور نازک خیال پیدا کرلی تھی اور اس میں ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور فخر کرنے کی کوشش کرتے تھے، دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مرکزوں میں بڑے بڑے اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہوگئے تھے، جو اس سامان آرائش اور راحت میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے، اور نئی نئی تراش خراش نکالتے تھے ان پر عمل فوراً شروع ہو جاتا تھا اور اس میں برابر اضافے اور جدتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا۔ زندگی کا معیار اتنا بلند ہوگیا تھا کہ امراء میں سے کسی کا ایک لاکھ درہم سے کم کا پٹکا باندھنا اور تاج پہننا سخت معیوب تھا، اگر کسی کے پاس عالی شان محل، فوارہ حمام باغات خوش خوراک اور تیار جانور، خوش رو جوان اور غلام نہ ہوتے، کھانے میں تکلفات، اور لباس و پوشاک میں تجمل نہ ہوتا تو ہم چشموں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی اس کی تفصیل بہت طویل ہے، اپنے ملک کے بادشاہوں کا جو حال دیکھتے اور جانتے ہو، اس سے قیاس کرسکتے ہو۔ یہ تمام تکلفات، ان کی زندگی اور معاشرت کا جزء بن گئے تھے، اور ان کے دلوں میں اس طرح رچ بس گئے تھے کہ کسی طرح نکل نہیں سکتے تھے، اس کی وجہ سے ایک ایسا لا علاج مرض پیدا ہو گیا تھا، جو ان کی پوری شہری زندگی، اور انکے پورے نظام تمدن میں سرایت کرگیا تھا، یہ ایک مصیبت عظمیٰ تھی، جس سے عام و خاص، اور امیر و غریب میں سے کوئی محفوظ نہیں رہا تھا، ہر شہری

پر یہ تکلف اور امیرانہ زندگی ایسی مسلط ہو چکی تھی، جس نے اس کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا اور اس کے سر پر غم وافکار کا ایک پہاڑ ہر وقت رکھا رہتا تھا، بات یہ تھی کہ یہ تکلفات بیش قرار رقمیں صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ اور یہ رقمیں، اور بے پایاں دولت کاشتکاروں، تاجروں، اور دوسرے پیشہ وروں پر محصول اور ٹیکس بڑھانے اور ان پر تنگی کئے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں، اگر وہ ان مطالبات کے ادا کرنے سے انکار کرتے تو ان سے جنگ کی جاتی اور ان کو سزائیں دی جاتیں، اور اگر وہ تعمیل کرتے تو ان کو گدھے اور بیلوں کی طرح بنا لیتے جن سے آبپاشی، اور کاشکاری میں کام لیا جاتا، اور صرف خدمت کرنے کے لئے ان کو پالا جاتا ہے، اور محنت و مشقت سے ان کو کسی وقت چھٹی نہیں ملتی اس پر مشقت اور حیوانی زندگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کسی وقت سر اٹھانے اور سعادت اخروی کا خیال بھی کرنے کا موقع اور مہلت نہیں ملتی تھی، بسا اوقات پورے پورے ملک میں ایک فرد بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر اور اہمیت ہوتی۔

نیا عالمی رجحان:

حضرات محترم! بعثت محمدی نے اس جاہلی ماحول کو یکسر بدل دیا اور متمدن دنیا میں ایمان و خدا طلبی جہاد و سعی آخرت انسانیت کو اس کے دشمنوں سے بچانے، قوموں کو زوال کے بعد عروج اور لوگوں کو لوگوں کی بندگی سے نکال کر خدا کی بندگی میں اور دنیا کی تنگنائے سے آخرت کی وسعت بیکراں، اور مذاہب کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف لانے کی طاقتیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور اس مقصد عظیم کی طرف اہل عزیمت افراد کی ہمتیں، اصحاب صلاحیت کی صلاحیتیں اذ کیاء کی ذہانتیں ادیبوں کا علم وفضل اور شعرا کے ذوق و وجدان سورماؤں کی تلواریں اہل علم کے قلم، ممتاز افراد کی عبقریتیں متوجہ ہو گئیں اور اس دنیا میں جو صرف ایک قسم اور ایک طرز کی نفس کی غلام شہوت کی اسیر، اور ہوس کی پرستار انسانیت ہی کو جانتی تھی، اب ہر زمانے میں اور ہر جگہ خدا کے مخلص بندے ربانی وحقانی علماء، عادل حکمراں زاہد بادشاہ مجاہد مرد اتنی کثرت سے پائے جانے لگے کہ شاید ریت کے ذروں اور صحرا کی کنکریوں سے بھی ان کی تعداد بڑھ گئی، ان پر خدا کو فخر تھا، اور تاریخ ان کے احترام پر مجبور اور دشمن بھی ان کے آگے سرنگوں تھے، اور بالآخر صحیح اور مفید علم، اور صالح اور برگزیدہ عمل خیر پسندی کا قوی جذبہ، اور مومن ومجاہد جماعت کے افراد ہر طرف

پھیل گئے جو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے اللہ پر ایمان لاتے اور اسکے راستے میں جہاد کرتے اور اس سلسلہ میں کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور اس طرح جہاد و اصلاح دعوت وارشاد کی ایک مسلسل تاریخ بن گئی جس میں کوئی خلل اور وقفہ نہیں۔

لاتزال طائفة من امتی ظاھرین علی الحق لا یضرھم من خذلھم حتیٰ یاتی أمر اللہ.

میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق کے ساتھ غالب رہے گا اور ان کا مخالف انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔

امت محمدی محمد رسول اللہ ﷺ کا معجزہ عظیم ہے:

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب الجواب الصحیح میں بعثت محمدی ﷺ لائے ہوئے، انقلابی اثر، اس کی اہمیت اور نتائج کی بڑی اچھی تصویر کشی کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ، رسول اللہ ﷺ کی سیرت واخلاق، اقوال وافعال اور ان کی شریعت خدا کی آیات میں سے ہے، اور ان کی امت اور امت کا علم و دین اور اس امت کے صالحین کی کہ امت بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ اللہ کے حکم پر پوری طرح قائم رہے، اور اس میں پوری صداقت عدل اور وفاداری برتتے رہے، کبھی کوئی جھوٹ، کسی پر ظلم کسی سے بے وفائی، ثابت نہیں بلکہ آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سچے، اعتدال پسند اور وفا شعار تھے، اگرچہ آپ ﷺ جنگ و صلح، امن وخوف، فقر وخوشحالی قلت وکثرت کامیابی و ناکامی کے مختلف حالات سے برابر گزرتے رہے، لیکن ان تمام حالات میں اچھے اور پسندیدہ رستے سے آپ کبھی نہیں ہٹے، حتیٰ کہ دعوت اسلام عرب کی اس سرزمین میں پھیل گئی ہو اس سے پہلے بت پرستی کو اکب پرستی کفر وشرک قتل و سفاکی اور قطع رحمی سے بھری تھی اور جو لوگ آخرت اور معاد کو جانتے تک نہ تھے اب وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ علم والے، دین والے انصاف اور فضیلت والے بن گئے حتیٰ کہ شام کے نصاریٰ بھی ان کو دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ مسیح کے ساتھ اور حواری ان سے بہتر نہ تھے، اور روئے زمین پر آج بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے علم وعمل کے آثار پھیلے ہوئے ہیں اور

اہل فہم دونوں کا فرق کھلے طور پر محسوس کرتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی امت تمام امتوں سے ہر معاملہ میں برتر وبہتر ہے اگر ان کے علم کا مقابلہ دوسری قوموں کے علم سے اور ان کے دین اور طاعت وعبادت کا دوسروں کے دین، طاعت وعبادت سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ علم و عبادت میں دوسروں سے بہت آگے ہیں، اور اگر ان کی شجاعت اور اللہ کے راستے میں جہاد اور اللہ کے لئے مصائب کی برداشت کا جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ وہ اس باب میں بھی سب سے بڑھ کر ہیں اور اگر ان کی سخاوت وفیاضی اور دوسروں کے لئے ایثار وخوش اخلاقی پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ فیاض وشریف ہیں اور یہ تمام فضائل اخلاق اس امت کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی سے حاصل ہوئے تھے اور آپ ﷺ ہی نے ان باتوں کی تعلیم وتلقین کی تھی۔

آپ ﷺ کی امت کے افراد کسی کتاب کے متبع نہیں تھے جس کی تکمیل کے لئے آپ ﷺ آئے ہوں جیسا کہ مسیح شریعت تورات کی تکمیل کے لئے آئے تھے اور مسیحی لوگوں کے فضائل اخلاق، اور ان کے علوم وفنون کا کچھ حصہ توریت سے کچھ زبور سے کچھ دوسرے انبیاء کی تعلیمات سے، کچھ حضرت مسیح سے اور کچھ آپؑ کے بعد کے لوگوں جیسے حواریوں اور ان کے حواریوں سے ماخوذ ہیں، اس کے علاوہ انہوں نے فلاسفہ وغیرہ کے کلام سے بھی مدد لی اور دین مسیحی میں تبدیلی کے وقت اس میں ایسے امور داخل کر لئے جو مسیحیت کی ضد اور کفر سے تعلق رکھتے تھے۔

لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت آپ کے آنے سے پہلے کسی کتاب سے، واقف نہ تھی، بلکہ ان کی بڑی تعداد موسیٰ وعیسیٰ وداوٗد علیہم السلام اور تورات وانجیل وزبور پر ایمان بھی آپؐ ہی کے کہنے سے لائی آپ ہی نے انہیں حکم دیا کہ وہ تمام انبیاء پر ایمان لائیں اور اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی ہر کتاب کا اقرار کریں،

اور کسی رسول کے خلاف تفریق وامتیاز نہ برتیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمایا۔

وقولوا آمنا باللہ

وما علینا الا البلاغ

نبوت محمدی کا کارنامہ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد o فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم oبسم الله الرحمن الرحیم o

انسان کی اہمیت:

حضرات سامعین! دنیا کا مقدر انسان کے مقدر سے برابر وابستہ رہا ہے، اور رہے گا، اس کی سعادت وشقاوت، بلند اقبالی اور نحوست کا تعلق انسان ہی کی ذات سے رہا ہے، چنانچہ اگر حقیقی انسان کا وجود رہے اور دنیا کی ہر قابل فخر چیز مال ودولت، اور زیب وزینت ختم ہو جائے تب بھی کوئی ایسی بڑی مصیبت نہیں آ جائے گی اور نہ دنیا کا کوئی بہت بڑا خسارہ ہو جائے گا بلکہ حقیقی انسان کا وجود ہر گم شدہ چیز کا نعم البدل، ہر محرومی کی تلافی، اور ہر بیچارگی کا درماں ثابت ہوگا، اور انسان اپنے نشاط کار جوش عمل قوت کارکردگی اور محنت وہمت سے دنیا کو وہ تمام چیزیں دوبارہ مہیا کر دے گا جو دنیا نے کھودی ہوں گی اور صرف یہی نہیں بلکہ پہلے سے بہتر اور بڑھ کر فراہم کر دے گا، اور اگر دنیا یا دنیا کے کسی ذمہ دار کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ انسان بغیر دنیا یا دنیا بغیر انسان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لے (اور وہ اس انتخاب میں عقل سلیم اور خدا کی دی ہوئی قوت تمیز سے کام لے) تو اس کا انتخاب یقیناً انسان ہی ہوگا، اور اس میں اسے کسی تردد وتذبذب کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، اس لئے کہ دنیا انسان ہی کے لئے بنائی گئی ہے اور اس کی عزت وقدر وقیمت اسی کے سبب سے ہے۔

اس دنیا کی بدبختی وبدنصیبی آلات ووسائل اور ساز وسامان کا فقدان نہیں بلکہ ان آلات ووسائل کا غلط اور بے محل استعمال ہے، اس دنیا کی طویل اور حادثات سے بھری ہوئی تاریخ میں دنیا کو جو کچھ مصیبت پیش آئی اس کا سبب انسان کی گمراہی، راہ راست اور اپنی فطرت سلیمہ سے انحراف ہے، وسائل وذرائع تو انسان کے لئے ہاتھ میں خاموش اور معصوم آلات ہیں جو اس کا حکم

مانتے اور اس کی مرضی پوری کرتے ہیں، ان آلات کا اگر کوئی قصور ہوسکتا ہے تو یہی ہوسکتا ہے کہ وہ اس مصیبت میں سرعت وتندی اور اس کی کمیت وکیفیت میں وسعت پیدا کردیتے ہیں۔

انسان فطرت کے اسرار وعجائبات:

حضرات! یہ وسیع کائنات اسرار ورموز اور عجائب وغرائب سے اس طرح بھری ہوئی ہے کہ اس کا حسن وجمال عقلوں کو مبہوت بنا دیتا اور دہشت وحیرت میں مبتلا کردیتا ہے۔
لیکن اگر انسانی فطرت کے اسرار عجائب، اس کے امکانات اور مخفی صلاحیتوں، قلب انسانی کی گہرائی اور گیرائی، فکر انسانی کی بلند پروازی اور ذہنی افق کی وسعت، روح انسانی کے سوز وگداز، اس کی لامتناہی امیدوں اور آرزوں، اس کی بلند ہمتی وعالی نظری (جس کی کوئی انتہا نہیں اور جو فتوحات، لذتوں اور مسرتوں، ملک وحکومت اور خوشحالی وآسودگی کی کسی مقدار پر قانع نہیں ہوتی) اس کی تنوع اور تناقض، بے شمار اور لامحدود صلاحیتوں کا دنیا کے اسرار وعجائب سے مقابلہ کیا جائے تو یہ وسیع کائنات اس کے سامنے سمندر کے آگے ایک قطرہ یا یا صحرا کے مقابل ایک ذرہ کی طرح معلوم ہوگی اور اپنی پوری وسعت کے ساتھ قلب انسانی کی وسعت اور گہرائی میں اس طرح گم ہو جائے گی جیسے ایک چھوٹی سی کنکری ایک بحر بیکراں میں گم ہو جاتی ہے، اس کے مضبوط اور غیر متزلزل ایمان کے آگے پہاڑ ہیچ ہو جائیں اس کی محبت کے بھڑکتے ہوئے جذبات کے تند شعلوں کے سامنے آگ سرد اور خاکسر نظر آئے اور خوف خدا، یا کسی ناتواں پر ترس کھانے یا گناہوں سے ندامت پر نکلے ہوئے، آنسو کے ایک قطرہ کو دیکھ کر سمندر پانی پانی ہو جائے اور اپنی تنگ ظرفی کا ماتم کرے، انسانی سیرت کا جمال اس کے اخلاق کا حسن اور اس کے جذبات کی لطافت اگر آشکار ہو جائے تو اس عالم کی تمام رنگینیوں اور دلفریبیوں پر پانی پھیر دے اور حسن کائنات کو مات دیدے، انسان کی ذات اس کائنات میں گوہر مقصود اور بیت الغزل کی حیثیت رکھتی ہے اور خلاق عالم کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی ہے جسے اس نے بہترین صورت مکمل سیرت اور عمدہ ترین ساخت عطا کی ہے۔

انسان ہر پیمانے سے بلند ہے:

دنیا اپنے تمام خزینوں اور دفینوں اور دولت وحکومت کے ساتھ بھی اس انسانی عقیدے کا بدل نہیں بن سکتی جو شک اور کمزوریوں سے بالاتر ہوتا ہے، اور نہ اس محبت کی قیمت بن سکتی ہے، جو مادی فوائد ومصالح سے بے نیاز ہوتی ہے، اور نہ اس جذبے کی قائم مقامی کرسکتی ہے، جو حدود وقیود سے آشنا نہیں، نہ اس اخلاص کی جگہ لے سکتی ہے جو اغراض ومنافع سے بے نیاز ہوتا ہے، اور نہ اس کے اس اخلاق کی قیمت بن سکتی ہے، جو سودے بازی اور انتقام سے بلند ہوتا ہے، اور نہ اس مخلصانہ خدمت کے برابر ہوسکتی ہے جو بدلے اور شکریے سے بھی مستغنی ہوتی ہے۔

انسان اگر اپنے آپ کو پہچان لے اور اپنی قیمت طلب کرے تو یہ دنیا اس کے دام لگانے سے عاجز ہو جائے، اور اگر اس کی ذات وسعت اختیار کر لے اور اپنے عزم وہمت کی عنان ڈھیلی چھوڑ دے اور اپنی فطرت کو اس کے بہاؤ پر ڈال دے تو یہ دنیا اس کے لئے تنگ ہو جائے، اور سمٹ کر اس کے لئے ایک بے روشنی اور ہوا کا پنجرا ثابت ہو۔

گھٹے اگر تو بس ایک مشت خاک ہے انسان
بڑھے تو وسعت کونین میں سما نہ سکے

فطرت انسانی کی گہرائیوں کو نہ ناپا جا سکتا ہے نہ اس کی تہ تک پہنچا جا سکتا ہے، نہ اس کے اسرار کا احاطہ ہوسکتا ہے، نہ اس کے اسرار کا احاطہ ہوسکتا ہے، نہ اس کی ماہیت وحقیقت کا پتہ لگایا جا سکتا ہے اس کی حیرت انگیز اور اعجاز نما صلاحیتیں، اس کا علم وحلم، اس کی شرافت وکریم النفسی، اس کی شفقت ومحبت، اس کا رحم وکرم، اس کے شعور کی لطافت اس کے احساس کی نزاکت اس کا زہد وایثار، اس کی خودداری وانکسار، معرفت الٰہی کی اس تعداد اور فنافی اللہ ہونے کا ذوق، بنی نوع انسان کی خدمت کا شوق اور پیچیدہ، مشکل اور نئے علوم وفنون کی لگن، یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی اور ذہین ترین لوگوں کا دماغ چکرا جاتا ہے۔

نبوت محمدیہ کا کارنامہ:

انسان کا وجود ہر خیر وبرکت اور اقبال وسعادت کی کنجی اور ہر مشکل اور ہر مسئلہ کا حل ہے

اور جب اس کی ساخت میں کجی آجاتی اور اس کی تہذیب فاسد ہو جاتی ہے حقیقی انسان نادر و نایاب ہو جاتے ہیں، اور جب اچھے انسان بنانے کا رواج اٹھ جاتا ہے تو یہی چیز تمام نبوتوں کا موضوع بنی ہے اور ہر نبی اپنے زمانے میں اسی مہم کو لے کر اٹھا ہے، اور ایسے انسانوں کا ایسی کمیت و کیفیت میں اٹھ کھڑا ہونا جس کا منظر تاریخ کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا ہو، نہ ایسا نظارہ چشم فلک کے سامنے آیا ہو، وہ ایک سلک گہر ایک سیسہ پلائی دیوار، اور مضبوط ملت و جماعت بن گئے ہوں، اور ایک مشترکہ مقصد و عقیدہ کے لئے باہمی تعاون کرنے لگے ہوں، یہ نبوت محمدی کا کارنامہ اور عظیم معجزہ ہے۔

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مردم سازی اور آدم کا کام اس سطح سے شروع کیا، جہاں سے کسی نبی یا مصلح کو نہیں کرنا پڑا تھا، اور نہ وہ اس کا مکلّف بنایا گیا تھا، اس لئے کہ عام طور پر دیگر انبیاؑ کی قوموں کی معاشرتی سطح، زمانہ جاہلیت سے بہت بلند تھی اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے اپنے اس عظیم کام کو اس سطح تک پہنچا دیا جہاں تک کسی نبی کا عمل نہیں پہنچا تھا۔

آپ ﷺ نے اس سطح سے کام شروع کیا جہاں حیوانیت کی انتہا اور انسانیت کی ابتدا ہوتی تھی اور اس اعلیٰ سطح تک پہنچا دیا جو انسانیت کی انتہائی منزل ہے اور جس کے بعد نبوت کے سوا کوئی اور درجہ نہیں اور جسے محمد ﷺ کے ذریعہ ختم کر دیا گیا۔

واقعہ جو خیال و تصور سے زیادہ دلکش ہے:

امت محمدیہ کا ہر فرد اپنی ذات سے ایک مستقل معجزہ، نبوت کی نشانیوں سے ایک نشانی، اس کے ابدی کارناموں میں سے ایک کارنامہ نوع انسانی کی اشرف و افضل ہونے کی ایک روشن دلیل ہے، کسی مصور نے اپنے فن کار موئے قلم اور صناع ذہن سے اس سے بہتر تصویر نہیں بنائی ہوگی، جیسے کہ حقیقت واقعہ، اور تاریخ کی شہادت کی روشنی میں وہ افراد موجود تھے۔

کسی شاعر نے بھی اپنے [illegible] ب تخیل، مواج طبیعت اور شعری صلاحیت سے کام لے کر ایسے اوصاف جمیلہ، ایسی پاکیزہ سیرتوں اور ایسے برگزیدہ محاسن کا خیالی پیکر نہیں تیار کیا ہوگا جس کا نمونہ ان کی ذات میں موجود تھا، دنیا کے اگر تمام ادیب جمع ہو کر انسانیت کا کوئی بلند ترین نمونہ پیش کرنے کی کوشش کریں تو ان کا تخیل اس بلندی تک نہیں پہنچ سکتا جہاں [illegible] تعاتی زندگی میں وہ

لوگ موجود تھے جو آغوش نبوت کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے، اور جو درسگاہ محمدی سے فارغ ہو کر نکلے تھے، ان کا قوی ایمان، ان کا عمیق علم، ان کا خیر پسند دل ان کی ہر تکلف اور ریاء و نفاق سے پاک زندگی، انانیت سے ان کی دوری ان کا خوف خدا ان کی صفت و پاکیزگی اور انسان نوازی ان کے حساسات کی نزاکت و لطافت ان کی مردانگی و شجاعت ان کا ذوق عبادت اور شوق شہادت ان کی دن کی شہسواری اور راتوں کی عبادت گزاری، متاع دنیا اور آرائش زندگی سے بے نیازی ان کی عدل گستری، رعایا پروری اور راتوں کی خبر گیری اور اپنی راحت پر ان کی راحت کو ترجیح ایسی چیزیں ہیں کہ اگلی امتوں اور تاریخ میں ان کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

فرد صالح مختلف پہلوؤں اور زندگی کے میدانوں میں:

رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت و رسالت کے ذریعہ ایسا صالح فرد پیدا کیا جو خدا پر ایمان رکھنے والا، اللہ کی پکڑ سے ڈرنے والا، دیندار و امانت دار دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادیت کے مظاہر کو نظر حقارت سے دیکھنے والا اور ان مادی طاقتوں پر اپنے ایمان اور روحانی قوت سے فتح پانے والا تھا جس کا ایمان اس پر تھا کہ دنیا اس کے لئے پیدا کی گئی ہے اور وہ آخرت کے لئے بنایا گیا ہے، چنانچہ جب یہ فرد تجارت کے میدان میں آتا تو راست باز اور امانت دار تاجر ہوتا، اور اگر اس کو فقر و فاقہ سے واسطہ پڑتا تو وہ ایک شریف و محنتی انسان نظر آتا وہ جب کبھی کسی علاقے کا حاکم ہوتا تو ایک محنتی اور بہی خواہ عامل ہوتا وہ جب مالدار ہوتا تو فیاض اور غمخوار مالدار ہوتا، جب وہ مسند قضا اور عدالتی کرسی پر بیٹھتا تو انصاف دوست اور معاملہ فہم قاضی ثابت ہوتا، وہ حاکم ہوتا تو مخلص اور امانت دار حاکم ہوتا اُسے سیادت و ریاست ملتی تو وہ متواضع اور شفیق و غمخوار حاکم اور سردار ہوتا، اور جب وہ عوام کے مال کا امانت دار بنتا تو محافظ اور صاحب فہم خازن ہوتا۔

بنیادیں، جن پر اسلامی معاشرہ قائم ہوا:

انہی اینٹوں سے اسلامی معاشرت کی عمارت بنی تھی اور اسلامی حکومت انہی بنیادوں پر قائم ہوئی تھی یہ معاشرت وحکومت اپنی فطرت میں ان افراد کے اخلاق ونفسیات کی بڑی صورتیں اور تصویریں تھیں، اور ان افراد ہی کی طرح ان سے بنا ہوا معاشرہ بھی صالح امانت دار

، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا ، اور مادی اسباب پر حاکم نہ کہ اس کا محکوم تھا ، اس معاشرے کے اقدار میں تاجر کی صداقت و امانت ایک محتاج کی سادگی و مشقت ، ایک عامل کی محنت و خیر خواہی ، ایک غنی و مالدار کی سخاوت و ہمدردی ، ایک قاضی کا انصاف اور معاملہ فہمی ایک والی ملک کا اخلاص و امانتداری ایک رئیس و سردار کی تواضع و رحمدلی ، ایک وفادار خادم کی قوت کار اور ایک امانت دار محافظ کی نگرانی و نگہبانی جمع تھی اور یہ حکومت دعوت و ہدایت کی علمبر دار حکومت تھی جو عقیدے کو منفعت و مصلحت اور ارشاد و ہدایت کو مالگزاری اور ٹیکس وصولی پر ترجیح دیتی تھی ۔ اس معاشرے کے اثر و نفوذ اور اس حکومت کے اقتدار کے تحت ، عوامی زندگی میں ہر طرف ایمان و عمل صالح ، صدق و اخلاص ، جہاد و اجتہاد ، بین دین میں عدل و اعتدال اور اپنے اور دوسروں کے ساتھ انصاف نظر آنے لگا ۔

آزمائشوں اور تجربہ کے وقت فرد صالح کی کامیابی :

حضرات ! یہ فرد صالح ہر اس امتحان اور آزمائش میں پورا اترا جو کمزور پہلوؤں کو ظاہر کر دیتی اور مخفی صلاحیتوں کو جانچتی ہے ، یہ فرد آزمائش کی ان بھٹیوں سے کھرے اور خالص سونے کی طرح نکلا جس میں کوئی کھوٹ اور ملاوٹ نہ تھی ، اس نے ہر نازک موقع پر قوت ایمانی قوت ارادی نبوی تربیت کی تاثیر پاک نفسی و احساس ذمہ داری اور امانت و بے نیازی اور ایثار کا وہ بلند نمونہ پیش کیا جس کی ماہرین نفسیات و علمائے اخلاقیات اور موءرخین و ماہرین بشریات توقع بھی نہیں کر سکتے ۔

ان نازک موقعوں میں سب سے نازک آزمائش اس امیر و حاکم کی ہے ، جو کسی کے آگے جواب دہ نہیں ، نہ اسے کوئی متجسس آنکھ دیکھتی ہے اور نہ اسے کسی کمیٹی اور عدالت کا سامنا کرنا ہے ...... ایسا حاکم اپنے لئے جائز چیزوں اور اپنے ذاتی مال کی طرف سے بھی بے رغبتی دکھاتا اور اس معمولی مال کا بھی روادار نہیں ہوتا جس کی شریعت اجازت دیتی اور جو عرف عام میں رائج ہے ، اور جسے کسی زمانے کے لوگوں نے اہمیت نہیں دی ۔

حکمرانوں کا زہد اوران کی سادگی:

اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ خلیفۃ المسلمین ابوبکر صدیقؓ کی زوجہ محترمہ کو ایک بار کوئی میٹھی چیز کھانے کی خواہش ہوئی اوراس کے لئے انہوں نے اپنے روزانہ کے خرچ سے کچھ پس انداز کرلیا، جب حضرت صدیق اکبرؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے وہ رقم بیت المال کو واپس کر دی اوراپنے روزانہ کے وظیفہ سے بقدر اس رقم کے کم کرادیا، انہوں نے کہا کہ تجربہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ اتنی رقم زائد تھی ، اوراس سے کم میں ابوبکرؓ کے گھرانے کا گذارا ہوسکتا ہے مسلمانوں کا بیت المال اس لئے نہیں کہ اس سے حاکم کا خاندان عیش کی زندگی بسر کرے اور کھانے پینے میں توسع سے کام لے۔

یہاں ایک دوسری سچی تصویر جلوس خلافت کی ہے، اوراپنے وقت کی سب سے بڑی مملکت کے طاقتور حاکم کے اس سرکاری دورے کی تفصیل پرمبنی ہے، جو سرکاری کام ہی کے لئے ہوا تھا۔

یہ ایسے باجبروت حاکم کا سفر تھا جس کا نام سن کر لوگوں کے دل لرز جاتے اور وہ تھرا اٹھتے تھے، ہم ایک مؤرخ کا بیان نقل کرتے ہیں ، جو اس عجیب سفر کا راوی ہے، اوراس پر بلیغ انداز میں روشنی ڈالی ہے، ابن کثیر کا بیان ہے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ بیت المقدس جاتے ہوئے ایک خاکستری رنگ کی اونٹنی پرسوار تھے، دھوپ میں آپ کے سر پر کوئی ٹوپی اور عمامہ نہ تھا ، کجاوہ کے دونوں طرف آپ پاؤں لٹکائے ہوئے تھے اس میں رکاب بھی نہ تھی ، اونٹ پر ایک موٹا اونی کپڑا تھا ، جسے آپ اتر کر بچھاتے تھے، آپ کی گٹھری جو چمڑے یا اون کی تھی جس میں پتے بھرے ہوئے تھے سواری کی حالت میں اسی پر ٹیک لگاتے اور اترنے کے بعد اسی کا تکیہ بناتے تھے، آپ کی قمیص ایک پرانے گزی کے کپڑے کی تھی ، جو بغل کی طرف پھٹی ہوئی تھی۔

آپ نے وہاں کے سردار کو بلایا چنانچہ لوگ جلوس کو بلانے گئے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا کرتا دھودو اوراس کے پھٹے ہوئے حصے میں پیوند لگادو اور میرے لئے عاریۃً کوئی کپڑا یا کرتا فراہم کرو چنانچہ ایک ریشمی کرتا حاضر کیا گیا آپ نے اسے دیکھ کر حیرت سے

پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ریشم ہے آپ نے پھر فرمایا ریشم کیا ہوتا ہے لوگوں کے بتانے پر آپ نے اپنا کرتا اتار کر غسل فرمایا اور آپ کا پیوند لگا کرتا حاضر کیا گیا تو آپ نے ان کا ریشمی کرتا اتار کر اپنا وہی کرتا پہن لیا۔

جلوس نے ان سے مشورۃً کہا کہ آپ بادشاہ عرب ہیں، اور یہاں کے لوگوں میں اونٹ کی کوئی اہمیت نہیں اس لئے آپ اگر کوئی اچھا کپڑا پہن لیں اور گھوڑے پر سوار ہوں تو یہ اہل روم کو متاثر کر سکے گا، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا ہم وہ قوم ہیں جسے اللہ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی تو اب اللہ کے بدلے ہم کسی اور چیز کو نہیں اپنائیں گے، ایک گھوڑا لایا گیا، جس پر آپ نے اپنی چادر ڈال دی اس پر نہ لگام استعمال کی اور نہ رکاب باندھی بلکہ یونہی سوار ہو گئے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد فرمایا روکو روکو، میں نے اس سے پہلے لوگوں کو شیطان پر سوار ہوتے نہیں دیکھا تھا، چنانچہ آپ کا اونٹ لایا گیا اور آپ اس پر سوار ہوئے۔

اسی طرح مؤرخ طبری نے آپ کے ایک سفر کا حال لکھا ہے۔

''ایک بار حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین بنا کر سفر پر نکلے آپ کے ساتھ کچھ صحابہؓ بھی تھے آپ مقام ایلہ کے مقابل جارہے تھے (جو بحر احمر کے ساحل پر ہے) جب اس کے قریب پہنچے تو راستے کے کنارے ہو گئے اور اپنے غلام کو پیچھے کر لیا، آپ نے اس مقام پر پہنچ کر استنجا کیا، اور لوٹ کر اپنے غلام کی سواری پر سوار ہو گئے (جس پر ایک الٹی فرد پڑی ہوئی تھی) اور اپنی سواری غلام کو دیدی چنانچہ جب لوگوں کا پہلا گروہ آپ سے ملا تو اس نے آپ سے دریافت کیا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے سامنے ہیں، چنانچہ وہ آپ کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، جب ایلہ پہنچے تو ان ملنے والوں سے جب کہا کہ امیر المومنین ایلہ پہنچ گئے تو لوگوں نے آپ کو پہچانا اور آپ کی طرف لپکے۔

انسانیت کا مثالی نمونہ:

زہد و تواضع، ایثار و ہمدردی، عدالت و شجاعت، حکمت و صداقت کے یہ بہترین اور مثالی نمونے خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے حالات میں اس کثرت سے ملتے ہیں کہ اگر انھیں کوئی مورخ و ادیب یا نفسیات و اخلاق کا کوئی عالم جمع کرے اور ان سے ایک جامع اور منفرد

شخصیت تیار کرے تو انسانی سیرتوں میں ایک ممتاز ترین سیرت و شخصیت تیار ہو جائے اور انسانیت کے عظیم مرقع اور انسانیت کی عالمی تاریخ کی جلوہ گاہ میں ایک حسین ترین پیکر کا اضافہ ہو جائے لیکن افسوس ہے کہ ہم اس برگزیدہ جماعت کی مکمل اور جامع تعریف و تصویر کتابوں میں نہیں پاتے جو رسول ﷺ کی صحبت و تربیت کا ثمرہ اور نمونہ تھی پھر بھی بعض شخصیتوں کے کچھ جلوے ادیبانہ بلاغت پیکر نگاری اور مرقع کشی کے ساتھ کتابوں میں محفوظ ہو گئے ہیں اس لئے کہ عرب قدیم زمانے سے اپنی زباں دانی جادو بیانی منظر نگاری اور صداقت تعبیر کے لئے مشہور رہ چکے ہیں ان کی اس خاکہ نگاری کی مدد سے ہم تربیت نبوی کے اثرات و آثار اور اس کی کامیابی و نادرہ کاری کا کچھ اندازہ لگا سکتے اور اس معاشرے کے بلند نمونے دیکھ سکتے ہیں جس کی وساطت سے رسول اللہ کا اعجاز اپنی دلکش ترین شکل میں ظہور میں آیا تھا' ان تصویروں' میں ایک تصویر سیدنا علی مرتضیٰؓ کی ہے یہ تصویر اپنی تاثیر و تعبیر کے اعتبار سے عالمی اور غیر فانی ادب کے بہترین نمونوں میں شامل ہونے کی مستحق ہے۔

ایک موقع پر امیر معاویہؓ نے حضرت علی کے رفیق قدیم ضرار بن ضمرہ سے (جنہیں ان کی صحبت سے فیضیاب ہونے اور انھیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا) حضرت علیؓ کے اوصاف و محاسن بیان کرنے فرمائش کی تو انھوں نے کہا۔ واللہ وہ بڑے بلند ہمت اور مضبوط اعصاب کے مالک تھے' آپؓ کی بات قول فصیل اور آپ کا فیصلہ انصاف پر مبنی ہوتا' آپ کے ہر پہلو سے علم کا چشمہ ابلتا تھا' آپ کو دنیا اور اس کے زیب و زینت سے وحشت رہتی تھی' رات کی تنہائی اور تاریکی سے آپ بہت مانوس تھے' خدا کی قسم آپ بہت ہی رونے والے طویل غور و فکر میں رہنے والے تھے آپ اپنی ہتھیلی کو پلٹ کر اپنے آپ سے مخاطب ہوتے اور اپنا محاسبہ کرتے آپ کو موٹا جھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا پسند تھا' وہ ہم میں ہمارے ہی طرح رہتے تھے' جب ہم کوئی بات پوچھتے تو بشاشت سے جواب دیتے اور جب ہم ان کے پاس آتے تو خیریت طلبی میں پہل کرتے آپ ہماری دعوت پر ہمارے یہاں تشریف لاتے لیکن ان کی شفقت اور اپنی نیاز مندی اور بے تکلفی کے باوجود ہم رعب کے مارے زیادہ گفتگو نہ کرتے اور نہ گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے' مسکراتے تو اور ان کے دانت موتیوں کی لڑی معلوم ہوتے' وہ دینداروں کی تعظیم کرتے اور مسکینوں سے محبت رکھتے تھے' کوئی بااثر شخص ان سے کسی غلط کام کی امید بھی نہیں کرسکتا

تھا' اور نہ کمزور آدمی ان کے عدل سے محروم و مایوس ہو سکتا تھا۔

میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے انہیں کبھی کبھی اس حال میں دیکھا ہے کہ رات ڈھل چکی ہے' اور ستارے ڈوبنے لگے ہیں اور آپ اس وقت اپنی محراب میں اپنے محاسن شریف پکڑے ہوئے سانپ کاٹے ہوئے شخص کی طرح بے چین ہیں' اور کسی غمزدہ کی طرح رو رہے ہیں' اور میں انھیں یہ کہتے سن رہا ہوں کہ اے دنیا کیا تو مجھے نشانہ بنانا چاہتی ہے اور میرے لئے بن سنور کر آئی ہے؟

دور ہو! دور ہو! اور میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے میں نے بغیر رجعت کے تجھے تین طلاقیں دیں تیری عمر مختصر' تیرا عیش حقیر اور تیرا خطرہ بہت بھاری ہے آہ! زاد سفر کم' سفر لمبا' اور راستہ وحشتناک ہے۔

پہلا اسلامی معاشرہ:

حضرات! رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے نتیجے میں قائم ہونے والا یہ معاشرہ جسے آپ کی تربیت نے کندن بنا دیا تھا' وہ انسانیت کی پوری تاریخ میں بہترین انسانی معاشرہ ثابت ہوا جو دلکش کامل اور تمام انسانی محاسن کا جامع تھا' اس معاشرے کا تعارف اس کے ایک فرد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بڑی بلاغت' مختصر لیکن ہمہ گیر اور معنی خیز اور وسیع امکانات رکھنے والے الفاظ میں اس طرح کرایا ہے وہ لوگ تمام لوگوں میں پاکیزہ ترین دل عمیق ترین علم' اور کم سے کم تکلف والے تھے' جنہیں اللہ نے اپنے نبی کی صحبت بابرکت اور دین کی سربلندی و نصرت کے لئے انتخاب فرمایا تھا۔ جب اس معاشرے کا کسی اور معاشرے سے مقابلہ کیا جائے گا تو بحیثیت مجموعی اس کا پلہ بھاری نکلے گا' اور اس کی کمزوریوں کا پہلو (جس سے کوئی بشر خالی نہیں) اس کے محاسن' اور اس کے عظیم بشری نمونوں کے مقابلہ میں بہت ہی حقیر دکھائی دے گا اور اس کے اخلاقی کمالات کے ایسے نادر شاہکار نظر آئیں گے جن سے تاریخ انسانی خالی ہے' شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بڑی بلاغت اور دقیقہ رسی کے ساتھ فرمایا ہے۔

''اس امت کے بہترین لوگ صحابہ کرام ہیں' اس لئے کہ امت میں ان سے بڑھ کر ہدایت اور دین حق پر جمع ہونے والا' اور تفرقہ و اختلاف سے ان سے بڑھ کر دور رہنے والا کوئی اور

نہیں ان کی طرف جو تھوڑی سی کوتاہیاں منسوب کی جاتی ہیں اگر ان کا امت کے دیگر افراد سے مقابلہ کیا جائے تو وہ بہت ہی کم دکھائی دیں گی اسی طرح جب امت کی کوتاہیاں دوسری قوموں کی کوتاہیوں کے مقابلے میں رکھیں تو ان کا پلہ بھی ہلکا نظر آئے گا اور جو یہ غلط بیانی کرتا ہے وہ گویا ایک سفید کپڑے کے ایک کالے دھبے کو بڑا کر کے دکھاتا ہے وہ دوسری قوموں کے جامہ سیاہ کو نہیں دیکھتا جس میں سفیدی چند نقطوں کے برابر ہے اور اس طرح فیصلہ کر دینا بڑا ظلم اور جہالت ہے۔

رسالت محمدیہ کا اثر بعد کی نسلوں پر:

دعوت نبوی، تعلیمات محمدی اور ان بلند پایہ نمونوں کی تاثیر (جنہیں آپ نے اپنی اور اپنے اصحابؓ کی سیرت کی شکل میں پیش کیا اور بعد کے آنے والوں کو جن کی اتباع کی تلقین کی تھی) اور آپ ﷺ کی عظیم شخصیت (جو تمام احوال اور تمام ادوار کے لئے کامل مثال، روشن چراغ اور دائمی رہنما رہی ہے) کا اثر اسی عہد تک موقوف نہ تھا، جس میں آپ ﷺ مبعوث ہوئے تھے اور نہ اس معاشرے تک محدود تھا، جس نے آپ ﷺ کا مبارک زمانہ پایا اور آپ ﷺ کی صحبت سے استفادہ کیا تھا وہ تو اس نیر اعظم کی طرح تھا جس کی روشنی و گرمی میں کھیتیاں اور پھل ہر زمانے اور ہر جگہ میں پکتے ہیں اور جو اپنی بلندی سے اپنی حسین، سنہری اور قوت و حیات سے بھری ہوئی کرنیں دنیا کی طرف بھیجتا رہتا ہے، جن سے ہر دور و نزدیک کی چیز مستفید ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کے لئے آپ کی دعوت اللہ کی نگرانی کا استحضار اس کے غیظ وغضب کا خوف اس کے اجر و ثواب کی طمع جہنم کا ڈر اور جنت کا شوق رسول اللہ ﷺ کی متاع دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طلب زندگی میں سادگی لوگوں کو اپنے اور اپنی اولاد پر ترجیح بیگانہ کے ساتھ ایثار اور خویش و اقارب پر اس کو مقدم رکھنا اور قریبی اعزاء کو جہاد و مشقت اور قربانی کے موقعوں پر آگے بڑھانا مکارم اخلاق اور ایسے نازک ولطیف احساسات کو فروغ دینا (جنہیں ذکی و ذہن لوگ سوچ بھی سکیں) یہ سب چیزیں ایک عالمگیر ابدی اور ہمہ گیر مدرسہ کی طرح تھیں جس سے یکے بعد دیگرے نئی نسلیں فیض یاب ہوتی رہیں اور علماء و قائدین بادشاہ اور حکام عابد و زاہد اس سے مستفید ہو ہو کر نکلتے رہے سب نے اسی مثالی مدرسہ میں اخلاق انسانیت کے پہلے سبق لئے اور پھر سب پر فائق ہو گئے اور اپنے اخلاق فاضلہ کی بلندی، لطافت

حس شعور کی نزاکت امانت داری عیش وطرب کا سامان خزانوں کی کنجیاں حکومتوں کی باگ دور اورقوموں کا مستقبل اپنے ہاتھ میں رکھنے کے باوجود زہد وکثرت عبادت میں تمام قوموں سے بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس نبوی تاثیر سے فیض یاب ہونے والوں میں زمان ومکان کے بہت سے فاصلے ہیں لیکن وہ بہر حال ایمان کی کھیتی نبوت کی فصل دعوت اسلامی کا ثمر، اور رسالت محمدیہ کا کارنامہ ہیں او ان کی سیرت واخلاق میں جو کچھ حسن نظر آتا ہے وہ نبوت محمدی کی جلوہ سامانیوں کا پرتو ہے اس عقیدہ وسیرت اور اس اخلاق کے حصول میں ان کے والدین ماحول اوران کی ذہانت کا اس میں کوئی دخل نہیں اس لئے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور تعلیمات اور ان افراد کی رسول اللہ ﷺ سے محبت اور سیرت نبوی کی اتباع کا ذوق اور اسلام کا احسان نہ ہوتا تو وہ عقیدے میں بتوں کے پجاری اور اخلاق میں درندوں اور چوپایوں کی طرح ہوتے نہ توحید ہوتی نہ تقوی ہوتا نہ زہد وایثار ہوتے نہ عفو وعالی ظرفی نہ لطافت جذبات ہوتی اور نہ حسن اخلاق۔

عالمگیر اورابدی درسگاہ محمدی کے بعض تلامذہ اور ان کے اخلاق وزندگی کے چند نمونے:

اس مدرسے کے تلامذہ وفضلاء میں سے ایک شخص کو لے لیں جسے نبوت محمدی نے گہوارۂ اسلام جزیرۃ العرب عہد رسالت سے بہت دور تیار کیا تھا اورنسل ونسب کے اعتبار سے جس کی رگیں عربی خون سے خالی تھیں، وہ سلطان صلاح الدین کردی معجمی ہیں، جن کو صلاح الدین ایوبی کے نام سے تاریخ اسلام جانتی ہے، جو چھٹی صدی ہجری میں ہوئے ہیں۔ (۱) ان کے بارے میں ان کے رفیق اور معتمد خاص (secretry) ابن شداد کہتے ہیں۔

ان کی حکومت میں کیا کچھ نہیں آیا لیکن مرتے وقت ان کے پاس چاندی کے کل ۴۷ ناصری درہم اور ایک سونے کا سکہ نکلا جس کا وزن مجھے نہیں معلوم ہوسکا۔ میں نے انہیں ایک بار بیت المقدس میں وفود کے درمیان دیکھا اور وہ دمشق جانے کی تیاری میں تھے لیکن ان کے خزانے میں ان وفود کو دینے کے لئے کچھ نہ تھا، میں اس سلسلے میں گفتگو کرتا رہا آخر انہوں نے بیت المال کی کچھ چیزیں فروخت کیں اور ان وفود کو دے دیا اور ایک درہم بھی باقی نہیں بچا۔

وہ تنگی کے حال میں بھی اسی طرح داد و دہش سے کام لیتے جس طرح خوش حالی کے وقت فیاضی برتتے تھے، اسی لئے ان کے خزانہ داران سے کچھ چیزیں چھپا کر اہم فوری ضرورتوں کے لئے رکھ لیتے تھے، اس لئے کہ انہیں جب بھی کسی شے کا علم ہو جاتا تو اسے باہر منگا لیتے، ایک گفتگو کے دوران میں نے انہیں یہ کہتے سنا کہ لوگوں میں بعض لوگ ایسے بھی ہو سکتے ہیں، جو مال کو مٹی سمجھتے ہیں؟ گویا یہ ان کا اپنی ہی ذات کی طرف اشارہ تھا، وہ سائل کی توقع سے زیادہ ہی دیتے تھے۔

جب یہ عظیم بادشاہ جو شام کے شمالی حدود سے جنوب میں صحرائے نوبہ تک حکومت کرتا تھا، دنیا سے رخصت ہوا تو اس کے خزانے میں اس کے کفن دفن تک کا پیسہ نہ تھا، ابن شداد کا بیان ہے کہ:

''پھر ان کے غسل اور کفن کی تیاری ہونے لگی تو ہمیں اس کا انتظام اس طرح کرنا پڑا کہ معمولی چیزیں بھی قرض سے لینا پڑیں حتیٰ کہ گھاس کے پولے جو قبر میں رکھے جاتے ہیں۔ قرض ہی سے لئے گئے نماز ظہر کے بعد ایک معمولی کپڑے سے ڈھکے ہوئے تابوت میں آپ کا جنازہ لایا گیا، کفن کے تمام کپڑے قاضی فاضل نے مہیا کئے تھے۔

صلاح الدین کا یورپین سیرت نگار لیں پول (Stanely Lanpool) اپنی مشہور کتاب صلاح الدین میں لکھتا ہے۔

اگر دنیا کو صلاح الدین کی شرافت و عالی حوصلگی کے اس معاملہ کے سوا اور کچھ نہ معلوم ہو جو اس نے بیت المقدس کی فتح اور اسلام کے لئے اس کی بازیابی کے وقت اپنے مسیحی دشمنوں کے ساتھ کیا تھا تب بھی یہ ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہے کہ اس کے زمانے میں عالی ہمتی، عظمت وشجاعت، اور مردانگی و بسالت میں کوئی آدمی اس سے بڑھا ہوا نہیں تھا، بلکہ اس معاملے میں تو وہ ہر زمانے کے لوگوں میں بھی عظیم تھا۔

یہ محمدی تاثیر، قوت وفیضان اور امکانات سے بھرپور، اور وسعت وہمہ گیری کے ساتھ تاریخ کے ہر دور میں کار فرما رہی اور ان ملکوں میں جو عالم اسلامی کے دور دراز کناروں پر واقع ہیں، اور نو مسلم قوموں اور افراد میں جو اسلام کے اولین داعیوں سے نسل وزبان اور ثقافت کا کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے، اپنے عجائب وغرائب ظاہر کرتی رہی چنانچہ ایسا اکثر ہوا ہے کہ ایسے لوگ

کسی داعی اسلام یا روحانی مرشد کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، اور پھر ان کی اولاد میں بادشاہ یا بادشاہ کی صورت میں زاہد مرتاض اور ولی کامل پیدا ہوئے جن میں خشیت وتقویٰ، عدل وتوازن، ہمدردی وغمخواری، رحم وکرم، احتساب واخلاص نیت، اور صدق وصفا کے وہ نمونے پائے گئے کہ دوسری قوموں کے احبار ورھبان اور پوپ پادریوں میں بھی ایسے نمونے نہیں پائے گئے، ان کے ملوک وسلاطین کا تو سوال ہی نہیں۔

میں یہاں ہندوستان کی طویل اسلامی تاریخ سے (جو ایسے بلند نمونوں سے بھری ہوئی ہے) ایک ہی نمونے پر اکتفا کردوں گا، جس کی جدت وندرت اور تازگی وطرفگی مرور ایام اور اعادۂ تکرار کے باوجود اب تک کم نہیں ہوئی ہے، گجرات کے بادشاہ مظفر حلیم (م ۹۳۲ھ) اور اس کے معاصر سلطان محمود خلجی والی مانڈو کے درمیان پرانی رنجش تھی، سلطان خلجی برابر جارحیت سے کام لیکر گجرات پر حملہ آور ہوا کرتا تھا جس کے نتیجے میں سلطان مظفر حلیم کو اپنے ملک کا دفاع اور جوابی حملہ کرنا ہوتا تھا قسمت کی بات کہ محمود پر زوال آیا اور اپنی قوت وشوکت پر ناز کرنے والے اس بادشاہ کو ایک پناہ گزیں کی حیثیت سے اپنے کریم نفس پرانے دشمن سے فریادرسی اور امداد طلبی کرنی پڑی اس لئے کہ اس کے ملک پر اس کے وزیر مندلی رائے نے قبضہ کرلیا تھا، سلطان محمود کو، سلطان مظفر کے دامن عاطفت اور اسلامی غیرت کے سوا کہیں جائے پناہ نظر نہیں آئی چنانچہ حسب توقع وہ سلطان مظفر کے لطف وکرم، مدد وتعاون کا سزاوار ٹھہرا، یہ معاملہ وہ شخص کبھی نہیں کرسکتا تھا، جو جاہلی عصبیت کا شکار اور مادیت وموقع پرستی کے فلسفہ میں گرفتار ہوتا، سلطان مظفر نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور نہ اپنی لاچار اور نہتے دشمن کو کوئی طعنہ دیا بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لئے اور نفس وشیطان کے علی الرغم اس موقع کو غنیمت سمجھا، اور اپنے لشکر جرار کے ساتھ مانڈو کی طرف بڑھا اس نے اس حریف سلطنت کے معاملے کو اپنی سلطنت کے معاملے کی طرح، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اہمیت دی اور ایک اسلامی مملکت کی آزادی کی حفاظت اور شوکت اسلام کے اعادہ کے لئے اپنی حکومت اور اس کی حریت وسالمیت کو داؤ پر لگادیا، ادھر سے کافر فوجیں اور بت پرست طاقتیں بھی اپنے حلیف ملک مانڈو کی مدد کے لئے میدان میں آگئیں اور ایک خونی وجنونی لڑائی چھڑ گئی جس میں کشتوں کے پشتے لگ گئے اور گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہہ گئیں، بالآخر سلطان مظفر کو فتح اور دشمن کو شکست فاش ہوئی، رجپوت

بادشاہوں کے پرانے طریقے کے مطابق ہندو رانیوں اور بادشاہ کی بیگمات نے جوہر کی پرانی رسم ادا کی اور بالآخر یہ ملک پھر مسلم حکمرانی میں آ گیا۔

یہاں انسانی شرافت اور اسلامی اخلاق کا ایک اور بہترین نمونہ سامنے آتا ہے سلطان مظفر کے بعض فوجی مشیروں نے اسے یہ مشورہ دیا کہ بادشاہ اس زرخیز اور خوبصورت ملک پر قبضہ کرلے، جس کے خوشنما محلات، مضبوط قلعوں، اور بھرے ہوئے خزانوں کی (جو کمزور و مغرور بادشاہ کی حماقت سے خطرہ میں پڑ گئے تھے) ہندوستان میں کوئی مثال نہ تھی، ان کی منطق یہ تھی کہ اب بادشاہ نے اسے از سر نو فتح کیا ہے، اس لئے اب وہ اس کا حقدار ہے، ملک تو قوت وغلبہ کا نتیجہ ہوتے اور شہر، فاتح کی ملکیت سمجھے جاتے ہیں۔

سلطان کو جب اس رائے اور فوجیوں کی خواہش کا علم ہوا تو سلطان محمود کو حکم دیا کہ اس کے فوجیوں میں سے کسی کو شہر میں نہ جانے دے، سلطان محمود نے اس سے قلعہ میں کچھ ٹھہرنے اور غسل وغیرہ کی دعوت دی لیکن سلطان مظفر نے یہ دعوت شکریہ کے ساتھ نامنظور کردی اور اپنی فوجوں کو احمد آباد اور اپنے ٹھکانوں پر واپسی کا حکم دیدیا اور محمود خلجی سے کہا کہ میں تو اس ملک میں صرف اللہ کی رضا، اس کے ثواب کی طمع اور اس کے اس حکم پر عمل کرنے آیا تھا کہ:

وان استنصروكم فى الدين فعليكم النصر

اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد چاہیں تو تم پر مدد لازم ہے۔

والمسلم اخو المسلم لايسلمه ولا يخذله

مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے جسے نہ دشمن کے سپرد کرتا ہے اور نہ اسے رسوا کرتا ہے۔

اب میرا یہ مقصد پورا ہوگیا، اور اللہ نے مجھے، آپ کو، اور اسلام کو سرخرو کیا میں نے اپنے ساتھیوں سے ایسی باتیں سنیں جن پر میں عمل کرتا تو میرا عمل رائیگاں اور میرا جہاد ضائع ہو جاتا اور اس معاملے میں میرا نہیں بلکہ آپ کا احسان ہے کہ آپ نے اس سعادت کا مجھے موقع دیا، اور اس کا سبب بنے، اب میں اپنے ملک واپس جا رہا ہوں، اس لئے کہ اپنے عمل کو بے قسمت نہیں بنانا چاہتا، اور نہ نیکی کے ساتھ بدی کو ملانا چاہتا ہوں، بادشاہ کے یہ کہتے ہی اس کی فوج ظفر موج حرکت میں آ گئی شہسواروں نے احمد آباد کی طرف عنان عزیمت موڑ دی، اور ایک مثال قائم کرتے ہوئے اپنے ملک کو لوٹ گئے۔

مظفر کے ناٹڈو، فتح کرنے اور فاتحانہ اور باعزت داخلہ کے وقت محمود نے اپنے دوست مظفر کو سیر کرانے اور اس ملک کے خزانوں اور عجائبات دکھانے کے لئے ساتھ لے لیا، یہاں کی ہر چیز تعجب خیز اور حیرت انگیز تھی، شہر ماندو حسن و سرسبزی، ثروت و امارت، خوش جمال باندیوں اور عورتوں کا ایک مینا بازار تھا لیکن سلطان مظفر سر جھکائے نظریں نیچی کئے ہوئے اور اس مال و جمال کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے تھا محمود نے اپنے اس شرمیلے دوست سے حشم وخدم اور جواری اور کنیزوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے (جو فاتح کے استقبال کے لئے کھڑی مسکرا رہی تھیں) کہا کہ جناب عالی کیا بات ہے؟ آپ نہ سر اٹھاتے ہیں نہ اس منظر کو دیکھتے ہیں؟ سلطان مظفر نے کہا کہ محمود!

میرے لئے یہ جائز نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم

مومنوں سے کہئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

محمود نے کہا کہ وہ میری باندیاں ہیں، اور میں آپ کا غلام ہوں جسے آپ نے اپنے احسان سے بندۂ بے دام بنالیا ہے، اس لئے وہ دوہرے طریقہ پر بھی آپ کی باندی اور غلام ہیں لیکن مظفر کو یہ نکتہ مطمئن نہیں کر سکا، اس کا یقین تھا کہ اللہ نے جسے حرام کیا ہے اسے کوئی حلال نہیں کر سکتا۔

اس طرح زاہد و متقی بادشاہ نے اپنی شرافت اپنے باطن اور روح کی عفت، اسلام سے شدت تاثر، اور بلند اسلامی اخلاق کا نمونہ قائم کر دیا جن کی محبت اس کی گھٹی میں پڑی تھی اور جن پر وہ زندگی بھر کار بند رہا، بادشاہ کا اسلامی نسب دو تین واسطوں کے بعد ہندی نژاد غیر مسلم خاندانوں ، اور نائک برادری کے پشتوں میں کھو جاتا ہے، جن کا ایک فرد مشرب بہ اسلام ہو کر اس عظیم سلطنت کا بانی ہوا تھا، اور اسلامی مورخ کو اس کے دادا کے بعد اسلامی نام نہیں ملتے جو فیروز تغلق کے وقت میں آٹھویں صدی ہجری میں مسلمان ہوا تھا اور اس کے بعد ہندوستانی نام آنے لگتے ہیں جن کی اصلیت و مفہوم کا پتہ نہیں چلتا، سلطان مظفر نے یہ شرافت اور تقوی، درسگاہ محمدی ہی سے سیکھا تھا جس کا وہ مخلص و مخنتی شاگرد تھا، اور جو اسلام کی نعمت اور محمد رسول اللہ ﷺ کے فضل و احسان کا قدرداں اور اس دین سے پوری دلچسپی اور احترام کے ساتھ متعلق تھا۔

اس دائمی ومبارک مدرسہ کی ہر زمانے اور ہر قوم میں کارگزاری:

حضرات سامعین! اس بابرکت اور مردم خیز مدرسے کے کتنے فرزند شرق وغرب اور عرب وعجم، قرون اولیٰ ووسطیٰ اور عہد حاضر میں پھیلے ہوئے، اور ان عظیم فرزندوں کے کتنے کارنامے اور فتوحات، اور فضائل ومحاسن، انسانی زندگی کے ہر گوشے میں بکھرے ہوئے ہیں۔

اس مدرسہ کی تربیت کی تاثیر اور اس کے بانی کا فیض کبھی طارق کی شجاعت، محمد بن قاسم کی بسالت اور موسیٰ بن نصیر کی ہمت کے پردے میں چمکا، کبھی امام ابوحنیفہؒ وامام شافعی کی ذکاوت وذہانت کی شکل میں ظاہر ہوا، کبھی امام مالکؒ وامام احمدؒ بن حنبل کی صلابت واستقامت کے پیکر میں آشکارا ہوا کبھی نور الدین زنگی کے لطف وکرم میں جلوہ گر ہوا کبھی صلاح الدین کے عزم محکم اور سعی پیہم سے ہویدا ہوا کبھی امام غزالی کا جوہر کمال بن کر سامنے آیا، اور کبھی شیخ عبدالقادر جیلانی کا تقدس وروحانیت بن کر دلوں کا مداوا بنا، کبھی ابن جوزی کی تاثیر بنا کبھی محمد فاتح کی شمشیر بنا کبھی محمود غزنوی کی مہم جوئی اور کبھی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی رقت وشفقت ثابت ہوا، کبھی فیروز شاہ خلجی کی بلند طبعی میں صورت پذیر ہوا کبھی ابن تیمیہ کے تبحر علمی میں، کبھی شیر شاہ سوری کے حسن تدبیر کی شکل میں سامنے آیا اور کبھی اورنگزیب عالمگیر کے آہنی عزم کی ہیئت میں، کبھی شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے معارف وحکم میں نمایاں ہوا، اور کبھی مجدد الف ثانیؒ کے آثار قلم وقدم میں، کبھی شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی دعوت بن کر ابھرا اور کبھی شاہ ولی اللہ کی حکمت بن کر، اور کبھی ان کے بعد کے آنے والے داعی ومصلحین اور علمائے ربانی کی خدمات بن کر۔

ان تمام عبقریتوں، اور ان کی علمی وعملی خدمات کا سلسلہ نسب ونسبت اس مدرسہ اور اس کی تربیت اور اس نئے اور خوش آئند عہد پر منتہی ہوتا ہے، جو محمد ﷺ کی بعثت سے شروع ہوا جس میں انسانیت کے افضل ترین امکانات کو ابھرنے اور سرگرم ہونے کا موقع ملا اور جس میں ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے اور کام لینے والے افراد ملنے لگے، یہ مدرسہ...... زمانے کی چیرہ دستی اور لوگوں کی نا آشنائی...... کے باوجود تاریخ میں بے مثال افراد پیدا کرتا رہا اور خدا کے حکم سے اپنے مفید اثرات وثمرات سے انسانیت کی جھولی بھرتا رہا ہے، وہ اپنے ان مخلص قائدین اور ربانی علماء کے ذریعہ انسانیت کی خبر گیری اور دادرسی کرتا رہا ہے جن کے بارے میں قرآن

میں ہے کہ:

اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولایخافون لومة لآئم

وہ مومنوں کے سامنے نرم اور کافروں کے مقابل سخت ہیں اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔

اور زبان غیب یہ صدا لگاتی ہے کہ:

فان یکفر بھا ھؤلاء فقد وکلنا بھا قوما لیسوا بھا بکافرین

تو اگر یہ لوگ اس کا انکار اور اس نعمت کی ناشکری کریں گے تو ہم نے اس کے لئے ایسی قوم مقرر کر رکھی ہے۔ جو منکر اور کافر نعمت نہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

ہدایت کے امام اور انسانیت کے قائد

خودساختہ رہنماؤں کا انسانیت کے ساتھ مذاق

الحمدللہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ و نشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ الذی ارسلہ اللہ تعالیٰ الی کافۃ الناس بشیرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا ○

نوع انسانی اپنی طویل تاریخ میں ہمیشہ خود ساختہ رہنماؤں اور برسر اقتدار شخصیتوں کا کھیل اور مذاق، اور قانون سازوں اور حکماء کے تجربات کا نشانہ بنتی رہی ہے ایسے لوگوں نے اپنے ابنائے جنس اور اپنے ہی جیسے انسانوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ایک بچہ کاغذ کے کسی پرزے کے ساتھ کرتا ہے، بچہ کبھی کاغذ کو لپیٹتا، کبھی پھیلاتا کبھی کھولتا کبھی بند کرتا اور جب جی چاہے پھاڑتا اور جلاڈالتا ہے۔

ان کے لئے انسانی زندگی، اس کی ترقی کے امکانات اور اس کے وسیع مضمرات کی کوئی قیمت نہ تھی اللہ تعالی نے انسان میں اطاعت اور فرمانبرداری کی جو صلاحیت ودیعت فرمائی ہے، اور قائدین پر اعتماد اور جاں نثاری کی جو صفت رکھی ہے، اس کے سلسلے میں انہوں نے نہ خدا ترسی سے کام لیا، نہ حق وانصاف کے تقاضے پورے کئے، نہ کسی تعلق اور ذمہ داری کا لحاظ کیا اور اسے انہوں نے اپنی خواہش ومنشا کا آلہ کار اور قیادت وسیادت اور اغراض کا ذریعہ بنالیا، ان قائدین کی کوتاہ نظری، خطا کاری وگمراہی، اور غلط فہمی وغلط بیانی نفس پرستی وبوالہوسی، انفرادی واجتماعی انانیت قومی ووطنی عصبیت نے بدقسمت انسان کے سر پر طویل بدبختی اور مصیبت لا دی ہے،

انہوں نے اپنے اخلاص، بصیرت، خلائق دوستی اور احترام انسانیت کے بارے میں مستقل شبہات پیدا کردیئے اور اس بات کی اب کوئی ضمانت نہیں رہی کہ انسانیت ان کے زیرِ سایہ پھل پھول سکتی ہے۔ تاریخ انسانی ان المیوں اور رسوائیوں اور ایک ساتھ ہنسانے اور رلانے والے واقعات سے بھری ہوئی ہے اور مشرق و مغرب میں آج بھی بہت سی قومیں انہیں طالع آزما ستم ظریف قائدین کے رحم و کرم پر زندگی گزار رہی ہیں، جو اس سے کھیلتے، اسے گیند کی طرح لڑھکاتے اور اس پر ہر روز نئے تجربے کرتے رہتے ہیں، اور پھر خود ہی ان تجربات کی غلطی و ناکامی کا اعتراف بھی کرتے ہیں اور کبھی ان سے اقتدار حاصل کرنے والا اور ان کا جانشین انہیں رسوا کرتا اور ان کے کرتوتوں سے پردہ اٹھاتا ہے، اور کبھی انہیں تاریخ محفوظ کردیتی اور آنے والی نسلیں ان سے واقف ہوجاتی ہیں۔

غلطیوں سے پاک انبیاء علیہ السلام کی ضرورت:

ان ناکام تجربوں اور غلط نتائج کی زد سے عقائد و ایمانیات بھی محفوظ نہیں رہے، جن پر حسن انجام، دنیا کی سعادت اور آخرت کی نجات کا دارو مدار ہے، اور جو صحیح اخلاق، صالح تہذیب، بندے کو خدا سے ملانے والی عبادات، اور شریعتوں کی تشکیل و تکمیل کرتے ہیں، اور جن میں کسی غلطی کی تلافی بہت مشکل بلکہ ناممکن ہوتی ہے، اس لئے ایسے قائدین کی ضرورت پیدا ہوئی جو امانت دار، گمراہیوں اور غلطیوں سے پاک، ہر لالچ اور نفع اندوزی اور مادی معاوضہ کی خواہش سے بری ہوں، جو خواہشات سے مغلوب اور جذبات سے متاثر نہ ہوتے ہوں، جو اپنی رائے اور ناقص معلومات، محدود تجربوں اور ذاتی مصلحتوں کے ماتحت کوئی فیصلہ نہ کرتے ہوں اور جب ان سے کبھی کوئی اجتہادی غلطی ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کی تنبیہ کے بعد وہ ان غلطیوں پر قائم اور مصر نہ رہتے ہوں۔

امانت داری اور اخلاص:

اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ ہر مبعوث ہونے والا نبی اپنی امت کو اپنی امانت داری اور اخلاص و بے غرضی کا پورا یقین دلاتا ہے، سورہ شعراء میں ایک ایک نبی کی زبان سے جو وضاحت

فرمائی گئی ہے اور جو یقین دلایا گیا ہے، اسے پڑھئے۔

(۱). کذبت قوم نوح المرسلین اذ قال لھم اخو ھم نوح الا تتقون. انی لکم رسول امین. فاتقو ا اللہ و اطیعون. وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین.

قوم نوح نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں، میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور اس کام کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو رب العالمین ہی پر ہے۔

۲. کذبت عاد ن المرسلین. اذ قال لھم اخوھم ھودا لا تتقون. انی لکم رسول امین. فاتقو اللہ و اطیعون. وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علیٰ رب العلمین.

عاد نے بھی رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی ہود علیہ سلام نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں، کیوں نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں تو خدا سے ڈرو اور میری بات مانو۔ اور میں اس خدمت کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا، میرا معاوضہ تو جہانوں کے پروردگار کے پاس ہے۔

(۳). کذبت ثمود ن المرسلین. اذ قال لھم اخوھم صالح الا تتقون. انی لکم رسول آمین. فاتقو اللہ و اطیعون. وما اسئلکم علیہ من آجر ان اجری الا علی رب العلمین.

قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں تو خدا سے ڈرو اور میری بات مانو اور میں اس خدمت کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا معاوضہ تو جہانوں کے پروردگار کے پاس ہے۔

(۴). کذبت قوم لوط ن المرسلین. اذ قال لھم اخو ھم لوط الا تتقون. انی لکم رسول آمین فاتقوا اللہ و اطیعون. وما اسئلکم علیہ من اجران اجری الا علیٰ رب العلمین.

قوم لوط نے رسولوں کی تکذیب کی جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم تقویٰ

کیوں نہیں اختیار کرتے، میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں تو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اپنے اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو جہانوں کے پالن ہار ہی کے ذمہ ہے۔

(۵). کذبت اصحاب الایکتہ المرسلین اذ قال لھم شعیب الا تتقون انی لکم رسول آمین فاتقوا اللہ واطیعون. وما اسئلکم علیہ من اجران اجری الا علی رب العلمیں.

ایکہ والوں نے رسولوں کی تکذیب کی جب ان سے شعیب علیہ السلام کہا تم ڈرتے کیوں نہیں میں تمہارے لئے ایک امانت شعار رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میری باتیں مانو اور میں تم سے اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا اجر تو جہانوں کے پالنے والے پر ہے۔

یہ مقصد کی وحدت جو مختلف امتوں اور مختلف زمانوں کے انبیاء کے بارے میں مشترک ہے اپنے اندر بڑے عمیق معنی رکھتی ہے، لفظ امانۃ ایسا جامع لفظ ہے، جو صداقت وحی خداوندی کو صحت کے ساتھ قبول کرنے، صحت کے ساتھ امت تک پہنچانے کے معانی پر مشتمل اور رسالت ونبوت کے نظام کا رکن اساسی ہے، عربی زبان میں اس مقصد کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور جامع وبلیغ لفظ نہیں۔

یہ حکمت الہیٰ کا تقاضا تھا کہ رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے ہی اس صفت کے ساتھ شہرت پائی، اور مکہ کے امیوں کے دل میں خود بخود یہ بات آ گئی کہ وہ آنحضرت کو صادق وامین کے معزز لقب سے پکاریں۔

اسی طرح اخلاص، بے غرضی، ہر قسم کی لالچ اور ہر قسم کے شخصی یا اولاد وا قارب کو حاصل ہونے والے نفع سے پرہیز انبیأ ء کا شعار ہے۔ اور یہ فطرت سلیم اور عقل مستقیم کا تقاضا ہے کہ ایسے بے غرض وخیر خواہ داعیوں سے محبت کرے اسی لئے حضرت صالح علیہ السلام نے افسوس و تعجب سے کہا تھا۔

یاقوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی و نصحت لکم ولکن لا تحبون النٰصحین.

اے قوم میں نے تم تک اپنے رب کا پیغام پہنچادیا اور تمہاری خیر خواہی کرتا رہا لیکن اس کا کیا علاج کہ تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔

اور اس فرستادہ نے کہا جو شہر کے کنارے سے آیا تھا۔

یاقوم اتبعوا المرسلین اتبعوا من لا یسئلکم اجرا و ھم مھتدون

اے قوم رسولوں کی اتباع کرو ان کی اتباع کرو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

اسی معنی کی وضاحت حضرت موسی علیہ السلام فرعون کے سامنے کی تھی۔

وقال موسیٰ یا فرعون انی رسول من رب العلمین حقیق علیٰ ان لا اقول علی اللہ الا الحق قد جئتکم ببینۃ من ربکم فارسل معی بنی اسرائیل .

موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین کا رسول ہوں (اس لئے) میرے لئے یہ ضروری ہے کہ میں خدا کے بارے میں حق ہی کہوں میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل لے کر آیا ہوں اس لئے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دو۔

امت کے لئے تحفظ اور ضمانت:

انبیاءؑ کی عصمت، امانت، اور بے لوثی ان کی امتوں کے مذاہب وعقائد کی حفاظت و دیانت کی ضمانت اور غیر قوموں کی لائی ہوئی آزمائشوں کے مقابلہ میں ایک پناہ گاہ ثابت ہوئی جس کے سبب وہ شبہات میں مبتلا ہونے اور انبیاءؑ کے کارناموں اور ان کے نتائج کے بارے میں شک وحیرت سے بچ گئے۔

عصمت انبیاءؑ کی حقیقت:

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ) اپنی بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ہادیان طریقت وبانیان ملت یعنی انبیاءؑ کے ضروری صفات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

”پھر اس دنیا میں نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ برسر عام یہ ثابت کرے کہ وہ نبوت کا رمز

آشنا ہے اور وہ جو تعلیم دے رہا ہے، اس میں غلطی اور گمراہی سے پاک ہے، اور اس سے بھی بری ہے کہ اصلاحی کام کا کچھ حصہ لے لے اور کچھ ضروری حصہ ترک کردے جس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ نبی اپنے سے سابق نبی کا راوی ہو جس کے کمال وعصمت پر وہ متفق ہوں اور یہ روایت اس قوم میں محفوظ ہو، تو اس طرح سے وہ نبی اپنی قوم کے معتقدات پر مواخذہ کرسکتا ان پر حجت قائم اور انہیں لاجواب کرسکتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے ان کے متفق علیہ نبی ہی کی طرف سے کہہ رہا ہے۔

بہر حال لوگوں کے لئے ایک معصوم اور متفق علیہ شخص کی ضرورت ہے، جو ان میں موجود ہو یا جس کی روایت محفوظ ہو اور ایمان وانقیاد اس کی تفصیلات اور منافع اور اسی طرح گناہوں اور انکے نقصانات کا علم دلیل و برہان اور اس دنیاوی عقل کے ذریعہ (جس سے روزمرہ کی زندگی کا کام چلایا جاتا ہے) اور حواس سے نہیں ہوتا بلکہ ان امور کی حقیقت، وجدان ہی پر کھلتی ہے، جیسے بھوک، پیاس، گرم یا ٹھنڈی دواؤں کا ادراک وجدان ہی سے ہوتا ہے ویسے ہی روح کی موافق اور ناموافق چیز کا علم ذوق سلیم ہی سے ہوتا ہے۔

اور انبیاءؑ کا خطا سے معصوم ہونا اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ضروری علم ویقین کی وجہ سے ہوتا ہے جس کے سبب نبی سمجھتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے جو چیز پا رہا ہے، اور سمجھ رہا ہے، وہ حقیقت کے عین مطابق ہے اور اسے ایسا یقین ہوتا ہے گویا کوئی حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور دیکھتے وقت اپنی آنکھوں کو غلط بیں نہیں سمجھ رہا ہے یا نبی کا علم کسی ماہر زبان کے کسی لفظ کے متعین معنی کو سمجھنے سے مشابہ ہوتا ہے مثلاً ایک عرب کو کبھی یہ شک نہیں ہوگا کہ لفظ "ماء" پانی کے لئے بنا ہے، اور لفظ "ارض" زمین کے لئے حالانکہ اس سلسلے میں نہ اس کے پاس کوئی دلیل ہوتی ہے، نہ لفظ ومعنی میں کوئی عقلی لزوم ہی ہوتا ہے، اس کے باوجود اسے یہ علم ضروری حاصل ہوتا ہے اور اکثر حقائق کے بارے میں نبی کو ایک فطری بلکہ حاصل ہوجاتا ہے جس کے ذریعہ اسے ہمیشہ صحیح طریقے سے علم وجدانی حاصل ہوتا ہے اور اسے اپنے وجدانی تجربے کی صداقت کا مشاہدہ اکثر ہوتا رہتا ہے۔

اور لوگوں کو اس کی عصمت کا یقین نبی کی عقلی اور خطابی دلیلوں سے ہوتا ہے کہ اس کی دعوت اور اس کی سیرت ایسی صالح ہے، جہاں کذب کا گذر نہیں اور کبھی اس کے خدا کے قریب

ہونے کا بھی مشاہدہ انہیں معجزات اور اس کی دعاؤں کی مقبولیت سے ہوجاتا ہے، یہ اس لئے ہوتا ہے تاکہ انہیں نبی کی عظیم دعوت کی عظمت کا احساس ہوجائے اور وہ یہ جان لیں کہ وہ ملائکہ سے رابطہ رکھنے والے نفوس قدسیہ میں سے ہے، اور یہ کہ اس جیسا شخص اللہ کے بارے میں جھوٹ نہیں گڑھ سکتا، اور نہ کوئی گناہ کرسکتا ہے، پھر اس کے بعد کچھ باتوں سے اور اعتماد پیدا ہوتا ہے اور وہ انہیں اور قریب لے آتی ہیں اور نبی کو قوم کے مال و اولاد اور پیاسے کے لئے پانی سے زیادہ عزیز بنادیتی ہیں۔

اور یہ سب باتیں وہ ہیں جن کے بغیر کوئی امت کسی نبی کے مخصوص رنگ میں نہیں رنگ سکتی، اسی لئے ان جیسی عبادتوں میں مشغول اشخاص ایسے سے تعلق پیدا کرتے ہیں جس میں یہ باتیں پاتے ہیں۔

انبیاء اطاعت کے حقدار ہوتے ہیں:

وہ مبارک جماعت جس کی عصمت اور صحت علم کی یہ شان اور جس کی امانت واخلاص اور بے غرضی کا یہ مقام ہو، اور اسے اللہ تعالیٰ نے اعتدال وسلامت روی کے ایسے قالب میں ڈھالا ہو اور اس کی تعلیم وتربیت کا بہترین انتظام کیا ہو ولتصنع علی عینی۔ (تاکہ تو میرے سامنے تیار کیا جائے (انا اخلصنا هم بخالصة ذکری الدار و انهم عندنا لمن المصطفين الا خيار (انہیں ہم نے اپنے گھر کے ذکر کے لئے مخصوص کردیا اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور پسندیدہ لوگوں میں تھے) جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہو وہ عقل ذوق ومنطق ہر لحاظ سے طاعت واقتداء، اور تقلید واتباع کی مستحق ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور ان کی صلاحیت وہدایت اور اہل دنیا کے مقابلے پر فضیلت کتاب، سلطنت اور نبوت دیئے جانے کا ذکر کرنے کے بعد کہا۔

اولئک الذین هدى الله فبهدا هم اقتده .

یہی وہ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے تو آپ ان کی سیرت کی اتباع کیجئے۔

لطف وعنایت کے سزاوار:

انبیاء علیہم السلام مورد عنایات الٰہی اور مرکز الطاف وتوجہات ہوتے ہیں، ان کے اخلاق و عادات، اوران کی زندگی کے طورطریق سب خدا کی نظر میں محبوب، زندگی کے طریقوں سے ان کا طریقہ حیات لوگوں کے اخلاق میں ان کا اخلاق، اورلوگوں کی گوناگوں عادتوں میں ان کی عادتیں اللہ کے نزدیک پسندیدہ بن جاتی ہیں۔

ایک منزل کومختلف راستے جاتے ہیں وہ سب راستے ایک ہی جگہ پہنچتے ہیں لیکن انبیاء جس راستہ کو اختیار کرتے ہیں وہ رستہ خدا کے یہاں محبوب بن جاتا ہے اور اس کو دوسرے راستوں پر ترجیح حاصل ہو جاتی ہے صرف اس وجہ سے کہ انبیاءؑ کے قدم اس راستہ پر پڑے ہیں، (۱) ان کی تمام پسندیدہ چیزوں اور شعائر اوران سے نسبت رکھنے والی چیزوں سے اللہ کی محبت وپسندیدگی متعلق ہوجاتی ہے، اوران کی تقلید واتباع اوران کے شعائر اور خصوصیات کو اپنانا اوران جیسا اخلاق پیدا کرنا، اللہ کی محبت کو پانے کا مضبوط طریقہ اور قریب وآسان راستہ ہوجاتا ہے، اور جوان کی اتباع کرتا اوران جیسا بنتا ہے، وہ خدا کے محبوں ہی میں نہیں بلکہ محبوبوں میں ہو جاتا ہے، اس لئے کہ دوست کا دوست، دوست اور دشمن کا دوست دشمن سمجھا جاتا ہے، یہ سنن وعادات الٰہیہ میں سے ہے، جو زمان ومکان کے انقلابات سے بدلتے نہیں، اور جن کی دعوت علانیہ دی گئی ہے، چنانچہ خاتم النبین صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلایا گیا۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم۔

کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہوتو میری اتباع کرو، خدا تم سے محبت کرے گا اور تمہارے حق میں تمہارے گناہ معاف کردے گا اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور غیر معمولی رحمت والا ہے۔

---

(۱) کسی شاعر نے اس مضمون کو رسول اللہ کو خطاب کرکے بڑے خوبی سے ادا کیا ہے: سرسبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو۔

اس کے برعکس ظالموں اور کافروں کی طرف میلان اور ان کے طریقوں کی ترجیح اور ان کی مشابہت اللہ کی غیرت کو حرکت میں لانے والی اور اس سے بندے کو دور کرنے والی بتائی گئی۔

ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار ومالكم من دون الله من اولياء ثم لا تنصرون.

اور ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا کہ تمہیں آگ کا عذاب پکڑ لے اور خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست نہ ہو اور تمہاری مدد نہ کی جاسکے۔

بعض عادات واطوار کی فضیلت کا راز اور شعائر اللہ کی حقیقت:

ان پیغمبرانہ عادات واطوار کا نام شریعت کی زبان میں خصال فطرۃ (فطری عادتیں) اور "سنن الہدیٰ" (ہدایت کے طریقے) ہے جس کی شریعت حمایت کرتی اور لوگوں کو انہیں اپنانے کے لئے آمادہ کرتی ہے۔ یہ تمام اخلاق و عادات لوگوں کو انبیاؑ کے رنگ میں رنگتے ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔

صبغة الله ومن احسن من الله صبغته ونحن له عابدون

یہ اللہ کا رنگ ہے اور اللہ کے رنگ سے بڑھ کر کون رنگ ہوسکتا ہے اور ہم اس کے عبادت گذار ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی ایک عادت کو دوسری عادت، ایک اخلاق کو دوسرے اخلاق، ایک طور و طریق کو دوسرے طور طریق پر ترجیح دینے کا یہ راز ہے، اور یہی وہ راز ہے جسے شریعت اسلامی اہل ایمان کا شعار بتاتی ہے، اور اسے فطرت کے مطابق طریقہ اور اس کے خلاف طریقوں کو انحراف اور جاہلوں اور کم عقلوں اور کافروں کا شعار کہتی ہے، ان دونوں میں یہی فرق ہے کہ ایک انبیاؑ، ان کی پسندیدہ عادات کی نقل اور دوسرا اہل کفر، جاہلی عادات اور شیطان اور اس کے مقلدوں کی مشابہت وشعار ہے۔

اور اس اصل کے تحت کھانے پینے، لباس و زینت، رہنے سہنے اور تمدن کے بہت سے مبادی آجاتے ہیں، اور یہ سنت نبوی و فقہ اسلامی کا ایک وسیع باب ہے۔

داہنے ہاتھ کو بائیں پر کیوں فضیلت ہے، اور اچھے کام: کھانا پینا، اور کسی اہم چیز کا لینا اور

دینا اور ہر عزت کی چیز اسی سے کیوں متعلق ہے، اور بایاں ہاتھ استنجاء اور دوسری ذلیل چیزوں کے لئے کیوں مخصوص ہے؟ حالانکہ دونوں انسان ہی کے ہاتھ ہیں، اور دونوں ہی خدا کی مخلوق اور اس کی صنعت ہیں، اور بہت سی جاہل قومیں اور انبیاء کی تعلیم و تربیت سے بے خبر امتیں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتیں اور نہ اس وضع کی پابند ہیں بلکہ ایک کو دوسرے کے کام کے لئے استعمال کرتی رہتی ہیں۔

اس کا سبب اس کے سوا کوئی اور نہیں کہ انبیاءؑ عام طور پر اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خاص طور پر ایسا خدائی الہام کے ماتحت یا اپنی فطرت سلیم کے تقاضے سے کرتے تھے جو ہمیشہ خدا کے پسندیدہ اخلاق و عادات کے مطابق اور ان سے ہم آہنگ ہوتی ہے اور داہنے سے شروع کرنا اور اسے ترجیح دینا قابل تعریف اور فطرت سلیم کے مطابق، اور اسلامی تہذیب کی خصوصیت کیوں ہے؟ یہ اسی لئے ہے کہ یہ انبیاءؑ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو حتی الامکان اپنے تمام کاموں میں داہنے سے شروع کرنا پسند تھا، وضو کرنے یا صفائی میں اور کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں۔

كان النبى صلى الله عليه وسلم يحب التيامن ما استطاع شانه كله فى طهوره وترجله وتنعله.

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حتیٰ الامکان ہر کام میں داہنی جانب سے شروع کرنے کو پسند کرتے تھے، یہاں تک کہ طہارت کنگھی کرنے اور جوتا پہنے میں بھی۔

اسی پر طہارت اور ان تمام فطری عادتوں کو قیاس کیا جاسکتا ہے جو حدیث میں سیدنا ابراہیمؑ کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

انبیاءؑ ایک خاص تہذیب وطرز حیات کے بانی:

انبیاءؑ نے صرف عقیدہ و شریعت اور صرف ایک نئے دین ۔۔ اسلام ۔۔ ہی کی دعوت نہیں دی بلکہ وہ تہذیب و تمدن، اور نئے طرز حیات کے بھی بانی ہوتے ہیں جو ربانی تہذیب کہلانے کی مستحق ہوتی ہے، اس تہذیب کے کچھ مخصوص اصول و ارکان اور شعائر و علامات ہیں، جن کے ذریعہ وہ دوسری تہذیبوں اور جاہلی تمدنوں سے نمایاں طور سے ممتاز ہوجاتی ہے یہ امتیاز

روح اور اصل واساس میں بھی نمایاں ہوتا ہے اور تفصیلات ومظاہر میں بھی۔

ابراہیمی محمدی تہذیب:

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اس خداپرست تہذیب کے بانی وامام تھے جس کی بنیادیں خدا کی توحید اس پر ایمان اور اس کے ذکر، فطرت مستقیم اور قلب سلیم اللہ تعالیٰ کے لحاظ وتقویٰ نوع انسانی پر رحم اور ذوق سلیم پر رکھی گئی ہیں۔

ابراہیمی اخلاق وطرز حیات اس تہذیب کی رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔ جس کے بارے میں کہا گیا ہے۔

ان ابراھیم لحلیم اواہ منیب

ابراہیم بڑا شریف وحلیم، نرم دل اور خدا سے رجوع کرنے والا تھا۔

ان ابراھیم لاواہ حلیم

ابراہیم یقیناً بڑا نرم دل، اور بڑا شریف وبردبار تھا۔

حضرت ابراہیمؑ ایک طرف اس تہذیب کے بانی وموسس تھے، اور دوسری طرف جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو ان کے نسلی وارث بھی تھے، اس تہذیب کے مجدد اور مکمل تھے، جنہوں نے اس تہذیب میں ازسرنو جان ڈال دی اور اس میں بقائے دوام کا رنگ پیدا کر دیا، اور اس کے اصول وارکان اس طرح مضبوط کئے کہ اسے ایک دائمی اور عالمگیر تہذیب کی شکل دے گئے۔

اس تہذیب کی خصوصیات وامتیازات:

یہ ابراہیمی محمدی تہذیب شرک وبت پرستی سے قطعاً ناآشنا ہے، اور اسے کسی رنگ میں اور کسی مقام اور زمانے میں اپنانے کے لئے تیار نہیں، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی ایک بڑی دعا اور ان کی آرزو یہ تھی کہ:

واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام

اور اے خدا مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچا کہ ہم بتوں کو پوجنے لگیں اور ان کی خاص

وصیت اور امتوں اور افراد کو یہ دعوت تھی کہ:

فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفآء لله غیر مشرکین.

گندگی یعنی بتوں سے بچتے رہو اور جھوٹ کہنے سے بچو، خدا کے لئے خالص ومخلص ہوکر اوراس کے ساتھ کسی کو شریک کئے ہوئے بغیر۔

یہ تہذیب حظ نفس اور خواہشات نفسانی پر ٹوٹ کر گرے، دنیا کی بے مایہ وحقیر سامان پر ریجھنے، اور مادہ کے مردار پر کتوں کی طرح غرانے اور جھگڑنے، اور عہدوں اور حکومتوں کے لئے لڑنے مرنے کا نام نہیں جانتی، یہ تو وہ دعوت ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ:

تلک الدار الآخرة نجعلها للذین لایریدون علوا فی الارض ولا فسادا. والعاقبة للمتقین.

یہ آخرت کا گھر ہے جسے ہم انہیں کو دیتے ہیں جو زمین میں بڑا بننے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ فساد مچاتے ہیں اور انجام بخیر تو متقیوں ہی کا ہوتا ہے۔

یہ تہذیب انسان، انسان میں فرق کرنا نہیں جانتی اور نہ رنگ ونسل و وطن کا بھید بھاؤ پیدا کرتی ہے۔

فالناس کلهم آدم و آدم من تراب لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی الا بالتقویٰ یا یها الناس انا خلقنکم من ذکر و انثیٰ وجعلنکم شعوباً وقبآئل لتعارفوا ان اکرمکم عندالله اتقاکم.

سب لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں آدمؑ مٹی کے بنے تھے، عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے لحاظ سے۔ اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد وعورت سے پیدا کیا اور تمہیں گروہوں اور قبیلوں میں بانٹا کہ ایک دوسرے کو پہچانو تم میں سے خدا کے نزدیک معزز تم میں کا متقی شخص ہے۔

ا۔ حضرت خاتم المرسلین ﷺ نے فرمایا۔

لیس منا من دعاء الی عصبیة ولیس منا من قاتل علی عصبیته ولیس منامن مات علی عصبیة.

وہ ہم میں سے نہیں جس نے جاہلی، جتھابندی کی دعوت دی، اور جو جاہلی جتھابندی کے لئے لڑا اور جو جاہلی جتھابندی کے پیچھے مرا۔

اور انصار و مہاجرین کی دہائی دینے والوں کو سرزنش فرمائی۔

دعوها فانها منتنة .

اس عصبیت کو ترک کردو یہ گندی اور مردار ہے

یہ وہ تہذیب ہے جس کا شعار اور طغرائے امتیاز عقائد کے دائرہ میں توحید معاشرت کے میدان میں مساوات انسانی اور احترام آدمیت، اخلاق کے بارے میں خدا کا خوف، اس سے حیا، اور تواضع وانکسار ہے، میدان عمل میں آخرت کی جدوجہد اور اللہ کے راستے میں جہاد، میدان جنگ میں رحم کا جذبہ اور حدود کی پابندی اس کی خصوصیت ہے،

یہ تہذیب حکومت کے طور وطریق اور نظم ونسق میں مالی مفاد پر دینی مفاد کو تحصیل وصول اور اضافہ آمدنی پر ہدایت کو نفع اٹھانے سے زیادہ نفع پہنچانے، خدمت لینے سے زیادہ خدمت کرنے کے اصول کو ترجیح دیتی ہے، یہ تہذیب تاریخ میں اپنی مخلصانہ انسانی خدمت اور انسانیت کو جاہلیت کے چنگل اور سرکش وگمراہ دعوتوں سے نجات دلانے اور صفحہ عالم پر اپنی دلکشا یادگاروں اور اپنی پھیلائی ہوئی برکتوں کے لئے نیک نام اور زندہ جاوید ہے۔

یہ تہذیب اللہ کے نام اور اس کے ذکر وفکر کے خمیر سے تیار ہوئی ہے، اور خدائی رنگ میں رنگی ہوئی اور ایمان کی بنیادوں پر تعمیر ہوئی ہے، اس لئے اسے اس کے دینی رنگ سے جدا کرنا کسی طرح ممکن نہیں اور نہ ربانی رنگ اور ایمانی آہنگ سے اس کی علیحدگی ممکن ہے۔

انبیاءؑ کی اطاعت وتقلید پر قرآن کا زور:

قرآن مجید جگہ جگہ انبیاء کی اتباع، ان کی سیرت کو اپنانے اور ان کے طرز پر زندگی گزارنے اور حتی الامکان ان کی مشابہت اختیار کرنے پر زور دیتا اور کہتا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنة لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاخر وذکر اللہ کثیرا.

بے شک تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ عمل ہے، اس شخص کے لئے

جو اللہ اور یوم آخرت سے پر امید ہے، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔

وہ مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ برابر دعا مانگتے رہیں کہ:

اھدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔

اے خدا ہمیں سیدھی راہ دکھا، ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا ہے نہ کہ ان کی راہ جو تیرے مغضوب ہیں اور نہ گمراہوں کی راہ۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا کے انعام سے سرفراز بندوں کے سرگردہ انبیاء اور رسول ہی ہیں، اس دعا کو نماز میں بھی شامل کر دیا گیا جب بھی انسان اس دعا کے قوانین کی پیروی اور ان انعام یافتہ بندوں کی سیرت وصورت میں مشابہت کرے گا تو خدا سے قریب اور اس کے نزدیک معزز ہوگا۔

انبیاءؑ کا احترام اور ان سے محبت:

قرآن انبیاء کے لئے اس اعزاز واحترام اور توقیر واکرام کا طالب ہے جو قلب کی گہرائیوں کی پیداوار ہو، اور ان سے جذباتی لگاؤ اور محبت پیدا کرنا چاہتا ہے، اور صرف ان کی اس اطاعت پر راضی نہیں جو جذبات، محبت اور تعظیم سے خالی ہو جیسے کہ رعایا کا بادشاہ کے ساتھ اور دوسرے فوجی وسیاسی لیڈروں کے عوام کا ایک رسمی تعلق ہوتا ہے، قرآن مومن سے زکوۃ وصدقات کے محض فرائض کی ادائیگی اور احکام کی ضابطہ کی تعمیل کو کافی نہیں بلکہ اس کا مطالبہ یہ بھی ہے۔

لتؤمنو باللہ ورسو له و تعزروہ وتوقروہ

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اس کی مدد کرد اور اس کی عزت وتعظیم کرو۔

فالذین امنوا به وعزروہ

جو اس رسول پر ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی مدد کی۔

اسی لئے اس نے ہر اس چیز کا حکم دیا جس میں ان کی عزت وحرمت کی حفاظت ہوتی ہو، اور ہر اس چیز سے منع کیا جس سے ان کی بے ادبی ہوتی ہو اور جس سے ان کی عزت مجروح، ان

کی شان گھٹتی، اور ان بڑائی کم ہوتی ہو۔

یآیھا الذین امنوا لاترفعو اصواتکم فوق صوت النبی ولاتجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون O ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوٰی لھم مغفرۃ واجر عظیم.

اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی کی آواز کے مقابلے پر بلند نہ کرو اور نہ اسے اس طرح پکارو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو مبادا تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ جو لوگ رسول اللہ کی مجلس میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں وہی وہ ہیں جن کے دل اللہ نے تقویٰ کے لئے پرکھ لئے ہیں انہیں کے لئے مغفرت اور بڑا ثواب ہے۔

لاتجعلو دعآء الرسول بینکم کدعآء بعضکم بعضاً.

اپنے درمیان رسول کے بلانے کو ایک دوسرے کے بلانے کی طرح مت بناؤ۔

اسی لئے نبی کی وفات کے بعد امت پر ان کی ازواج حرام کردی گئیں۔

وما کان لکم اٰن تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا ان ذالکم کان عند اللہ عظیما

تمہیں اس کی اجازت نہیں کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ تم ان کی بیویوں سے اس کے بعد نکاح کرو یہ بات خدا کے نزدیک بہت ہی اہم ہے۔

اس کے علاوہ بہت سے صریح نصوص میں رسول کی محبت اور اپنی جان مال اور آل واولاد کے مقابلے پر ترجیح کا مطالبہ کیا گیا ہے، صحیحین میں ہے۔

لا یؤمن أحدکم حتی اکون أحب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین.

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے لئے اس کے باپ اس کے لڑکے اور تمام لوگوں کے مقابلے پر زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

طبرانی معجم کبیر اور اوسط میں ''من نفسہ'' کے الفاظ کا اضافہ ہے، یعنی اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہوں۔

اور اسی طرح فرمایا گیا۔

ثلاث من کن فیه وجد بهن حلاوة الایمان من کان الله ورسوله أحب أليه مما سواهما الخ

جس میں تین باتیں ہوں وہ ایمان کی حلاوت پا سکا ہے، ایک وہ جس کے لئے اللہ اور اس کا رسول اوروں سے بڑھ کر محبوب ہوں۔

جذبہ محبت کی تاثیر اور طاعتِ رسول ﷺ میں صحابہؓ کی فنائیت کا راز:

رسول ﷺ کی مخلصانہ اور مکمل اطاعت، نبوی اخلاق کو اپنانا، شریعت کو خواہشات نفس اور رسم ورواج و عادات پر ترجیح دینا، اور دعوت اسلامی کی راہ میں جانی و مالی فداکاری، بغیر اس دلی محبت کے جو دل کی گہرائیوں میں موجود ہو اور انسان کے عقل و دل و نگاہ پر محیط و مستولی ہو ممکن نہیں، اسی لئے فرمایا گیا۔

قل ان کان اباؤکم وابناؤکم واخوانکم و ازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموها وتجارة تخشون کسادها ومساکن ترضونها احب الیکم من الله ورسوله وجهاد فی سبیله فتربصوا حتی یاتی الله بامره والله لایهدی القوم الفسقین۔

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے، اور بھائی بیویاں اور خاندان اور اپنا جمع کردہ مال، اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری سے ڈرتے ہو اور وہ گھر جنہیں پسند کرتے ہو اللہ اس کے رسول اور اس کے راستے میں جہاد سے زیادہ عزیز ہے تو انتظار کرو کہ خدا اپنا فیصلہ لائے اور خدا فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اسی لئے صحابہ کرامؓ رسول ﷺ کی اطاعت کے حریص، اس کی طرف لپکنے والے اس میں نشاط محسوس کرنے والے اور اس پر صبر کرنے والے تھے، اور اسی لئے انہیں اس باب میں ہمیشہ سبقت و خصوصیت حاصل رہے گی، حضرت صدیق اکبرؓ ایسے ہی لوگوں میں تھے، ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی، اور آپ کی صحت و زندگی کو اپنی صحت زندگی پر ترجیح دیتے تھے، چنانچہ عتبہ بن ربیعہ نے ان کے چہرے پر پھٹے ہوئے جو

توں سے پیہم ضربیں لگائیں اور سینے پر سوار ہو کر اسقدر زدوکوب کیا کہ چہرے کے اعضاء وخد وخال کی تمیز مشکل ہوگئی ان کے قبیلہ بنوتیم کے لوگ اس حال میں انہیں ایک کپڑے میں ڈال کر اٹھالائے ان کی موت میں کسی کو شبہ نہ تھا۔ مگر جب دن چھپے انہیں ہوش آیا تو سب سے پہلے یہی پوچھا کہ رسول اللہ خیریت سے ہیں؟ اور جب انہیں اطمینان دلایا گیا کہ آپؐ بخیریت ہیں، تب بھی انہیں اطمینان نہ ہوا اور انہوں نے کہا۔

ان اللہ علی ان لاذوق طعاماً ولا اشرب شرابا اواتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

مجھے خدا کی قسم ہے کہ میں اس وقت تک کھانے پانی کو ہاتھ نہ لگاؤں جب تک کہ رسول خداؐ کے دیدار سے اپنی آنکھیں روشن نہ کرلوں۔

ایسے ہی جانثاروں اور عاشقوں میں وہ انصاری خاتون تھی جس کو غزوۂ احد کے موقع پر اس کے قریب تین عزیزوں، باپ، بھائی اور شوہر کی شہادت کی خبر دی جاتی رہی مگر اس نے ان سب کو نظر انداز کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت پوچھی اور لوگوں نے آپ کی خیریت بتائی تو اس نے زیارت کے بعد کہا **کل مصیبة بعدک جلل** ۔ آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ ہے۔

ایسے ہی فدائیوں میں عبداللہ بن عبداللہ بن ابی تھے، جنہوں نے اپنے والد کو یہ کہتے سنا کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو معزز، ذلیل کو نکال دے گا، وہ مدینہ کے دروازے پر باپ کے مقابلے پر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ کیا تم ہی نے ایسا کہا تھا؟ بخدا تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ عزت تمہارے لئے ہے یا رسول اللہ ﷺ کے لئے تم مدینہ کے سائے میں اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر جا نہیں سکتے چنانچہ انہوں نے اس وقت تک اجازت نہیں دی جب تک رسول اللہ ﷺ نے اسے آنے کی اجازت نہ دے دی۔

یہ اسی جذبے کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنی جانیں اور اپنے سر ہتھیلی پر لے کر نکلے اور زندگی انہیں گراں لیکن اعزا اور وطن کو چھوڑنا اور اللہ کے رستے میں شہادت خوشگوار ہوگئی، اور اسی وجہ سے وہ غزوہ بدر کے موقع پر یہ کہہ سکے کہ:

ان امرنا تبع لامرک فو اللہ لئن سرت حتی تبلغ البرک من غمدان

لنسیرن معک واللہ لئن استعرضت بنا ھذا الجر خضنا ہ معک

ہمارا معاملہ آپؐ کے حکم کے تابع ہے، بخدا اگر آپ ﷺ برک غمد ان تک چلیں تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور بخدا اگر آپ ﷺ فرمائیں گے تو ہم اس سمندر میں آپ ﷺ کے ساتھ کود پڑیں گے۔

عالم اسلامی میں محبت کے فقدان کا نتیجہ اور زندگی پر اس کا اثر:

آج عالم اسلامی میں شریعت پر عمل کوتاہی اور طاعات سے غفلت اور نفس پر ہر گراں گزرنے والی چیز سے وحشت اور نبی ﷺ کی سنتوں کے معاملے میں نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی غفلت ،سب اسی عظمت رسول ﷺ کا احساس نہ ہونے کا نتیجہ ہے جس پر قرآن زور دیتا ہے، اس کے ساتھ ہی رسول ﷺ سے محبت کی کمی کو بھی اس میں بہت دخل ہے، یہ وہی جذبہ ہے، جو پہلے اور اب بھی حیرت انگیز قوت کا سرچشمہ، اور تاریخ میں عجائبات و معجزات کے لئے مشہور رہا ہے، اور اس جذبہ کی کمی عقل، عزم، نظام کی بڑی سے بڑی مقدار سے بھی پوری نہیں ہوسکتی اور یہ ایسا نقصان ہے جس کی تلافی کسی طرح ممکن نہیں۔

نبی ﷺ کی اطاعت و محبت ہی میں قوم کی فلاح ہے:

امتوں کی تقدیریں، ان میں بھیجے گئے رسولوں کی اتباع وانقیاد، ان کے جھنڈے تلے جمع ہونے، ان کی سیرت کو اپنانے اور عزت و ذلت ہر حالت میں ان کی رکاب سے وابستہ رہنے سے متعلق ہوتی ہیں چنانچہ کوئی امت تمام طاقتوں عقل و وسائل کے ساتھ زمانے، تہذیب، فلسفوں اور حالات و حوادث کے تمام ترقیوں کے باوجود کامیاب نہیں ہوسکتی، جب تک کہ وہ نبی ﷺ کی اتباع، اس سے محبت اور اس کی دعوت کے لئے ہر حال میں جدوجہد نہ کرے، اور جو امت بھی اس طریقے سے ہٹ کر عزت، سیادت، اور قوت و اہمیت کے حصول کے لئے اپنی دانشمندانہ سیاست یا کسی بڑی طاقت کی پشت پناہ پر بھروسہ کرتی ہے، تو اس کا انجام ذلت و ناکامی داخلی انتشار اور دیر سویر رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔

عالم اسلام اور ممالک عربیہ کے حوادث اور اسباب:

عالم اسلام عام طور پر اور عرب دنیا خاص طور پر اس حقیقت کے بہترین گواہیں ان ممالک میں جب نبی امیؐ کی اتباع گراں گذرنے لگی اور سیاسی لیڈروں کے مطالبات میں نبی ﷺ کے مطالبات سے زیادہ دلچسپی بڑھ گئی اور نبی ﷺ کی طرف نسبت سے اور ان کی غلامی کو شرف سمجھنے سے ان کو گریز ہونے لگا اور نبی ﷺ کے دین ان کے احکام اور ان کی تہذیب سے ہٹ کر ان کے اکثر ممالک قومیت و وطنیت اشتراکیت اور دوسرے جدید فلسفوں کو اپنانے لگے تو کوئی کامیابی نہ حاصل کر سکے اور نہ اپنا کوئی مسئلہ حل کر سکے بلا کسی معذرت کے ممالک عربیہ کی مثال پیش کروں، وہ اپنی وحدت کو پارہ پارہ کر چکے ہیں وہ ایک فلسطین کا مسئلہ اتنی طویل مدت میں بھی نہ حل کر سکے اور عالم اسلامی یا عالم انسانی کی صف میں کوئی باعزت مقام بھی نہیں حاصل کر سکے ہر دن ان کے لئے نئی مشکل اور نیا مسئلہ لے کر ہی آتا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے شام میں اپنے عرب ساتھیوں سے سچ کہا تھا، (جو بڑے صحابہ اور فتوحات اسلامی کے قائد تھے، اور جنہوں نے انہیں ایک بڑی حکومت کے سربراہ کی شان اختیار کرنے کو کہا تھا) **انکم کنتم اذل الناس فعزکم اللہ بالاسلام فمہما تطلبوا العز بغیرہ یذلکم اللہ۔** (۱) تم سب سے زیادہ ذلیل لوگ تھے پھر اللہ نے تمہیں اسلام کے ذریعہ عزت دی تو جب بھی تم اسلام کے بغیر عزت چاہو گے تو خدا تمہیں ذلیل کر دے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مثالی رہنما امت کی ضرورت

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد ٥فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم٥ بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

حضرات محترم! جن باتوں کی طویل انسانی تاریخ اور علم النفس اور علم الاخلاق پوری تائید کرتے ہیں ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ بلند ترین مقاصد، شریفانہ تعلیمات، اور عمل کے اعلیٰ ترین نمونے اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتے اور اگر قائم ہو بھی جائیں تو دائم و باقی نہیں رہ سکتے، جب تک کہ ان کی پشت پر ایک انسانی جماعت (بلکہ صحیح الفاظ میں ایک ایسی امت) نہ ہو، جو اس دعوت و تحریک کی علمبردار، اس کے راستے میں جدوجہد کرنے والی اور اس کا عملی نمونہ ہو۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض انبیاء علیہم السلام (چہ جائیکہ مصلحین و معلمین اخلاق اور حکمائے کبار) کی تعلیمات بھی اس وجہ سے زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہیں کہ ان کے پیچھے کوئی امت نہ تھی، جو ان کے پیغام کی ذمہ داری سنبھالتی، اس راستہ میں جاں نثاری کرتی اور اپنی زندگی، اپنے تمدن اور حکومت و معاشرہ کے ذریعہ ان کا عملی نمونہ پیش کرتی، نتیجہ یہ ہوا کہ جن علاقوں میں وہ بھیجے گئے تھے، وہاں کی زندگی ایک ایسے آب رواں کی طرح بن کر رہ گئی، جس کی سطح ایک ہوتی ہے اور وہ اقوام و قبائل جانوروں کے اس ریوڑ کی طرح ہو گئے، جن کا کوئی نگراں و نگہبان نہ ہو۔

منتخب و مامور امت:

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ محمد ﷺ آخری رسول اور خاتم النبیین ہوں، اور آپ کے بعد نہ کوئی اور نبی آئے اور نہ کوئی اور کتاب نازل ہو، تو اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو اس خطرہ سے محفوظ کر دیا اور محمد ﷺ کے ساتھ ساتھ ایک پوری امت کو بھی مبعوث کیا، گویا بعثت

محمدیہ دہری بعثت تھی، جس میں نبی کی بعثت امت کی بعثت کے ساتھ شامل تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی ایسی تعریف کی ہے (جو نبوت کے بغیر) کسی مبعوث اور مامور من اللہ ہی کی ہوسکتی ہے۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله.

تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو۔ اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

وكذالك جعلناكم امة وسطاً لتكونوا شهدآء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيداً

اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امت عادل بنادیا ہے تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور رسول گواہ رہیں تم پر۔

حدیث نبوی ﷺ میں بھی اسی طرح کے الفاظ آئے ہیں، جن میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے فرمایا:

انما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين. (صحيح بخاری)

تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو نہ کہ تنگی پیدا کرنے والے۔

بعثت و دعوت کی ذمہ داری اور اپنی ماموریت و مسئولیت کا یہ شعور و احساس صحابہ کرامؓ و تابعین عظامؒ کے دلوں میں اس وقت بھی موجزن تھا، جب ایرانی قائد جنگ رستم نے سیدنا ربعی بن عامر سے۔ (جنہیں سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے رستم کی طلب پر اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا) یہ پوچھا کہ تمہارے یہاں آنے کا محرک و مقصد کیا ہے؟ تو انہوں نے یہ مومنانہ اور داعیانہ جواب دیا کہ:

الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله وحده ، ومن ضيق الدنيا الى سعتها، ومن جور الاديان الى عدل الاسلام۔

(البدایہ والنہایۃ۔۷۔۳۹)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لئے بھیجا ہے کہ ہم جس کو وہ چاہے بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک خدا کی بندگی پر آمادہ کریں اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف اور مذاہب کے ظلم سے بچا کر اسلام کے سایہ عدل میں لائیں۔

تمدن و معاشرہ کی سطح پر صالح انقلاب کی ضرورت!

اس نقطہ نظر نے انسانیت کے مستقبل کو بیحد متاثر کیا، اور یہ لوگوں کے لئے مذاہب و تحریکات اور رجحانات کی تاریخ میں ایک نئے تجربے کی حیثیت رکھتا تھا، جس نے تاریخ میں ایک انقلاب برپا کر دیا، اس لئے کہ چھٹی صدی مسیحی عالمی صورت حال (جو تقریباً ہر زمانہ میں رہی ہے) ایسی نہ تھی کہ اس پر چند صالح افراد اثر انداز ہوتے، چنانچہ قرآن مجید خدائی غضب کے شکار یہودیوں کے درمیان بھی کچھ صالح افراد کی موجودگی کی گواہی دیتا ہے۔

لیسوا سوآء من اهل الکتاب امة قائمة یتلون آیت اللہ انا ء الیل وهم یسجدون. یؤمنون باللہ والیوم الاخر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر ویسارعون فی الخیرت واولئک من الصالحین. (آل عمران. ۱۳. ۱۱۴)

سب (اہل کتاب) یکساں نہیں (ان ہی) اہل کتاب میں ایک جماعت قائم ہے یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں، اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔

مگر ان صالح افراد کا انسانی معاشرہ اور انسانی عمل پر کوئی اثر نہ تھا، کیونکہ وہ صرف چند افراد تھے، اور قومیں افراد کو خاطر میں نہیں لاتیں، چنانچہ ہر دور و دیار میں ایسے صالح افراد رہے ہیں، اور اب بھی ہیں، جو اپنے کچھ اعمال و اخلاق اور عبادات میں دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں، لیکن جو خلاء اور مسئلہ قوموں اور نسلوں و تمدن و معاشرہ کی سطح پر ہو وہ اس وقت تک پر نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ خیر و صلاح اسوہ حسنہ اور عملی نمونہ بھی امت اور انسانی معاشرے کی سطح کا نہ ہو جو بلند ترین نبوی تعلیمات، شریفانہ اصول و اخلاق، اور مثالی انفرادی و اجتماعی عمل کی نمائندگی حکومت و سیاست، تجارت و معاملات انفرادی و اجتماعی زندگی، افراد اور جماعتوں کے

ساتھ برتاؤ اور قوموں اور حکومتوں کے ساتھ معاملات رضامندی و ناراضگی، صلح و جنگ، فقر و غنا، ہر حالت اور ہر صورت میں کرتا ہو اور اس امت و جماعت کی عام علامت اور ممتاز خصوصیت نہ بن چکا ہو۔ صحابہ کرام اور وہ مبارک لوگ جنہوں نے گہوارہ نبوت میں پرورش اور مدرسہ ایمان و قرآن میں تربیت پائی تھی، انہی مذکورہ علامات و خصوصیات کے مالک تھے۔

ایک انصاف پسند اور تاریخ عام سے واقف مغربی اہل علم نے اس طبقہ کی بڑی کامیاب تصویر پیش کی ہے، اور ان کی نمایاں و مشترک خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے، جو نبوت کا باغ تازہ اور قرآن کی فصل بہار کہلانے کا مستحق ہے، جرمن فضل کائتانی۔(caetani) اپنی کتاب ''سنین اسلام'' میں لکھتا ہے:۔

''یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقی وراثت کے سچے نمائندے، مستقبل میں اسلام کے مبلغ، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدارسیدہ لوگوں تک جو تعلیمات پہنچائی تھیں، ان کے امین تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل قربت اور ان سے محبت نے ان لوگوں کو فکر و جذبات کے ایک ایسے عالم میں پہنچا دیا تھا، جس سے اعلیٰ اور متمدن ماحول کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

درحقیقت ان لوگوں میں ہر لحاظ سے بہترین تغیر ہوا تھا اور بعد میں انہوں نے جنگ کے مواقع پر مشکل ترین حالات میں اس بات کی شہادت پیش کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے افکار کی تخم ریزی زرخیز زمین میں کی گئی تھی، جس سے بہترین صلاحیتوں کے انسان وجود میں آئے، یہ لوگ مقدس صحیفہ کے امین اور اسکے حافظ تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لفظ یا حکم انہیں پہونچا تھا، اس کے زبردست محافظ تھے۔

یہ تھے اسلام کے قابل احترام پیش رو جنہوں نے مسلم سوسائٹی کے اولین فقہاء، علماء اور محدثین کو جنم دیا۔

احتساب کائنات!

امت اسلامیہ پر عالمی نگرانی، اخلاق ورجحانات انفرادی و بین الاقوامی طرز عمل کے احتساب، انصاف کے قیام، شہادت حق، امر معروف و نہی منکر کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے اور اس

کو قیامت کے دن اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی پر جواب دہ بنایا گیا ہے:۔

یآیھا الذین امنوا کونو قوامین للہ شھداء بالقسط و لا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی و اتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون. (المائدہ.۸)

اے ایمان والو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے اور عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کرے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف ہی نہ کرو، انصاف کرتے رہو (کہ) وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ کو اس کی (پوری) خبر ہے کہ تم کیا کرتے رہتے ہو۔

اور اس امت کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی پر تنبیہ کی گئی ہے، جس کے نتیجے میں انسانیت مصیبت و مشکل میں پھنس سکتی ہے۔ اور روئے زمین پر فتنہ و فساد اور انارکی پھیل سکتی ہے، چنانچہ اس چھوٹے سے انسانی مجموعہ کو (جو مدینہ کی ابتدائی زندگی میں تھا، اور جس کی تعداد چند سو سے زائد نہیں تھی) مخاطب کرتے ہوئے اور اسے دعوت و عقیدہ کی بنیاد پر اسلامی اخوت قائم کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا:۔

الا تفعلوہ تکن فتنة فی الارض و فساد کبیر (الانفال ۷۳)

اگر یہ نہ کروگے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔

پھر کیا آج کی ملت اسلامیہ اس کی مخاطب نہیں، جس سے معمورہ عالم آباد ہے، اور جو بڑی بڑی حکومتیں اور افرادی طاقت رکھتی ہے؟ جب وہ اپنے قائدانہ دواعیانہ منصب و مقام کو خالی چھوڑ دے گی اور اپنی اجتماعی ذمہ داری (اخلاقی نگرانی اور رجحانات کے احتساب مظلوم کی حمایت اور ظالم کی مذمت و سرزش) سے منہ موڑ لے گی تو دنیا پر اس بڑی کوتاہی اور خطرناک غلطی کا کیسا برا اثر پڑے گا۔

قرآن اس امت کو اس کے داعیانہ و قائدانہ مقام، اصلاح کی ذمہ داری اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی مسؤلیت کی یاد گذشتہ اقوام کا حوالہ دیتے ہوئے اور اس کے شعور و احساس کو بیدار کرتے ہوئے یاد دلاتا ہے:۔

فلولا کان من القرون من قبلکم اولو بقیة ینھون عن الفساد فی الارض

الا قلیلا ممن انجینا منهم واتبع الذین ظلموا ما اترفوا فیه وکانو امجرمین.
پس کاش تمہارے پیشتر کی امتوں سے ایسے باشعور لوگ ہوتے جو منع کرتے ملک میں فساد (پھیلانے) سے بجز چندلوگوں کے جن کو ہم نے ان میں سے بچالیا تھا اور جولوگ (اپنی جانوں پر) ظلم کرنے والے تھے، وہ جس ناز ونعمت میں تھے، اسی کے پیچھے پڑے رہے اور (عادی) مجرم ہو گئے۔

شاعر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال نے اس حقیقت کو اپنی نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں بڑی خوبی سے پیش کیا ہے، اور صدر مجلس ابلیس کی زبان سے اس خطرہ کی نشان دہی کی ہے، جو مسلمانوں کے وجود، ان کی بیداری اور ان کی عالمی ذمہ داری سے ابلیسی نظام کو لاحق ہے، چنانچہ ابلیس اپنے مشیروں سے کہتا ہے:

توڑ ڈالیں جس کی تکبیر یں طلسم شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تابساط زندگی پر اس کے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

امت کی مسلسل ذمہ داری ونگرانی!

اس نقطہ نظر سے یہ بات لازمی ہو جاتی ہے کہ انسانی تمدن میں تاثیری عمل جاری رہے، اور وقفہ وقفہ سے اس کا از سر نو جائزہ لیا جاتا رہے، اور تخریبی اور شر پسند عناصر اور فاسد و مہلک رجحانات سے برابر اس کی حفاظت کی جاتی رہے۔

اس کے خاص طور پر دو سبب ہیں، ایک تو یہ کہ اقوام عالم صلاح وفساد کے نئے اور متضاد عناصر کے تابع اور ان سے متاثر ہوتی رہتی ہیں، اور زندگی ہر دم رواں دواں ہے، اور اس کا کارواں کہیں اور کبھی ٹھہرتا نہیں، اس لئے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اس کی سمت و رفتار کو دیکھتے رہنا اور اس کی نئی ضرورتوں کو پورا کرنا ناگزیر ہوتا ہے، افسوس کا مقام ہے کہ اس عہد اخیر میں تخریبی و مفسد تحریکوں اور فلسفوں کے زیر اثر آ کر ملت اسلامیہ، عالمی قیادت کے میدان سے الگ ہو کر گویا اپنے خول میں بند ہو کر رہ گئی ہے!

دوسرا سبب یہ ہے کہ امت اسلامیہ ہی آخری آسمانی پیغام کی حامل ایک ابدی امت اور انسانیت کی مرکز امید ہے، اس لئے اسے اپنے پیغام کو سینے سے لگائے رہنا چاہئے، اور قافلہ انسانیت کی قیادت اور دنیا کی نگرانی اور عقائد و اخلاق، اور انفرادی و بین الاقوامی تعلقات پر نظر رکھنی چاہئے، اس لئے کہ قومیں صرف تاریخ کے سہارے یا اپنی عظمت رفتہ اور گزشتہ کامرانیوں کی بدولت نہیں، بلکہ جہد مسلسل دائمی سرگرمی، مستقل احساس ذمہ داری، ہمہ دم قربانی کے لئے آمادگی، جدت وندرت اور اپنی تازہ دم اور تازہ کار قوت افادیت وصلاحیت کے بل پر زندہ تابندہ رہتی ہیں، وہ جب اپنے منصب و مقام کو چھوڑ کر گوشہ عافیت میں چلی جاتی ہیں تو تاریخ کے دفتر پارینہ کا حصہ بن جاتی ہیں، اور زمانہ انہیں طاق نسیاں پر رکھ دیتا ہے، اس لئے امت محمدیہؐ کے لئے ضروری ہے کہ وہ از سر نو اپنے دعوتی، تہذیبی اور قائدانہ کردار کے ساتھ سرگرم سفر ہو۔

(ماخوذ از: تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات)

وما علینا الا البلاغ

ایک بامقصد اجتماع

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد o
فاعوذباللہ من الشیطان الرجیم oبسم اللہ الرحمن الرحیم o

حضرات! یہ ایک بامقصد اور عالم اسلامی کے لئے بین الاقوامی حیثیت کا اجتماع بہت مناسب جگہ پر اور ایسے وقت میں ہو رہا ہے جس میں اس کی اشد ضرورت تھی جہاں تک مناسب جگہ کا تعلق ہے تو اس سے زیادہ مناسب دوسری جگہ نہیں ہوسکتی مکہ مکرمہ وہ مقدس سر زمین ہے جہاں سے انسانیت کا مہر تاباں طلوع ہوا اور بشریت کو صبح صادق نصیب ہوئی جس نے ظلمتوں کے پردے چاک کئے اور انسانیت کو ہلاکت کے مہیب غار میں گرنے سے بچالیا او راس وقت بچایا جب کہ وہ ہلاکت کے غار مس گرنے کے لئے بالکل کنارے تک پہنچ چکی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

و کنتم علی شفا حفرة من النار فانقذ کم منها ۔ (آل عمران ۱۰۳)

اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری جان بچالی۔

اور ہلاکت کے اس گڑھے تک پہچانے والی جاہلیت ہر طرف اپنے جال پھیلا چکی تھی اور عام بشریت کے طول وعرض کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی سیرت نگاروں نے لفظ جاہلیت کو صرف عربوں کے ساتھ محدود کر دیا ہے جو زمانہ رسالت سے پہلے گزرے تھی لیکن حقیقت میں وہ جاہلیت صرف عربوں کے لئے مخصوص نہ تھی وہ ایک عموی جاہلیت تھی ہر طرف اور ہر سو چھائی ہوئی جاہلیت تھی وہ جاہلیت وعقلیت پر طاری تھی فکر وخیال پر حکمراں تھی عقیدہ عمل پر حاوی تھی اس کی اثرات گہرے اور اس کی جڑیں مصبوط تھیں۔

ایسے وقت میں اسلام کی روشنی نمودار ہوئی جو عالم بشریت کے لئے صبح صادق تھی جس

سے دنیا میں اجالا پھیل گیا اس صبح صادق کا مطلع یہی سرزمین پاک ہے اس کی روشنی اور اس کی خیر و برکت کسی خاص ملت کے لیے یا کسی خاص خطہ کے لئے مخصوص نہیں تھی اس نے ساری دنیا کو نہال کیا اور مجموعی طور پر عالم بشریت اس سے فیض یاب ہوئی عقیدہ وعمل سے لے کر انداز فکر پر اثر انداز ہوئی۔

اس مؤتمر کا انعقاد بہت بروقت اور برمحل ہوا ہے نئی پلاننگ اور نئے حربوں سے اسلام کو نیست و نابود کرنے کی عمومی سازشیں ہو رہی ہیں اس کے اثرات کو محو کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں اس دین کو بے اثر کرنے اور اس سے زندگی کے آثار نا پید کرنے کے لیے نئے ہتھکنڈے ایجاد کئے جا رہے ہیں سلام اور قوانین اسلام کو زندگی سے خارج کرنیکی سازشیں بہت باریک بینی اور گہرائی سے عمل میں لائی گئی ہیں اور لائی جا رہی ہیں اس مکمل اور ہمہ جہتی پلاننگ کو بروئے کار لانے میں دو طاقتیں پیش پیش ہیں ایک مغربی طاقت اور دوسری مغربی اور جو سازش ہے اس کے تانے بانے بڑی چابکدستی چالاکی اور تیاری سے بنے ہیں عقلی و ذہنی لحاظ سے دیکھنے یا عملی لحاظ سے مفید ہے کہ مسلمان اپنی اسلامی و ایمانی عملی و اعتقادی اخلاقی وتہذیبی ورثہ سے یکسر بے تعلق ہو جائیں اور جس طرح دوسرے مذاہب ہیں اسلام بھی ایک نام کا مزہب رہ جائے اس کے آثار عجائب خانوں تک محدود رہ جائیں عملی زندگی سے اس کا کوئی سروکار نہ ہو اسلام کا عالمی تشخص ختم ہو جائے اس سازش کی سربراہی مغرب کا سب سے بڑا ملک (امریکہ) اور دنیا کی تسلیم شدہ سب سے بڑی طاقت کر رہی ہے اس کی تائید وتوثیق اور عملی وفکری تعاون کرنے میں مشرقی وایشیائی ممالک میں (اسرائیل) شریک کار ہے مغرب ومشرق ان دونوں قوتوں کا ہدف ایک ہی ہے کیوں کہ انہوں اپنے تجربات مشاہدات سے اور تاریخ کے مطالعہ سے اور قوموں کی نفسیات کے جائزوں سے ان کو یہ یقین ہو گیا ہے کہ ان کی نشاط انگیزیوں اخلاق وتہذیبی تاریکیوں کا راستہ روکنے والی اگر کوئی طاقت اس روئے زمین پر ہے تو وہ اسلام لہذا یہ مناسب ترین وقت ہے کہ ہم ان سازشوں کو سمجھیں ان کی پلاننگ کا جائزہ لیں عقل و حکمت صلاح ومشورہ سے مناسب قابل عمل اور بامقصد لائحہ عمل مرتب کریں اللہ کے فضل سے ان کے اندر جو وحدت فکر اور دین کے معاملہ میں غیرت اور جوش واخلاص ہے اس کو کام میں لا کر عملی اقدامات کے لئے تدابیر اختیار کریں۔ میں اس لحاظ سے اس موءتمر کو بہت مبارک اور بر

وقت اور برمحل سمجھتا ہوں کیونکہ یہ وقت متقاضی ہے کہ ہم دشمنوں کی چالوں کا اور اپنی وسعت عمل کا صحیح اندازہ لگائیں شدید خطرہ اور ہلاکت خیز طوفان بلا کا مقابلہ ہے اور وقت کا تقاضا ہے کہ موجودہ مسلم نسل کو اور آنے والی نسلوں کی سازشوں کا شکار نہ ہوں نے دیا جائے اور اسلام پر اعتماد بحال کیا جائے اسلام کے متعلق ان کا عقیدہ ئی قوت کے ساتھ ابھارا جائے کہ یہ دین رہتی دنیا تک کے لیے ہے اور ہر خطہ ارضی کے لیے سازگار ہے اور اسی کے ذریعہ ان سب کی نجات ممکن ہے اور نہ صرف یہ کہ اسلام کے ماننے والے ایسے ایمان وعقیدہ کیساتھ زندہ رہیں بلکہ وہ آگے بڑھ کر دنیا کی قیادت وسیادت کا حوصلہ پیدا کریں اور سمجھیں کہ ان کا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جوان کو اسلام سے دور کرنا چاہتا ہے اور دین کو ایک بے جان بے عمل خشک رسومات کا مذہب بنانا چاہتا ہے میں نے وقت کے جن خطرات کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کوئی فرضی یا رسمی بات نہیں ہے بلکہ اپنے تجربات ومشاہدات حوالات ونفسیات کو سمجھنے اور ہوا کے رخ کو الحمد للہ پہچاننے کے بعد عرض کیا ہے بہتر اجتماعات کانفرنسوں موتمرات میں شرکت اور اہل علم وفہم حضرات سے مل کر اور حالات کو سن کر اور دیکھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ یورپ امریکا اور اسرائیل کو اگر کسی سے خطرہ ہے تو وہ صرف اسلام سے ہے وہ اپنی جہانگیری قائم کرنے اور انسانیت سوز اور ظالمانہ مقاصد کی راہ میں صرف اسلام اور مسلمانوں کو مزاحم پاتے ہیں۔

میرے محدود مطالعہ کی روشنی میں جو متنوع اقسام تاریخ وعلم الاجتماع پر مشتمل ہے اسلام کے لئے اس سے زیادہ سخت زمانہ کبھی نہیں آیا جب کہ مشرق ومغرب دونوں جانب سے بلا خیز اور مہلک سازشوں کا طوفان چل رہا ہے اور یہ ممالک اسلام کی قوت ونفوذ سے اس کی اثر انگیزی سے اور اس کے فکر ساز اثرات سے خائف بلکہ لرزیدہ ہیں۔

پہلے کبھی اس درجہ اسلام کو مہیب وخطرناک نہیں سمجھا گیا تھا وہ طاقتیں جو دنیا بھر کے وسائل کو اپنی مٹھی میں بند کرنا چاہتی ہیں ان کو سب سے زیادہ خطرہ اسلام سے ہے یہ وقت ہے جب خطرہ کی گھنٹی تیز سے تیز تر ہو رہی ہے یہ وقت ہے کہ ہم بیدار ہوں خطرات کا مقابلہ کرنے کی لیے اس درجہ میں تیار ہوں جس درجہ کے یہ خطرات ہیں۔

حضرات: میں معذرت چاہتا ہوں کہ اس پروقار مجلس میں جس میں عالم اسلام کے منتخب افراد اہل دل واہل فکر اور باخبر حضرات جمع ہیں میں نے گفتگو کو طول دے دیا اور اس کا

سبب یہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ ہم آپ خطرات کی آندھیوں کا سامنا کر رہے ہیں سیاسی اقتصادی فکری ہر طرح کی یلغار کا سامنا ہے دوسرے طرف وہ طاقتیں ہیں جن کے پاس وقت کے تمام اسلحہ جمع ہیں وہ آزادانہ دبے باکانہ آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہم اللہ تعالی سے توفیق کے طالب ہیں کہ ہمیں اپنے اوپر منڈلاتے ہوئے خطرات کو سمجھنے کی توفیق دے اور خطرات کی ساعتوں میں بیداری کی توفیق ارزانی فرمائے۔

آخر میں ہم اس ملک اور اس ملک کی حکومت جو شریعت اسلام کا پاس ولحاظ رکھتی ہے اور شریعت کی سر بلندی جس کا ہدف اور نصب العین ہے کلام اللہ کی عظمت جس کا شعار ہے سنت نبویہ کو وہ مقام دینے کا جذبہ رکھتی ہی جو اس کا حق ہے اس ملک کے سایہ میں ہم اللہ سے امید رکھتی ہیں کہ یہاں سے ہمارا قدم صحیح راستہ پر صحیح منزل کی طرف متوازن انداز میں اٹھے گا اور اللہ تعالی سے دست بہ دعا ہیں کہ ہم سب کو خلوص نیت اور اخلاص عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وماذلک علی اللہ بعزیز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرزمین ہند کے دو عظیم کردار

۳۰ جون ۱۹۹۷ء کو دار العلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں طلباء و اساتذہ کے سامنے کی گئی ایک شاہکار تقریر

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، ومن تبعھم باحسان ودعا بدعوتھم الی یوم الدین، اما بعد!

میرے عزیزو! کوئی عملی بات، مخلصانہ مشورہ، ہدایت اور نصیحت انفرادی طور پر کی جاتی ہے تو اس کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے اور اثر بھی زیادہ ہوتا ہے لیکن اگر یہی باتیں جلسہ عام میں کی جاتی ہیں تو جتنا مجمع زیادہ ہوتا ہے۔ اسی اعتبار سے حصہ رسدی کم ہو جاتا ہے، اندیشہ ہے کہ آپ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ ایک عام تقریر ہے جو جلسہ عام میں کی جا سکتی تھی، کسی پبلک ہال میں کی جا سکتی تھی، ہم آپ سے سے درخواست کریں گے کہ آپ یہ نہ سمجھیں، بلکہ یہ سمجھیں کہ جیسے آپ پانچ، سات، دس آدمی ہمارے پاس آئے اور کہا کہ آپ ہمیں مشورہ دیجئے کہ ہم دار العلوم کے نظام تعلیم، اس کے نصاب درس، یہاں کے اساتذہ اور علمی ماحول سے کیسے فائدہ اٹھائیں، ہم اپنی زندگی کو کسی رخ پر ڈالیں اور کن مقاصد کو ہمیں اپنانا چاہئے، دار العلوم کے مطالبات اور تقاضے کیا ہیں، ہم اپنی استعداد کیسے پختہ کریں تاکہ دور جدید کے فتنوں کا مقابلہ کر سکیں۔ آپ نے ہم سے عزیزانہ، سعیدانہ اور فرزندانہ طریقہ پر سوال کیا، جیسے آپ رائے بریلی یا یہاں کے مہمان خانہ میں ہم سے سوالات کرتے ہیں، ہم بھی آپ سے اسی طرح باتیں کریں گے، آپ بھی ان باتوں کو اسی طرح سنئے گا، اسی کان سے سنئے گا، اسی دل سے قبول کیجئے گا۔

دار العلوم کی بنیاد اور اس کی علمی وفکری ترقی کا معیار کیا ہے:

عزیزو! پہلی بات آپ کو یہ معلوم ہونی چاہئے کہ آپ جس دار العلوم میں پڑھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جس ادارہ میں آپ کو پڑھنے کا موقع دیا، اور شرف بخشا ہے اس کی بنیاد کیا ہے، اس کی علمی وفکری ترقی کا معیار کیا ہے؟

تاریخ کے ایک مصنف اور دار العلوم ندوۃ العلماء سے تعلیمی، فکری ہی نہیں بلکہ خاندانی تعلق کی بنیاد پر کہتا ہوں اور اس بناء پر کہتا ہوں کہ ندوۃ العلماء کے بانیوں کے حالات سے الگ الگ واقف ہوں، ایک ایک کے مسلک، ایک ایک کے مقاصد اور ایک ایک کی فکر سے واقف ہوں، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ دار العلوم ندوۃ العلماء (اور دوسرے صحیح الفکر والاعتقاد مدارس) ہندوستان کی دو عہد ساز شخصیتوں کے مدرسہ فکر پر قائم ہوا ہے، ایک حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۰۳۴) دوسرے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) یہ دو اس کے اصل بانی، اس کے روح رواں، اس کے رہبر اور معیار ہیں، اس کی علمی ترقی کا بھی معیار ہیں اور اس کے فکری ارتقاء کا بھی معیار ہیں اور اس فکر کی اشاعت اور جد وجہد کا بھی معیار ہیں۔

اس دار العلوم کے اصل بانی دو شخصیتیں ہیں۔ ایک مجدد الف ثانیؒ دوسرے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔

یہی دو اس کے روح رواں ایں کے رہبر اور معیار ہیں، اس کی علمی اور فکری ارتقاء کا معیار بھی یہی دونوں ہیں۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان:

حضرت مجدد الف ثانیؒ وہ ہیں جنہوں نے پورے برصغیر میں انقلاب برپا کر دیا۔ جن کے مکاتب آپ کو پڑھنا چاہئے، ہم آپ کو مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں کہ یہیں یا یہاں سے نکلنے کے بعد ان کے مکتوبات پڑھیں، اب ہندوستان میں بہت کم لوگ رہ گئے ہیں جو ان کے مکتوبات پڑھیں، اب ہندوستان میں بہت کم لوگ رہ گئے ہیں جو ان کے مکتوبات سے فائدہ اٹھاتے ہیں، خدا آپ کو اس کی توفیق دے کہ آپ ان کے مکتوبات پڑھیں یا کم از کم یہاں کے

زمانہ قیام میں "تاریخ دعوت وعزیمت" کا چوتھا حصہ پڑھیں، جو انہیں کے حالات کے ساتھ مخصوص ہے، اقبال نے بہت صحیح ان کا تعارف کرایا ہے:

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

یہ وہ مجدد صاحب ہیں جو بدعت حسنہ کے بھی قائل نہیں، میں آپ کو ان کے ایک مکتوب کا اقتباس سناتا ہوں، جس میں دین کی حمیت اور شریعت کے بارے میں ان کی غیرت و حساسیت صاف نظر آتی ہے۔

ایک معاصر نے اپنے خط میں شیخ عبدالکبیر یمنی کی (جو غالباً شیخ محی الدین ابن عربی اور بعض مشائخ تصوف سے متاثر تھے) ایک ایسی تحقیق لکھی جو اہل سنت والجماعت اور اجماع امت کے خلاف تھی، حضرت مجدد صاحب نے اس کے جواب میں جو طاقتور مکتوب لکھا اس کی نظیر نہیں ملتی۔

فرماتے ہیں:

"مخدوما! این فقیر تاب استماع ایں چنیں کلمات ندارد، بے اختیار رگ فار وقیم در حرکت می آید، شیخ عبدالکبیر یمنی باشد یا محی الدین بن عربی، مارا محمد عربی درکارست نہ ابن عربی، فتوحات مدینہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ اند، مارا بہ نص کا راست نہ بہ فص"

شیخ محی الدین ابن عربی جن کے ذریعہ وحدۃ الوجود کا عقیدہ تمام دنیا میں پھیلا اور بڑے بڑے عارفین باللہ اور بڑے بڑے مشائخ اس کے قائل ہی نہیں اس کے داعی بلکہ اس پر مصر

تھے، ان کی دو کتابیں ایک فتوحات مکیہ ہے جس میں انہوں نے وحدۃ الوجود کے عقیدہ کی صاف صاف تبلیغ کی ہے اور اس کو پیش کیا ہے، دوسرے فصوص الحکم،

مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں:

مخدوما! اس طرح کی باتوں کے سننے کی میرے اندر تاب بھی نہیں، بے اختیار میری رگ فاروقی حرکت میں آ جاتی ہے اور تاویل وتوجیہ کا موقع نہیں دیتی، ایسی باتوں کے قائل شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر شامی، ہمیں کلام محمد عربی وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام درکار ہے، نہ کہ کلام محی الدین بن عربی، صدر الدین قونوی، اور شیخ عبدالرزاق کاشی، ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص سے، فتوحات مدینہ نے فتوحات مکیہ سے مستغنی بنادیا

یہ سب مجدد صاحبؒ کا فیض ہے:

جس وقت ہندوستان کے تخت پر ۹۶۴ھ میں جلال الدین اکبر بیٹھا ہے، اسلام کی آمد کو ایک ہزار سال ہو رہے تھے، ایرانیوں کی ایک جماعت نے ایک گہری سازش کی کہ پوری دنیا کو یہ باور کرائیں کہ اسلام اور دین محمدی کا دور ختم ہوگیا، اس جماعت نے یہ اصول اکبر کے ذہن نشین کرادیا کہ ہر مذہب کی عمر ایک ہزار سال ہوتی ہے، یہودیت ہزار سال رہی پھر ختم ہوگئی، عیسائیت ختم ہوگئی، پھر اسلام آیا، اب اس کو ایک ہزار سال ہو رہے ہیں۔

اس جماعت نے اپنی ذہانت سے سمجھا کہ اس بات کو قبول کرنے اور اس کو پوری طاقت سے نافذ کرنے والا وہ ہوسکتا ہے جو زیادہ پڑھا لکھا اور متشرع نہ ہو، اس جماعت نے اکبر کا انتخاب کیا جس کی سمجھ میں ان کی یہ بات آ گئی اور وہ الحاد کے راستہ پر پڑ گیا، وہ برہمنوں، پنڈتوں اور علماء کو جمع کرا کے بحث کرواتا تھا، پھر لادینیت کو تسلیم کیا جاتا تھا۔

ایسے نازک وقت میں مجدد صاحبؒ اور ان کا خاندان سامنے آتا ہے، اس خاندان نے اس ملک کو اس خطرہ سے محفوظ کر دیا کہ یہاں لادینیت کا دمندورہ ہو جائے، اسلام کا رشتہ اس ملک سے کٹ جائے اور دینی حس ختم ہو جائے۔

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانیؒ نے تقریر کرتے ہوئے ایک بار فرمایا کہ لوگ اس تاریخی حقیقت پر غور نہیں کرتے، سراسر انداز میں گذر جاتے ہیں کہ عام طور پر جب بادشاہ جاہل ہو، مخالف دین ہو، اس میں کوئی خرابی ہو تو اس کے بعد اس کا جو جانشین آتا

ہے، وہ اس سے بدتر ہوتا ہے، وہ اس میں اپنی سعادت سمجھتا ہے کہ اپنے والد اور سابق بادشاہ کے طریقہ پر قائم رہے، لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ اکبر کے بعد جب جہانگیر ہوا تو وہ اس سے بہتر ہوا، دین پر قائم رہا اور بعد میں حضرت مجدد صاحبؒ کا معتقد بھی ہو گیا تھا، پھر جہانگیر کے بعد شاہجہان ہوا تو اس سے بہتر تھا، وہ جب تخت طاؤس پر بیٹھا جو بڑے فخر کی بات تھی تو وہ اتر گیا، نماز پڑھی اور سجدہ کیا اور کہا کہ فرعون بڑا کم عقل اور کم ظرف تھا کہ مصر کے تخت پر بیٹھا اور خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا، میں تخت طاؤس پر بیٹھ کر سجدہ کرتا ہوں، شاہ جہاں کے بعد اورنگزیب عالمگیر ہوا (جن کو ہمارے فاضل دوست وادیب شیخ علی الطنطاوی چھٹے خلیفہ راشد سے تعبیر کرتے ہیں، ان کے نزدیک حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد پورے عالم اسلام میں عالمگیر جیسا متبع سنت، صاحب حمیت اور اسلامی قانون اور اسلامی شریعت کا جاری کرنے والا پیدا نہیں ہوا) اس میں جو راز ہے وہ یہ کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کا خاندان اندر اندر کام کر رہا تھا، اور متاثر کر رہا تھا، حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ جو حضرت مجدد صاحبؒ کے ممتاز ترین فرزند تھے، اور جن سے ان کا سلسلہ پھیلا ہے وہ عالمگیر کو شہزادگی کے دور میں جب خط لکھتے تو انہیں ''شہزادہ دین پناہ'' سے خطاب کرتے۔

اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور صحیح الفکر و حامل دعوت مدارس و مراکز باقی رہیں گے، اور اگر خدا کو ان کی حفاظت مطلوب اور محبوب ہے تو حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے راستہ پر رہیں گے، اگر یہ دارالعلوم دونوں کے راستے سے ہٹا تو یہ دارالعلوم، دارالعلوم نہیں ہوگا جس کی بنیاد حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ، مولانا سید ظہور الاسلام فتح پوری، مولانا سید عبدالحئی رائے بریلویؒ، مولانا خلیل الرحمٰن صاحب سہارنپوریؒ، منشی اطہر علی کاکورویؒ اور مولانا شبلی نعمانیؒ نے ڈالی تھی، یہ بات یاد رکھئے کہ یہ دارالعلوم حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ کے راستے پر ہے۔

امتیازی خصوصیات:

عزیزو! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان دونوں کے طریقہ عمل، ان کی دعوت، ان کی تحریک اور ان کی دوجہد کی چند امتیازی خصوصیات ہیں۔

(۱) عقیدہ اسلام:

سب سے پہلے اس اسلامی عقیدہ کو پورے طور پر قبول کر لینا جو صحابہ کرام کا عقیدہ تھا، جو تابعین عظام، ائمہ اربعہ اور مجددین و مصلحین کا عقیدہ تھا۔

(۲) دوسری بات ہے اشاعت دین، یعنی اس دین کی اشاعت و تبلیغ کی جائے۔

(۳) اور تیسری بات جو ان دونوں حضرات کا خاصہ ہے وہ ''حمایت دین'' بلکہ ''حمیت دین ہے۔ بہت سے ایسے حضرات ہیں، ہم ان کی قدر کرتے ہیں، احترام کے ساتھ ان کا نام لیتے ہیں، ان کے یہاں اشاعت دین کا جذبہ تھا، لیکن وہ چیز جس کو دینی غیرت اور حمیت کہتے ہیں، وہ ان کے یہاں یا کم از کم ان کے حالات میں زیادہ نمایاں نہیں معلوم ہوتی، ان دونوں حضرات کی خصوصیت یہ ہے کہ اشاعت دین کے ساتھ حمیت بھی تھی، یہ بہت اہم چیز ہے کہ دین مخالف اور اس کے منافی کوئی چیز برداشت نہ ہو، اس کی نیند اڑ جائے، کھانا پینا بھول جائے اور اس کو ایک سخت کرب اور شدید درد لاحق ہو جائے، یہ بات اور حضرات میں تھی لیکن ان دو حضرات میں سب سے نمایاں تھی۔

شاہ ولی اللہؒ کی خصوصیات اور ان کے کارنامے:

حضرت شاہ صاحبؒ نے ہماری معلومات کے مطابق سب سے پہلے ہندوستان میں حدیث شریف کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا، وہ حجاز گئے اور وہاں عرب اساتذہ سے انہوں نے حدیث پڑھی اور اس کی سند حاصل کی، پھر یہاں آ کر انہوں نے حدیث کا درس شروع کیا، ہماری محدود معلومات کی حد تک صحاح ستہ کی تدریس کا رواج اس سے پہلے ہندوستان میں نہیں تھا، یہ کام حضرت شاہ صاحب نے شروع کیا، آپ کسی عالم سے حدیث پڑھئے اور سند لیجئے تو یہ سلسلہ شاہ ولی اللہ تک پہنچتا ہے، پھر اور یمنی حجازی سلسلہ ہے، خاص طور سے صحیحین کا درس، پھر ان کی شرح و تحشیہ کا کام اور ان کی خدمت۔

ان کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کے تراجم کا سلسلہ شروع کیا، یہ بات شاید بہت سے لوگوں کے لئے انکشاف ہو گیا کہ یہاں کے بہت سے علماء قرآن مجید کا دوسری زبانوں میں ترجمے کو خطرناک سمجھتے تھے، اس کی دو وجہ تھی، ایک تو یہ کہ وہ جو اہل ہوئی و

ہوس تھے وہ سمجھتے تھے کہ اس سے ہماری فرمان روائی چلی جائے گی، ہماری سرداری اور ہمارے مطاع ہونے کی جو حیثیت ہے، اور ہماری بات کو اللہ و رسول کی بات کی طرح لوگ سمجھتے ہیں، ہماری یہ حیثیت ختم ہو جائے گی، ہماری خیریت اسی میں ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ یہاں کی زبانوں میں نہ ہو، ایسے دنیا پرست علماء قرآن مجید کے ترجمے کو بدعت بتاتے ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

شاہ صاحب نے اس کی طرف توجہ کی، ان کے دو صاحبزادوں نے اردو میں ترجمے کئے، ایک شاہ رفیع الدین کا ترجمہ جو لفظی ہے، اور ایک شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ جو بے نظیر ہے، اس میں خاص اللہ تعالیٰ کی مدد معلوم ہوتی ہے، اگر وقت ہوتا تو میں تفصیل سے آپ کو مثالیں دے کر بتاتا۔

یہاں صرف دو مثالیں دیتا ہوں، قرآن مجید میں ہے۔ "**قالو بعزۃ فرعون انا لنحن الغالبون**" زمخشری جیسے ادیب مفسر کو بھی "عزۃ" کا مفہوم ادا کرنے میں دشواری پیش آئی ہے، عام طور پر اس کا ترجمہ "فرعون کی عزت" "فرعون کا غلبہ" کے الفاظ ادا کیا جاتا ہے، شاہ صاحب جو دہلی کے رہنے والے تھے وہ درباری زبان سے واقف تھے اور محاوروں کو بھی جانتے تھے وہ خود فرماتے تھے کہ جب کسی آیت کا ترجمہ سمجھ میں نہیں آتا تو بازار چلا جاتا تھا۔ لوگوں کی باتیں سنتا کہ وہ کس طرح اس مفہوم کو ادا کرتے ہیں، شاہ صاحب نے بعزۃ فرعون کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب ہوں" درباریوں اور خوشامدیوں کی زبان ایسی ہی ہوتی ہے۔

شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ میں صوفی آہنگ کا بھی خیال رکھا ہے، "**قدمرناها تدميراً**" (سورہ بنی اسرائیل) کا ترجمہ کیا ہے، جب اکھاڑ مارا ان کو اٹھا کر۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا تیسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے توحید خالص پر بہت زیادہ زور دیا، ان کے پوتے حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے کتاب "تقویۃ الایمان" لکھی جس سے زیادہ صاف، واضح اور طاقتور کتاب توحید کے موضوع پر ہمارے علم میں نہیں، اس کتاب کے بارے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ اس سے ہزاروں نہیں لاکھوں لوگوں کو ہدایت ملی ہے، حضرات علمائے دیوبند و مظاہر علوم اور علمائے ندوہ سب اس کے

قائل تھے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب (اللہ ان کے درجات بلند فرمائے) ہمیں اس کتاب کے عربی میں ترجمہ کا حکم دیا، ہم مدینہ منورہ میں تھے، جانا بھی تھا، گاڑی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کھڑی تھی، سامان رکھا جا چکا تھا کہ نماز پڑھیں اور روانہ ہو جائیں، حضرت شیخ الحدیث نے پیغام بھیجا کہ ترجمہ کا کام شروع کر کے جائیں، ہم نے روضۃ من ریاض الجنۃ میں عزیز محمد واضح سلمہ کو سامنے بٹھا کر ترجمہ کا کام شروع کر دیا، ہمیں صاف معلوم ہوا کہ یہ کتاب عند اللہ وعند الرسول مقبول ہے، جو کچھ لکھا تھا وہ حضرت شیخ کو سنایا گیا، حضرت نے سن کر بڑی دعائیں دیں، جب اس کتاب کا ترجمہ ''رسالۃ التوحید'' کے نام سے مکمل ہو کر شائع ہو گیا تو ہم نے ایک بڑے سعودی عالم جو جامعہ اسلامیہ کے استاذ بھی تھے، ان کو یہ کتاب پڑھنے کو دی، عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کی کتاب ''کتاب التوحید'' سب سے بڑھی ہوئی ہے اور ان کے متبعین تو اس کے سوا کسی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، لیکن انہوں نے سعودی اور ''وہابی'' ہونے کے باوجود صاف صاف کہا کہ ''یہ توحید کی منجنیق ہے یہ تو پتھراؤ کرتی ہے۔''

تو شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندانوں نے توحید خالص، قرآن کی اشاعت اور حدیث شریف کی خدمت انجام دی، آج اس ملک میں جہاں بھی حدیث شریف پڑھائی جاتی ہے وہ سب فیض ہے شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے خاندانوں کا۔

شاہ صاحبؒ نے اس پر اکتفا نہیں کرلیا، بلکہ انہوں نے اپنی خداداد فراست سے محسوس کیا کہ اب جو دور آنے والا ہے وہ عقلی دور ہوگا، عقلی دور پر متاثر کرنے والا دور ہوگا، اس کے لئے انہوں نے حجۃ اللہ البالغۃ جیسی بے نظیر کتاب لکھی، جو جدید علم کلام کا بہترین نمونہ ہے۔

یہ بات بہت کم لوگوں کے علم میں ہے کہ جہاد کی تحریک شاہ صاحبؒ ہی کے زمانہ سے شروع ہوئی، مرہٹوں کا مقابلہ کرنے کے لئے (جن سے دہلی کے مسلمانوں کی جان اور عزت محفوظ نہیں تھی) شاہ صاحبؒ نے احمد شاہ ابدالی کو افغانستان بلایا جس نے مرہٹوں کو ایسی شکست فاش دی کہ تاریخ میں لکھا ہے کہ مرہٹواڑہ میں کوئی گھر نہیں بچا جہاں ماتم نہ ہوا ہو، سب سے پہلے حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا فتویٰ دیا۔

ٹیپو سلطان شہیدؒ کا بھی روحانی تعلق حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے خانوادہ سے تھا، انگریزوں کے حقیقی خطرہ کا ادراک سلطان ٹیپو نے کیا، اس کے خاندان کا تعلق روحانی حضرت سید احمد شہیدؒ کے نانا شاہ ابوسعید، حقیقی چچا سید نعمان خاص طور سے شاہ ابواللیث سے تھا، جو سید صاحبؒ کے حقیقی ماموں تھے۔

عزیزو! ایک جسمانی نسب نامہ ہوتا ہے، ایک علمی و دینی نسب نامہ ہوتا ہے اور ایک اعتقادی نسب نامہ ہوتا ہے، آپ اس علمی وفکری نسب نامہ کو ہمیشہ یاد رکھئے، اس نسب نامہ کو آپ نہ یہاں بھولئے اور نہ اپنے گھر جا کر بھولئے کہ ہم سب حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے خاندان کے فیض یافتہ اور ان کے تربیت یافتہ ہیں۔

نئے دور کے فتنوں کے مقابلہ میں ندوۃ العلماء کا کارنامہ:

عزیزو! ندوۃ العلماء نے اپنے قیام کے بعد سے وقت کے فتنوں کو نہ صرف پہچان لیا تھا۔ ان فتنوں میں قادیانیت اور عیسائیت کے فتنے تھے، جن کا مقابلہ ندوہ کے صدر سید محمد علی مونگیریؒ نے کیا، ہم نے خود یہ واقعہ مونگیر میں سنا کہ جب قادیانیوں کا بہار میں خطرہ محسوس ہوا، تو مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری کو قادیانیوں سے مناظرہ کے لئے مدعو کیا، ادھر مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری قادیانیوں سے مناظرہ کرر ہے تھے، ادھر مولانا سید محمد علی مونگیری سجدہ میں دعا وگریہ زاری میں مصروف تھے، یہاں تک کہ کسی نے آ کر سنایا کہ قادیانیوں کو شکست ہوئی اور وہ جوتے چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں، تب جا کر مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے سجدہ سے سر اٹھایا۔

دوسرا فتنہ ''روشن خیالوں'' کا تھا جنہوں نے ایک بڑا ادارہ قائم کیا، اس جماعت کے لکھنے والوں نے دین کے حقائق کو بدل کر پیش کیا، اس کی وجہ سے اسلامی عقیدہ میں ایک تزلزل اور خطرہ پیدا ہوا، ان روشن خیالوں کا سب سے بڑا نشانہ غیبی حقائق اور معجزات تھے، وہ معجزات کی ایسی تاویل کرتے کہ وہ معجزہ ہی نہ معلوم ہوتا، اپنی تفسیروں میں انہوں نے خاص طور پر اس پر زور دیا۔

ندوۃ العلماء نے اس طبقہ کو راہ راست پر لانے کے لئے اپنے نصاب میں انگریزی کا اضافہ کیا، اس کے ساتھ اس نے بات پر بھی زور دیا کہ نئے اسالیب بیان اور نئے طرز فکر سے

طلبہ واقف ہوں اور کونسا فتنہ کہاں اٹھ رہا ہے، اور کیوں یہ فتنے اٹھ رہے ہیں، اور کس زبان اور اسلوب میں اٹھ رہے ہیں ان سے واقف ہوں۔

ان روشن خیالوں کے مقابلہ کے لئے علامہ شبلیؒ کا قلم چلا، پھر مولانا سید سلیمان ندویؒ اور مولانا عبدالباری ندوی کا قلم چلا، پھر تو ندوی فضلاء نے ان فتنوں کا بھی تعاقب کیا جو عالم عربی میں قومیت عربیہ اور "تجدد" و "تنور" کے نام سے اٹھے تھے۔

ندوۃ العلماء کے بانیوں اور منتظمین نے ہمیشہ نصاب کو "وسیلہ" سمجھا "غایت" نہیں، غایت و مقصد میں ترمیم نہیں ہوتی لیکن وسیلہ میں ترمیم ہوتی ہے، درس نظامی میں بھی برابر ترمیم ہوتی رہی، ہمارے والد صاحب مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ کا فاضلانہ مقالہ "ہندوستان کا نصاب درس اور عہد بعہد اس کے تغیرات" کا آپ مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ کس دور میں کون سی کتاب پڑھائی جاتی تھی، اور کب اس میں تبدیلیاں ہوئیں، اس طرح ندوۃ العلماء نے اپنے نصاب میں تاریخ و جغرافیہ کا بھی اضافہ کیا۔

عربی زبان کی تدریس ایک زندہ زبان کی حیثیت سے:

عزیزو! ندوۃ العلماء کے بانیوں اور اس کے روشن ضمیر کارکنوں نے اس وقت یہ محسوس کرلیا کہ اب تک دینی مدارس میں عربی زبان اس حد تک پڑھائی جارہی ہے کہ تفسیر و حدیث اور فقہ کی کتابیں سمجھ سکیں (اللہ تعالیٰ ان مدارس کے بانیوں کی محنتوں اور کوششوں کو قبول فرمائے) لیکن اب جو دور آنے والا ہے اس میں اس سے کام چلنے والا نہیں ہے، اب تو عربی زبان کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے کہ وہ دعوت اور تصنیف و تقریر کی بھی زبان ہے، پڑھایا جانا ضروری ہے، اس زمانہ میں ہندوستان کا عالم عربی سے زیادہ تعلق بھی نہیں تھا، صرف حجاج کی حجاز آمد و رفت رہا کرتی تھی، حیرت ہوتی ہے کہ مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے حجاز کے دوران قیام میں ہمارے والد صاحب کو خط لکھا تھا کہ یہاں ایک عالم جن کو عربی پر بڑی قدرت ہے، عربی میں اچھی تقریر کرتے ہیں، میں ان کو راضی کررہا ہوں کہ دارالعلوم جائیں، اور وہاں عربی زبان کا درس دیں، آپ اس کا خیال رکھئے کہ طلبہ کو عربی زبان میں مہارت پیدا ہو، اور اس میں وہ تقریر کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بھائی صاحب ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبدالعلی صاحبؒ کی نگرانی و

ہدایت پر ندوۃ العلماء نے عربی کی ابتدائی نصاب کی ترتیب کا کام شروع کیا جو اس کے بنیادی مقاصد میں سے ایک تھا، اور وہ عالم عربی میں بھی مقبول اور کہیں کہیں رائج ہوا۔

اپنی استعداد کیسے مضبوط بنائیں:

عزیزو! دنیا کی تمام زبانوں میں عربی زبان سب سے زیادہ حساس، ذکی الحس اور غیرت مند زبان ہے، ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ قرآن کی زبان ہے، پیغام الٰہی کی زبان ہے، تعلیمات نبوی ﷺ کی زبان ہے، اس کے علاوہ دو چیزیں اور ہیں، ایک اعراب جو کسی اور زبان میں نہیں، دوسرے مختلف المخارج اور مختلف الاصوات حروف جو دوسری زبان میں نہیں، ذرا سی غلطی سے زیر کو زبر اور منصوب کو مجرور پڑھنے اور ث کو س کی طرح بولنے سے سب پر پانی پھر جائے گا، آپ ایسی استعداد بنائیے کہ صحیح اعراب پڑھ سکیں، اور صحیح مخارج سے حروف کو ادا کر سکیں۔

ایک بار ہمیں جامعہ دمشق میں جس کا وائس چانسلر ایک عیسائی فاضل تھا اور جس کے جلسہ میں فضلائے دمشق اور ممبران پارلیمنٹ شریک ہونے والے تھے۔ فلسطین کے قضیہ پر مقالہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی، ہم ''العوامل الاساسیۃ لکارثۃ فلسطین'' (المیہ فلسطین کے بنیادی اسباب) کے موضوع پر مقالہ لکھا، اس کو جلسہ میں پڑھنے سے پہلے احتیاط کے طور پر علامہ بہجۃ البیطار کی خدمت میں گئے، اور عرض کیا کہ آپ ہمارے استاد مولانا سید سلیمان ندویؒ کے دوست ہیں، براہ کرم آپ ہمارا یہ مقابلہ سن لیجئے کہ شاید کوئی غلطی ہو، انہوں نے فرمایا کہ نہیں تم کو اس کی کوئی ضرورت نہیں، تم ماذا خسر العالم کے مصنف ہو، پھر بھی ہم نے ان کو اپنا پورا مقالہ سنا دیا، انہوں نے کہیں نہیں ٹوکا، ہم سے کہا کہ آپ ال کے استعمال کرنے میں بہت محتاط ہیں، ہندوستانی علماء جا و بے جا الف لام استعمال کرتے ہیں، پھر انہوں نے لطیفہ سنایا کہ ایک ہندوستانی عالم ایک عرب عالم کے پاس آئے اور کہا کہ انا ذاهب من المكة الى مدينة فهل لك حاجة؟ اس جملہ کو سن کر ان عرب عالم نے کہا کہ حاجتي الوحيدة أن تاخذ الالف و اللام من مكة وتضعهما على المدينة الف لام ان عالم صاحب نے مکہ پر لگا دیا، جبکہ اس پر الف لام نہیں آتا۔

ہم سے بعض عربوں نے شکایت کی کہ ہندوستانی عالم و داعی آتے ہیں، مساجد میں ان کی تقریر کا اعلان ہوتا ہے، ہم بیٹھ جاتے ہیں، لیکن چند ہی جملوں کے بعد بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ کو عرب ممالک نہیں جانا ہے، آپ کو جانا ہے، لیکن ملازمت کے لئے نہیں، امام وخطیب بن کر نہیں، صرف پیسہ کمانے کے لئے نہیں، بلکہ داعی بن کر، یا معلم بن کر جانا ہے، آپ ابھی سے درسی استعداد پختہ کریں تا کہ کوئی اعرابی غلطی نہ ہونے پائے، جو بھی درسی کتاب پڑھیں، پوری توجہ اور انہماک سے اس کی تیاری کریں، اپنے فاضل اساتذہ سے معلوم کریں کہ ان کی مستند شرحیں اور مصادر و مراجع کون سے ہیں، پھر ان کا گہرا مطالعہ کریں، اور بھرپور علمی تیاری کریں۔

آخری بات:

آخری بات یہ ہے کہ آپ علوم دینیہ میں رسوخ پیدا کیجئے، یہاں جو علمی و دینی ماحول ہے، آپ کے جو مشفق اساتذہ ہیں ان سے فائدہ اٹھائیے، یہ فضا اور ماحول اور اساتذہ آپ کو کالجوں، یونیورسٹیوں میں نہیں ملیں گے، ہم نے مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے بارے میں کہا تھا کہ ان کی ایک بڑی خصوصیت رسوخ فی العلم تھی، بہت سے علماء ایسے ہیں جو دوسرے کاموں میں لگ جاتے ہیں تو ان کو علم میں رسوخ نہیں رہتا۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہاں سے صحیح الفکر بنا کر کامل مدرس اور پختہ کار مصنف اور مبصر بنا کر اور داعی بنا کر نکالے، اور جو فتنے اٹھ رہے ہیں، جیسے قادیانیت، الحاد دہریت اور روشن خیالی کے فتنے کہ دین پر کھلی تنقید کرتے ہیں، اور کفر وایمان اور حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتے، ان سب فتنوں کا آپ کو مقابلہ کرنا ہے، آخری بات یہ ہے کہ آپ سب کو حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مسلک، ان کے مکتب خیال اور مدرسہ فکر پر چلنا ہے، اور اسی میں اپنی سعادت سمجھنا چاہئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اسلام کے مردان باوفا

جہاد بالاکوٹ سے واپس آنے والا مجاہدین کا قافلہ جو نواب وزیر الدولہ مرحوم کے اصرار سے ٹونک میں قیام پذیر ہو گیا تھا، ان میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے اہل خاندان بھی تھے، انھیں حضرات نے وہاں ایک مسجد تعمیر کی جو مسجد قافلہ کے نام سے مشہور ہوئی ،حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی یہ تقریر اسی مسجد قافلہ میں ہوئی

الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوۃ و السلام علیٰ سید المرسلین محمد و آلہ وصحبہ اجعمین. " من المؤمنین رجال صدقو اما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبہ، ومنھم من ینتظر، وما بد لوا تبدیلا ".

حضرات: انسان کی فطرت ، حالات ، ماحول اور تاریخی واقعات کا یہ اثر ہوتا ہے کہ آدمی کسی جگہ جاتا یا کسی سے ملتا ہے اور کسی نئی جگہ پر وہ قدم رکھتا ہے تو اس کے سامنے کچھ ایسی حقیقتیں آجاتی ہیں کہ جو اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے نہیں آتیں ، یہ انسانی نفسیات کا تقاضا اور خاصہ ہے، یہ مسجد جو قافلے والی مسجد کے نام سے مشہور ہے، یہاں آکر بے اختیار میرے سامنے قرآن شریف کی آیت آ گئی جو بالکل حسب حال ہے ، یہ صرف مسجد قافلہ اور محلّہ قافلہ پر منحصر نہیں بلکہ ایک عہد ، ایک نسل ، ایک تحریک ، ایک دعوت ، ایک صداقت ، ایک بطولت ، وفاداری ، اور اسلام کو ایک صحیح شکل میں پیش کرنے پر اور اس کے لئے ہر چیز کو قربان کر دینے پر اس کی پوری تاریخ مجسم طریقہ پر میرے سامنے آ گئی ہے اور یہ بالکل اضطراری طور پر ہوا ہے، اس میں میرے غور وفکر کو کوئی دخل نہیں ہے ، یہ کیسے ممکن ہے کہ قافلہ کی مسجد میں میں قدم رکھوں ، بلکہ ٹونک کی سرزمین پر قدم رکھوں اور مجھے مجاہدین یاد نہ آئے۔

جماعت مجاہدین کے کارنامے کی تعریف اس آیت سے بہتر کی نہیں جا سکتی ، یہ آیت نہ صرف اس عہد کو یاد دلاتی ہے بلکہ قیامت تک کے لئے مسلمانوں کے سامنے ایک نمونہ پیش کرتی ہے ، اور بتاتی ہے کہ مسلمان کا قیام کیا ہے ، اور ہر مسلمان کا اپنے اپنے عہد میں کیا فریضہ

ہے اور وہ کس چیز کا مکلّف ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے قبولیت کا استحقاق کس چیز میں پیدا کرتی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے سامنے اسلام کا معیاری نمونہ سامنے رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليله".

(اہلِ ایمان کی جماعت تو بہت بڑی ہے، اور وہ ایک بڑا دائرہ ہے، اس کے اندر بھی تخصیص کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ اہلِ ایمان میں کچھ مردانِ کار اور اہلِ عزیمت ایسے ہیں) بلکہ اس کا ترجمہ یوں کر لیجئے کہ اہلِ ایمان تو بہت ہیں، خوش نصیب ہیں، اللہ کے وعدے پر یقین رکھتے ہیں، اور اللہ کے ایسے شیر مرد اور ایسے باہمت اور باحوصلہ لوگ ہیں۔

"صدقو ماهد والله عليه"۔ انھوں نے اللہ سے جو عہد اور جو وعدہ کیا تھا، سچ کر دکھایا۔

" فمنهم من قضى نحبه" اور ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو وقت پورا کر چکے اور اللہ کے پاس جا چکے، اللہ کے یہاں ان کو انعام ملے گا (وا لآخرة خير و أبقى) آخرت کا تو کہنا ہی کیا" ومنهم من ينتظر " اور جن کا ابھی وقت نہیں آیا، وہ انتظار میں ہیں، اور اپنے عہد پر قائم ہیں،" وما بد لوا تبديلا" اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس آیت میں اسلام کی تعریف کی گئی ہے، قرنِ اول کے مسلمانوں کے لئے یہ ایک معیاری چیز ہے اور قیامت تک پیدا ہونے والوں کے لئے ایک نمونہ عمل ہے اور ایک معیار اور اللہ کی طرف سے ایک سند ہے، مسلمان اصل میں محض زبان سے کلمہ پڑھ لینے کا نام نہیں ہے، اس کو ہم مسلمان کہیں گے، ہم اس کے اسلام میں شک نہیں کریں گے، جو کلمہ پڑھے گا، ہم اس کو احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے، لیکن اسلام اس پر ختم نہیں ہو جاتا، کہ کلمہ پڑھ لیا جائے، مسلمان خاندان میں کوئی بچہ پیدا ہو جائے، پھر عقیقہ ہو، پھر وہ مسلمان کہلائے، اور وہ خود بھی اپنے کو مسلمان کہے یہ کافی نہیں بلکہ " من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه" اس نے اللہ کے ساتھ کوئی عہد کیا، یہ اللہ کے ساتھ ایک عہد ہے اور عہد یہ ہے کہ ہم اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گذاریں گے، اس دنیا کا خالق اور رازق، نافع اور ضار وہی ہے، وہی عزت اور ذلت دینے والا ہے، اور کارسازِ حقیقی اور مالک

الملک ہم اسی کو سمجھیں گے، کلمہ ''لا الہ اللہ محمد رسول اللہ'' بھی ایک عہد اور ایک اعلان ہے کہ ہم اس بات کا اعلان کرتے ہیں زبان قال سے بھی اور زبان حال سے بھی کہ اس دنیا کو پیدا کرنے والی اور چلانے والی تنہا خدا کی ایک ذات ہے، ''الاله الخلق و الا مر'' (یاد رکھو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے حکم چلانا) وہ اس کا خالق بھی ہے اور منتظم بھی ہے، یہ نہیں کہ پیدا کر دیا اور اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا، یا دوسروں کے حوالہ کر دیا، کہ اب جو کچھ ہو آدمی کی کوششیں ہیں، نتائج ہیں، مواقع ہیں، اور اشیاء میں نفع وضرر کی صلاحیت ہے، نہیں ایسا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تو ایک ایک ذرہ کا مالک ہے کوئی پتہ بغیر اس کی اجازت کے ہل نہیں سکتا، اور نہ ہی کوئی ذررہ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے، کوئی کام اور کوئی تبدیلی دنیا میں آ نہیں سکتی، نہ قسمتیں بدل سکتی ہیں، نہ حالات بدل سکتے ہیں، جب تک اسکی مرضی اور حکم نہ ہو، اصل میں اسلام ایک عہد ہے، اب اس عہد کو دیکھنا ہے، وہ عہد یہ ہے کہ ہم اس دنیا کا پیدا کرنا والا، چلانے والا، خدا کو سمجھیں گے، اس کو مالک حقیقی مانیں گے اور اپنی قسمت اسی کے ہاتھ سمجھیں گے، اور نافع ورضا راسی کو مانیں گے، اس کو سوا کسی کے سامنے نہ سر جھکائیں گے اور نہ کسی کے سامنے احتیاج اور التجا کا ہاتھ اور دامن پھلائیں گے، یہ ایک عہد ہے، پورا اسلام ایک عہد و معاہدہ کا نام ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ کتنے لوگ ہیں جو اس عہد کو پورا کرتے ہیں اور کتنے لوگ ہیں جو عہد کر کے بھول جاتے ہیں، ہم بھی عہد کر کے بھول گئے، اس میں صحابہ کرامؓ کی مثالیں ہمارے سامنے آتی ہیں، جب کلمہ پڑھا تو اس کو نہ اپنی جان کی پرواہ رہی اور نہ مال کی رہی، اہل وعیال کی پروا، نہ عزت ودولت کی پروا رہی، اور نہ تعریف اور مذہب کی، کسی چیز کی انھیں پروانہیں رہی۔

یہ وہ بات ہے جو مسلمانوں کو سمجھنی چاہئے خاص طور پر اس ابتلاء اور آزمائش کے دور میں سمجھنا چاہے، اور خصوصاً اس قافلہ کی مسجد میں یہ بات سمجھنی چاہیے جو حضرات یہاں جمع ہوئے ہیں اور اللہ نے جن کو توفیق دی ہے ان کو سمجھنا چاہئے، کہ ان کے سامنے ایک مثال اللہ کے ان بندوں کی ہے، جو بالا کوٹ کی شہادت گاہ سے یہاں بلائے گئے، اللہ کے یہاں مقدر بھی تھا اور اسباب بھی پیدا ہوئے کہ نواب وزیر الدولہ مرحوم (اللہ ان کی تربت کو ٹھنڈا رکھے اور اللہ اپنی نعمتوں اور سرفرازیوں سے مالا مال کرے) انھوں نے اصرار کر کے نہیں بلکہ کہا جاتا ہے اور کہنے والوں نے کہا ہے کہ خوشامد کر کے اس قافلہ کو بلایا کہ اس قافلہ کا وردو باعث برکت یہ قافلہ

اگر آئے گا تو اللہ کی رحمتیں نازل ہوں گی یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اپنی جان دینے میں کوئی کسر اور کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، یہ مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لاتے ہیں اور یہ تاریخ میں لکھا ہوا ہے اور کئی بار یہ کہتے ہیں کہ حضرت اجازت دیجئے کہ اللہ کی راہ میں یہ سر قربان کردوں، سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مولانا، اللہ آپ کے علم سے بڑا کام لے گا، آپ کی تحریر، تقریر اور آپ کی تبلیغ سے، آپ ابھی جلدی نہ کیجئے، لیکن صبر نہیں ہوتا، بار بار کہتے ہیں کہ یہ سر قربان کرنے کے لئے لایا ہوں، ہم جو عہد کر کے آئے تھے وہ عہد پورا کرنا چاہتے ہیں، بالآخر سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایماء ہوا یا وہ سمجھے کہ منع نہیں کرتے، اور انھوں نے وہاں اللہ کی راہ میں سر کٹا دیا، صدقوا ما عاھد واللہ علیہ، یہ اسلام جس سے اللہ نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے اور ہم پر احسان فرمایا ہے، اسلام کے ذریعہ، یہ اسلام نہیں ہے کہ آپ کہیں کہ ہم مسلمان ہمیں مسلمانوں کا نام رکھ لیں، یا مسلمانوں کی سی معاشرت، یعنی گھر کا نقشہ مسلمانوں کا سا ہوا، مسجد بھی کبھی جائیں یا پابندی کے ساتھ جائیں یا اپنے کو مخاطب کر کے کہیں، یہ ایک عہد ہے، یہ ایک (خدا کرے بے ادبی نہ ہو) چیلنج ہے، زمانے کے لئے ایک چیلنج ہے کہ ہم مسلمان ہیں، ہم اپنے عقائد میں مسلمان ہیں، ہم عبادات میں مسلمان ہیں، اپنے اخلاق میں مسلمان ہیں، معاملات میں مسلمان ہیں، اپنے اخلاق میں مسلمان ہیں، معاملات میں مسلمان ہیں، اپنے طرز معاشرت میں مسلمان ہیں، ہم آپس کے تعلقات، جو میاں بیوی کے تعلقات ہوتے ہیں، باپ بیٹے کے تعلقات ہوتے ہیں، بھائی بھائی کے تعلقات ہوتے ہیں، ہمسایوں سے تعلقات ہوتے ہیں، ہم ان سب چیزوں میں قانون الٰہی کے پابند ہیں، ہم کچھ نہیں جانتے، ہم پہلے یہ دیکھیں گے کہ حکم کیا ہے، اس موقع پر اللہ کے اس حکم سے اگر ہماری ساری جائیدار جاتی ہو، ہماری ساری کمائی اور سرمایہ پر پانی پھر جاتا ہو، اور ہم ایک ایک لقمہ کے محتاج ہو جائیں جب بھی ہم یہی کریں گے، یہ ہے اصل اسلام، اسلام صرف ایک قومیت کا نام نہیں ہے، اسلام کسی تہذیب کا نام نہیں ہے، اسلام کسی آبادی کے ایک عنصر کے ساتھ کچھ امتیازات اور اپنے کو ایک خاص نام سے موسوم کرنے کا نام نہیں ہے، جو اس وقت عام طور پر ہو رہا ہے، اسلام اول سے آخر تک ایک عہد ہے اور ایک پیمان ہے اللہ کے ساتھ ایک اعلان ہے، دنیا کے سامنے ہمارے لئے فیصلہ کن، قابل عمل اور قابل غور چیز وہ ہوگی، جس کے لئے اللہ اور اس

کے رسول کی طرف سے حکم دیا جائے گا، رسول اس کی تشریح فرمائیں گے، جو اللہ کا حکم ہوگا اور جو رسول کی تشریح ہوگی یا جو اسوۂ رسول ہوگا یا جو رسول کا نمونہ ہوگا، ہم اس پر عمل کریں گے، اگر ہمیں اپنی جائداد، اپنی مالی منفعت اور تمام سہولتوں سے دست بردار ہونا بلکہ نشانۂ ملامت بننا پڑے، ہمارے لئے زندگی گذارنا وہاں دشوار ہوجائے، پھر آخری درجہ کی چیز یہ ہے کہ پھر کسی ملک میں (جہاں حالات مختلف ہوتے رہتے ہیں) وہاں ہم نگاہ پر چڑھ جائیں، بلکہ نگاہ پر چڑھنا نہیں ہم پھانسی کے تختہ پر چڑھا دیئے جائیں ہمارے ساتھ بالکل ایک مخالف قوم یا ایک بے وفا اور ایک غدار قوم کا سا سلوک ہونے لگے، ہمارے لئے ملازمتوں کے دروازے بند ہوجائیں، ہمارے بچوں کی تعلیم مشکل بلکہ بنیادی معاشی ذرائع کا حصہ حاصل کرنا بھی مشکل ہوجائے، پھر بھی ہم وہی کریں گے جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے۔

اللہ فرماتا ہے ''من المؤمنین رجال'' اہل ایمان میں وہ شیر مرد لوگ ہیں، وہ جانباز لوگ ہیں، جنھوں نے ''صدقوا'' عہد کے سچے ہونے کا نمونہ دکھایا، قرآن مجید ''صدقوا'' کا لفظ بولے تو اس کی عمومیت، اس کا عمیق اور اس کی طاقت کا کوئی شمار نہیں اور ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہے اور جب ''صدقوا'' کا لفظ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ سو فیصدی سچ کر دکھایا، نہ اس میں مداہنت تھی، نہ نفاق تھا، نہ مصلحت اندیشی تھی، نہ تاخیر تھی، کچھ بھی نہیں، سب سے بڑے عزت والے کی طرف سے عزت کی جو سب سے بڑی سند دی جاسکتی ہے اور جو توثیق کی جاسکتی ہے وہ ان الفاظ میں موجود ہے، جن لوگوں پر یہ آیت نازل ہوئی تھی، ان پر اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تو کوئی تعجب کی بات نہیں تھی، اگر اپنا گھر بار لٹا دیتے اور لٹا دیا انھوں نے، اللہ تعالیٰ شہادت دیتا ہے ''صدقوا ما عاھد واللہ علیہ'' انھوں نے سچ کر دکھایا جس کے لئے انھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا اور ذرا بھی وہ اپنی جگہ سے ہٹے نہیں۔

آج ہم مسلمانوں کی حالت کیا ہے، ہم مسلمان دیکھتے ہیں کہ اس بات کی کتنی گنجائش ہے، اس میں نفع ونقصان کا کیا توازن ہے، نفع کتنا ہے، نقصان کتنا ہے، نیک نامی ہے یا بدنامی ہے، سیاسی بدگمانیاں اور اقتصادی پریشانیاں تو اس میں نہیں شامل ہوجائیں گی، ہماری اولاد اور خاندان کا مستقبل تو نہیں مشکوک ہوجائے گا، ہم خطرے میں تو نہیں پڑ جائیں گے، یہاں تک کہ آخری درجہ یہ ہے کہ ہم الیکشن جیت سکیں گے یا نہیں جیت سکیں گے ہم کوئی عہدہ پاسکیں گے یا نہیں پا

سکیں گے، ملک میں باعزت طریقہ سے زندگی گذار سکیں گے یا نہیں گذار سکیں گے، یہ سب خیالی چیزیں ہیں، اللہ کے یہاں اس کا کوئی گذر نہیں ہے، "**فمنهم من قضیٰ نحبه**" اور ان میں سے کچھ وہ تھے جو آخری درجہ تک پہونچ گئے، جب انھوں نے اپنا وقت پورا کرلیا، تو موت کے گھاٹ اتر گئے، شہادت کا درجہ انھوں نے حاصل کرلیا، خون کا آخری قطرہ بہادیا، "**ومنهم من ينتظر**" اور کچھ لوگ تھے جن کا ابھی وقت نہیں آیا تھا اللہ کی طرف سے وہ ایک تقدیری بات ہے، موت کا وقت مقرر ہے، شہادت بھی موت ہی کی ایک قسم ہے اس کا بھی وقت مقرر ہے، ایسے ایسے واقعات ہم دیکھتے ہیں، فتوحات اور جہاد کی تاریخ میں انھوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ ہتھیلی پر سر رکھے ہوئے جنگ کر رہے ہیں، اس میں کسی قسم کی آڑ نہیں، ذرا بھی اس میں تردد نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ سلامت رکھتا ہے، کتنی جنگوں کو فتح کیا اور کتنی جنگوں کا سہرا ان کے سر ہے، ایک خالد ہی نہیں آپ کے شہر کے لئے قابل فخر بات ہے کہ حضرت سید عبدالرزاق صاحب کلامی مرحوم جو اس قافلہ کے رہنے والے تھے، سادات قافلہ کے ایک فرد تھے، سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھانجے کے پوتے تھے، انھوں نے فتوح الشام کا ترجمہ کیا ہے، اس وقت بے اختیار بات یاد آ گئی، میں پہلے سے سوچ سمجھی تقریر نہیں کیا کرتا، چھوڑ دیتا ہوں کہ اللہ جو کچھ کہلوائے گا، دل میں ڈالے گا کہہ دوں گا، جب ذکر آ گیا تو ان کا ذکر کردوں کہ انھوں نے فتوح الشام کا ترجمہ کیا، مصمام الاسلام کے نام سے اس میں پچیس ہزار اشعار ہیں، اس میں جنگوں کی تشریح ایسی ہے کہ ہمارے خاندان میں اور غالباً یہاں قافلہ میں بھی اس کا رواج رہا ہوگا، کہ جب کوئی حادثہ پیش آتا تھا اور خاص طور پر مستورات پر بہت اثر ہوتا تھا، کسی کے بیٹے کا انتقال ہوگیا، کسی کے شوہر کا انتقال ہوگیا، تو اس کا اعلان یہ تھا کہ مصمصام الاسلام پڑھی جائے، خوب یاد ہے کہ تمام بیبیاں جمع ہوتی تھیں، میری خالہ تھیں جو حافظ قرآن بھی تھیں، وہ اس کو بڑے جوش کے ساتھ پڑھتی تھیں، ہم بچے پیسہ مانگنے کے لئے اپنی ماؤں کے پاس آتے تھے، جی میں آیا کہ چلوں اماں سے پیسہ لے لیں اور کچھ خرید لیں یہاں آتے تھے تو کچھ نقشہ ہی دوسرا ہوتا تھا، آنسو جاری ہیں اور چہرہ پر ایک ایسا رنگ ہے، معلوم ہوتا تھا کہ میدان شہادت اور میدان جہاد میں یہ خود ہیں، پیسہ مانگنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی بیٹھ جاتے تھے اور خود بھی شریک ہوجاتے تھے (یہ بھی تقدیری بات ہے کہ اس کے دو ایڈیشن نکلے اور دونوں ایڈیشن نول کشور پریس سے

شائع ہوئے میں مشورہ دوں گا اگر خدا کسی کو توفیق دے تو اس کو دوبار چھپوائے، ورنہ وہ اس کو حاصل کرے اور مجلسوں میں پڑھی جائے)۔

" **ومنهم من قضى نحبه**" کچھ وہ ہیں جنھوں نے اپنا وقت پورا کر دیا، اللہ نے جو وقت مقرر رکیا تھا وہ وقت آ گیا، جہاد میں آ یا یا گھر پر آیا" **ومنهم من ينتظر** "اور کچھ لوگ انتظار میں ہیں ان کی طرف سے کوئی کمی نہیں، وہ ہتھیلی پر سر رکھ کر پھر رہے ہیں، میدان جہاد میں اور دعوت دے رہے ہیں شہادت کو، ان کی شہادت کا وقت نہیں آیا، اللہ ان کو میدان جنگ میں زندہ سلامت لے آتا ہے اپنے گھر، لیکن وہ انتظار میں ہیں،" ومابدلوا تبديلا" انھوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔

یہ ہے نمونہ ہمارے لئے اگر اس وقت ہم سے پوچھا جائے میری تمام نااہلیتوں، بے عملی، تمام کمزوریوں اور گناہوں کے باوجود مجھ سے پوچھا جائے کہ اس وقت مسلمانوں کو ایک منشور اور عہد نامہ چاہے اور ایک ایسا دستور العمل جو ان کے سامنے رہے، آپ لکھ کر دے دیجئے، میں لکھ کر دوں گا" **من المومنين رجال صدقوا ماعاهدوا الله عليه، فمنهم من قضى نحبه منهم من ينتظر ومابدلوا تبديلا**" نظام تعلیم بدل جائے لیکن ہم بچوں کو دینی تعلیم دیں گے ان کو روزگار ملے نہ ملے، وہ فاقہ کریں اور جان پر بن آئے، دین کی وہ تعلیم دیں گے جن سے وہ کفر وشرک سے محفوظ رہیں اور جن سے ان کے اندر ہندومتیھالوجی کے عقائد نہ آنے پائیں، وہ تعلیم جو اسکولوں میں دی جارہی ہے، وہ ہندومتیھالوجی کی تعلیم کھلے طریقے پر دی جارہی ہے، ہمارے دینی تعلیمی کونسل کی رپورٹوں میں اور مقالات میں وہ اقتباسات ہیں، جن میں یہ ہے کہ سب دیوتا جمع ہوئے کہا گیا ہے کون بڑا دیوتا ہے، تو کہا گیا جو زمین کے چکر اتنی دیر میں لگا کر آ جائے، پورے عالم کا چکر لگا کر آ جائے وہ بڑا دیوتا ہے، وہ اٹھے اور تمام عالم کے چکر لگا کر آ گئے، کھلی بت پرستی کی تعلیم دی جارہی ہے۔

میں حاصل سفر سمجھوں گا کم از کم ٹونک حاضری کا اور قافلہ مسجد کا حق سمجھوں گا، اس کے درو دیوار، اس کے ستون، اس کے اجزاء، اور اس کی فضا دعوت دے رہی ہے، اسی فضا نے اسی آیت میں میرے دل میں ڈالا ہے، خدا شاہد ہے، جب میں اپنی جگہ پر تھا، وہاں مجھے خیال بھی نہیں تھا قافلہ اور قافلہ والوں کی تاریخ اور ٹونک کی تاریخ یاد آئی، خدا کے بندے جن کی جان بچ گئی تھی وہ کسی پیشہ میں لگ جاتے، ملازمتوں میں لگ جاتے اور جو کچھ ہو رہا تھا وہ بھی اس میں شامل ہو

بات نہیں رہ گئی تھی، وہ بھی اس رنگ پر چلنے لگے تھے، یا ان کے لئے کسی محکمہ میں جگہ نہیں تھی اور وہ ملازمتیں نہیں ہو سکتے تھے، ان میں ایسے ایسے انسان اور ایسے ایسے جینیس قسم کے لوگ صاحب جوہر اور باسلیقہ لوگ تھے، جو بڑی سے بڑی سلطنت کے لئے باعث فخر ہو سکتے تھے، انھوں نے یہ عہد اللہ سے کیا تھا، اللہ کے ایک بندہ کے ہاتھ دے کر جس کا نام سید احمد شہید ہے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں ان پر، اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر انھوں نے کہا تھا، ہم اسلام کے لئے جئیں گے، مریں گے، ہم اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہیں انھوں نے چھوڑا اپنی جائدادیں چھوڑیں، یہ سب اودھ کے رہنے والے، یہ لکھنؤ کے اطراف کے رہنے والے، رائے بریلی اور پھر یہ مرادآباد اور رامپور، دہلی کے رہنے والے، اور معلوم نہیں کہاں کہاں کے، یہ سب وہاں گئے اور وہاں سے ایک بھی آدمی جو خاص کسی سبب سے واپس آئے جن کو سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھیجا، مولانا کرامت علی جونپوری کو بھیجا کہ آپ تبلیغ کریں اور بھی مولانا محمد علی صاحب واعظ رامپوری کو بھیجا کہ آپ حیدرآباد میں ہدایت کا کام کریں، تبلیغ کریں، ایک بھی آدمی جان کے خطرہ سے یا شہادت کے خوف سے واپس نہیں آیا۔

اصل میں اسلام؟! اسلام صرف یہ نہیں ہے کہ صرف مسلمان کا نام رکھ دیا، یا اسلام کے طرز معاشرت اختیار کرلیا، صرف یہ اسلام نہیں بلکہ اسلام ایک عہد ہے کہ اے حاضر وناظر، اے علام الغیوب، اے خلاق دو جہاں تو شاہد رہ، گواہ رہ کہ ہم شریعت کو ترجیح دیں گے، طبیعت پر، ہم شریعت کو ترجیح دیں گے، رسم ورواج پر ہم، شریعت کو ترجیح دیں گے، منافع پر، شریعت کے احکام کو پہلے پوچھیں گے، دیکھیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔

آج بچوں کی تعلیم میں کیا ہو رہا ہے، بچوں کو اس خیال سے کہ اچھی جگہ پائیں، اچھی ملازمت ملے، ان کو حوالہ کر دیا گیا، سیکولر سرکاری تعلیم کے جہاں وہ ایک لفظ توحید کے نہیں سنتے، خدا کی صفات کا، جمال کا، ایک لفظ ان کے کان میں نہیں پڑتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو محبوب رب العالمین ہیں ان کی سوانح وسیرت سے بالکل ناواقف، اردو رسم الخط سے ناواقف، ایک نہیں، عام مثالیں آپ دیکھ لیجئے، لوگوں نے بتایا کہ بڑی یونیورسٹی میں (جس کا نام لینا مناسب نہیں سمجھتا) ۶۰٪، ۷۰٪ طلبہ اردو سے ناواقف ہیں وہ اپنے والدین کو ہندی میں خط لکھتے ہیں، اس کا تو ہمیں تجربہ ہوا کہ ہمیں ایک زمانہ میں کچھ معذوری تھی خود لکھنے کی بجائے

ہم نے کہا کہ بھائی صاحب ایک مضمون ہے میں بولتا ہوں آپ لکھ لیجئے میں بڑا مطمئن تھا بعد میں اس کے ہاتھ سے لے کر دیکھا تو ہندی میں اس نے کہا کہ ہم ہندی میں لکھ سکتے ہیں، اسکولوں میں تو عام طور سے یہ بات ہے، تو میں آپ کو ڈراتا ہوں کہ یہ وہ راستہ ہے، جو اس عہد کے خلاف ہے، اس کی اس تعریف کے بالکل متضاد ہے، اللہ تعالی نے ان چند اولوالعزم اور اعلی طبقہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مسلمانوں کی پہلی نسل کے برگزیدہ حضرات کے متعلق کہا ہے، لیکن یہ الفاظ قیامت تک کے لئے ہیں" من المؤمنین رجال صدقوا ماعاهد وا الله علیه" اہل ایمان وہ شیر مرد لوگ ہیں، جنھوں نے سچ کر دکھایا، جس کا عہد تھا یہی ہمارے لئے خدا کا حکم ہے، یہی ہمارے لئے منشور ہے، کہ کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھ کر ایک عہد کیا ہے، ہم اللہ اور رسول کی طرف نسبت رکھنے والی چیز کو اور ان کی طرف سے آئی ہوئی چیز کو چاہے وہ اعتقادات سے تعلق رکھتی ہو، خواہ عبادات سے تعلق رکھتی ہو، خواہ رسم ورواج سے تعلق رکھتی ہو، اقتصادیات سے تعلق رکھتی ہو، سیاست سے تعلق رکھتی ہو۔ چاہے وہ افکار وفلسفوں سے تعلق رکھتی ہو، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آئی ہوئی چیز کو ہر حال میں اس کو ترجیح دیں گے، چاہے اس میں ہماری جان چلی جائے، چاہے ہماری اولاد خطرہ میں پڑ جائے، یہ کیا کھائے گی فاقہ کرے گی، آج بہت سے لوگ مسلمانوں کو ڈراتے ہیں، کہ اگر انھوں نے یہ تعلیم نہیں دی، اگر ان کو اسکول نہیں بھیجا انھوں نے ہندی نہیں پڑھی اور پھر انھوں نے اپنی تعلیم آگے جاری نہیں رکھی تو یہ فاقہ کریں گے، کھانے کو نہیں ملے گا اور ترسیں گے ایک ایک لقمہ کو، آپ ان کے حق میں خودکشی، نسل کشی کر رہے ہیں، آپ اپنے ان بچوں کو گویا فنا کے گھاٹ اتار رہے ہیں۔

ہم ان باتوں کو نہیں جانتے، اسلام ایک عہد ہے، ہم نے عہد کیا ہے، وہ عہد یہ ہے، اللہ اور رسول کی بات کو اللہ اور رسول کی طرف سے آئی ہوئی بات کو، اللہ اور رسول سے مانگی اور مطالبہ کی ہوئی بات کو ترجیح دیں گے، تمام حقیقی، یقینی اور متخیلہ اور ممکن الوقوع تمام خطرات پر اور نقصانات پر، بس آپ یاد رکھیں یہ اسلام ہے، اسلام وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اس کا تعلق عقائد سے بھی ہے، معاملات سے بھی ہے، شادی بیاہ کی رسموں سے بھی ہے، میاں بیوی کے تعلقات سے بھی ہے، اور اپنے پڑوسی کے تعلقات سے بھی ہے۔

زندگی ایسی بدل جائے، میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں، جس سے آپ سمجھیں کہ زندگی کیسی بدلتی ہے، جو یہاں کی تاریخ سے تعلق رکھتی ہے یہ چیز، کہ جب پشاور فتح ہوا، مجاہدین نے پشاور فتح کیا، حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں، کئی ہفتے گذر گئے، وہاں کے ایک پٹھان نے ایک ہندوستانی (غالباً یو۔پی یا اودھ کے ہوں گے) کا ہاتھ پکڑا اور کہا میاں صاحب میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، بتائیے گا؟ انھوں نے کہا کہ پوچھئے، ہندوستان کے لوگوں، ہندوستانی نسل کی اس کی دور کی نظر کمزور ہوتی ہے کیا؟ دور کی نہیں دیکھ سکتے ہیں کیا؟ کہا خوب دیکھتے ہیں، کہا کہ نہیں نہیں آپ صاف صاف بتائیے ہوسکتا ہے کہ آپ مستثنیٰ ہوں لیکن میرا خیال ہے ہندوستانی نسل کا جسم وغیرہ تو ٹھیک ہوتا ہے لیکن دور کی نظر کمزور ہوتی ہے، انہوں نے کہا کہ آپ بتائیے کہ آپ پوچھ کیوں رہے ہیں، اس کی ضرورت کیا پیش آئی، کہا کہ میں اس لئے پوچھتا ہوں کہ میں دیکھتا ہوں آپ میں سے بعض لوگ چار برس سے اپنا گھر چھوڑ کر یہاں آئے ہیں، پانچ برس گذر گئے ہیں اور جوان ہیں، بیوی بچوں کو آپ چھوڑ آئے ہیں ہندوستان میں ہم نے آپ میں سے کسی بھائی کو نامحرم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا، یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا ایک ہوں، دو ہوں، سب کے سب کی حالت یہ ہے کہ جوان ہیں، تندرست ہیں، یہ لوگ عام طور پر طاقتور ہوتے ہیں، فوجی لوگ ہیں، دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نوجوان ہیں اور خون ہے ان کے جسم میں اور ہر طرح سے صحیح الاعضاء ہیں اور پھر ہم دیکھتے ہیں ایک شخص بھی کسی غیر محرم کی طرف نہیں دیکھتا پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ جو پٹھانوں کا ملک ہے، اس میں حسن و جمال بھی ہے، اس میں صحت و تندرستی بھی ہوتی ہے، کسی کو بھی تو دیکھا ہوتا ہے کہ وہ نامحرم اور غیر عورت کو دیکھ رہا ہے، اس کی نیت تو نہ ہو لیکن دیکھ ہی کر تسکین حاصل کر لے، ہم دیکھ رہے ہیں کہ سینکڑوں کی تعداد میں فوجی ہیں اور سب کے سب ایسے محتاط ہیں کہ کوئی غیر محرم کو دیکھتا نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ قرآن شریف میں فرماتا ہے، **قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظو فروجھم** "اہل ایمان سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور یہ ہمارے امام کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

حضرات: اگر یہ ہم مسلمانوں کی حالت ہوتی ہے، مسلمانوں میں اخلاقی معیار پر ہوتے

اور ہماری یہ امتیازی شان ہوتی تو ہندوستان کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا، یعنی اگر یہ معلوم ہوتا، یہ بات میں نے ابھی نیویارک گیا تھا، نیویارک میں مسلمانوں سے خطاب کرنے کا موقع ملا ایک اجتماع میں، ان سے بھی کہا کہ یہاں کی آبادی کو محسوس کرائیں کہ آپ کوئی اور مخلوق ہیں، اس معنی میں نہیں کہ آپ انگریزی نہیں جانتے ہیں، اس معنی میں نہیں، اپنے اخلاق سے یہ ثابت کریں، اپنی زندگی سے ثابت کریں کہ آپ کوئی اور دوسری ہستی، دوسری طاقت اور قانون کو ماننے والے ہیں، آپ لذت کے پرستار نہیں، آپ مزے کے بندے نہیں، آپ کے یہاں فیصلہ کرنے کا معیار یہ نہیں ہے کہ یہ چیز لذیذ ہے، یا غیر لذیذ یا مفید ہے یا غیر مفید، یہ چیز قیمتی ہے یا کم قیمت میں ہے، اس سے زیادہ تنخواہ ملے گی، یا اس سے کم تنخواہ ملے گی، آپ کے نزدیک فیصلہ کن چیز ایمان ہونا چاہئے، میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کو مسلمانوں کی سی زندگی گذارتی ہے، صاف نظر آرہا ہے کہ مسلمان جارہے ہیں، مسلمانوں کا لباس بھی ابھی تک بہت جگہ وہی چل رہا ہے، جوتھا، لیکن اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں اگر ذہن یہی رہا، جس میں نفع ہو وہ کام کیا جائے تو لباس کا بھی کچھ اعتبار نہیں، اور لباس کیا یہ تو بہت معمولی چیز ہے، جب ایمانیات اور اعتقادات میں فرق آجائے، زمانہ کا لحاظ کر کے اور زمانہ کے تقاضہ کے مطابق تو لباس کیا چیز ہے، لباس تو اگر بالکل غیر شرعی نہیں تو جائز ہے بالکل اس کو پہن سکتے ہیں، لیکن اصل چیز یہ ہے کہ رجال صدقوا ماعاھدوا اللہ علیہ" وہ شیر مرد ہوں جو سچ کر دکھائیں جو انھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا، آپ نے اللہ سے عہد کیا ہے، کلمہ "لا اللہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھا ہے، اب بالکل آپ کا راستہ ایک دوسرا ہے، یہاں تک کہ طرز زندگی میں، اخلاقیات میں، تجارت میں سیاست میں، سب میں آپ کا الگ طریقہ ہے یہ حلال یا حرام ہے، یہ جائز ہے یا ناجائز ہے، یہ ثواب کا کام ہے یہ گناہ کا کام ہے، ہماری زندہ کی ایک ممتاز کھلی ہوئی ایک نشانی چاہئے، اس طرف نگاہیں اٹھیں معلوم ہو تحقیق کرنے پر مطالعہ کرنے پر یہ لوگ کن باتوں پر یقین رکھتے ہیں، ان کا مزہب کیا ہے، ان کو تربیت کہاں سے ملی ہے، اور یہ تعلیم ان کو کس نے دی ہے؟

یہ ہماری حالت اگر ہندوستان میں ہوتی تو آج مسلمانوں کی حالت ہی کچھ دوسری ہوتی، جیسا کہ معلوم ہے مصر پورا کا پورا، عراق پورا کا پورا اور ایران پورا کا پورا، مسلمان ہو گیا، رسم الخط بدل گئے، افکار بدل گئے، زندگی کے معیار بدل گئے، رہن سہن کا طریقہ بدل گیا، لیکن

ہم نے ہندوستان میں اس کا ثبوت نہیں مگر الا ماشاء اللہ جیسے حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت تھی، حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت تھی، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ تھا، بزرگاہ دین خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان آئے، اصل فاتح معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہیں ابوالفضل تک نے لکھا ہے جو اکبر کا بڑا معتمد الیہ اور دین کے معاملہ میں بڑا آزاد خیال تھا کہ آج جو مسجدوں میں اذانیں ہو رہی ہیں یہ سب خواجہ معین الدین چشتی کا فیض ہے، انہوں نے ہندوستان کا دل جیت لیا میں نے اپنے خطبہ میں کہا تھا کہ سلاطین نے ہندوستان کی زمین فتح کی اور انہوں نے دل فتح کئے اور اس قوم کا دل جیت لیا اپنے اخلاق سے اپنی روحانیت سے۔

میں زیادہ طول دینا نہیں چاہتا رات کا وقت ہے آپ دور دور سے آئے ہوں گے اس کا اثر پڑتا ہے نمازوں پر یہی بات سمجھ لیں کہ یہ اسلام ایک عہد نامہ ہے یاد رکھیں اور تعریف ان کی کی گئی جنہوں نے اس عہد نامہ پر پورا پورا عمل کیا اور دکھا دیا کہ اور ثابت کر دیا کہ ہم ایمان کے پکے ہیں اور سچے ہیں ہم نے اسلام کے ساتھ جو عہد کیا ہے ہم اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈریں گے،، اس کے سوا ہم کسی کے ہاتھ بکیں گے نہیں ''ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین أنفسهم و أموالهم'' اللہ خرید چکا ہے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور مال سودا دو مرتبہ نہیں ہوتا سودا ہو گیا اب ہمارا سودا ہو گیا اللہ کے ہاتھ، اللہ نے ہم سے ہماری جانیں خریدی ہماری مال خریدے، ہمارا دل و دماغ خریدا، اب اس کے بعد ہم کسی تغیر و انقلاب کے خواہ وہ سیاسی انقلاب ہو خواہ وہ سیاسی ثقافت ہو خواہ کوئی چیز ہو ہم کسی حادثہ کسی تغیر یا خطرہ کی وجہ سے ہم اپنے طرز زندگی کو نہیں بدلیں گے اور اپنے عہد کو نہیں چھوڑیں گے۔

یہی پیغام تھا یہاں قافلہ میں آنے والوں کا جس کا نام قافلہ رکھا گیا ہے گویا وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ دنیا قافلہ ہی کی جگہ ہے قافلہ یہ محلّہ بلکہ ساری دنیا قافلہ ہے ہم سب مسافر ہیں آ کر ٹھہرا اور کل کو چلا جائے گا کس کا کل کب آتا ہے لیکن سب کو جانا ہے اس کو نہیں، ساری دنیا کو قافلہ سمجھ لیجئے ہم سب قافلہ کے رہنے والے ہیں اپنی منزل پر نظر رکھنی چاہئے اور کسی چیز پر نہیں رکھنی چاہئے مقصد صرف ایک ہے رضائے الٰہی اور اللہ کی خوشنودی دستاویز اور ''صدقوا ما عاهدوا الله عليه'' انہوں نے جو اللہ سے عہد کیا تھا سچ کر دکھایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عورت اقبال کے کلام میں

جدید شاعری میں غالباً حالی اور اقبال ہی دو ایسے شاعر ہیں جن کے یہاں غزلوں میں صنفی آلودگی، عریانیت، اور سطحیت نہیں ملتی۔ بلکہ اس کے برخلاف عورت کے مقام واحترام اور اس کی حیثیت عرفی کو بحال کرنے میں ان دونوں کا بڑا ہاتھ نظر آتا ہے۔

اقبال عورتوں کے لئے وہی طرز حیات پسند کرتے تھے جو صدر اسلام میں پایا جاتا تھا جس میں عورتیں مروجہ برقع نہ ہوتے ہوئے بھی شرم وحیا، اور احساس عفت وعصمت میں آج سے کہیں زیادہ تھیں۔ اور شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں۔

۱۹۱۲ء میں طرابلس کی جنگ میں جب انکو اس کا ایک نمونہ دیکھنے کو ملا یعنی ایک عرب لڑکی فاطمہ بنت عبداللہ غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہوئی تو انہوں نے اس کا زوردار ماتم کیا۔

فاطمہ! تو آبروئے امت مرحوم ہے،
ذرہ ذرہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے،
یہ سعادت حور صحرائی تری قسمت میں تھی
غازیان دین کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر
ہے جسارت آفریں شوق شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس گلستان خزاں منظر میں تھی،
ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی
اپنے صحرا میں ابھی بہت آہو پوشیدہ ہیں
بجلیاں، برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے
نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے
رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے
ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگامہ تیری تربت خاموش میں
پل رہی ہے ایک قوم تازہ اس آغوش میں

انہیں سبزوران ہند اور ایسے تمام فن کاروں سے شکایت تھی، جو عورت کے نام کا غلط استعمال کر کے ادب کی پاکیزگی، بلندی اور مقصدیت کو صدمہ پہنچاتے ہیں۔ وہ اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں:

چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار

ہند کے شاعر وصورت گر وافسانہ نویس، آہ بیچاروں کے اعصاب کہ مسلمان خاتون کے لئے دلبری اور بناؤ سنگار ایک معنی میں کفر ہے بلکہ انہیں تو اپنی شخصیت، انقلابی فطرت، اور پاکیزہ نگاہی سے باطل کی امیدوں پر پانی پھیر دینا چاہئے۔

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا
مسلماں را نہ زیبد کافری ہا

وہ کہتے ہیں کہ مسلمان عورت کو پردہ کے اہتمام کے ساتھ بھی معاشرہ اور زندگی میں اس طرح رہنا چاہئے کہ اس کے نیک اثرات معاشرہ پر مرتب ہوں اور اس کے پرتو سے حریم کائنات اس طرح روشن رہے جس طرح ذات باری کی تجلی حجاب کے باوجود کائنات پر پڑ رہی ہے:

ضمیر عصر حاضر بے نقاب است
کشادش در نمود رنگ و آب است
جہاں تابی ز نور حق بیاموز
کہ او با صد تجلی در حجاب است

وہ دنیا کی سرگرمیوں کی اصل ماؤں کی ذات کو قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان کی ذات امین ممکنات ہے اور انقلاب انگیز مضمرات کی حامل ہے اور جو قومیں ماؤں کی قدر نہیں کرتیں ان کا نظام زندگی سنبھل نہیں سکتا:

جہاں را محکمی از امہات است
نہاد شاں امین ممکنات است
اگر ایں نکتہ را قومے نداند،
نظام کاروبارش بے ثبات ست

وہ اپنی صلاحیتوں اور کارناموں کو اپنی والدہ محترمہ کا فیض نظر بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ آداب واخلاق تعلیم گاہوں سے نہیں ماؤں کی گود سے حاصل ہوتے ہیں۔

مرا داد ایں خرد پرور جنونے
نگاہ مادر پاک اندرونے
زمکتب چشم ودل نتواں گرفتن
کہ مکتب نیست جز سحر وفسونے

وہ قوموں کی تاریخ اور ان کے ماضی وحال کو ان کی ماؤں کی پیشانیوں کا فیض قرار دیتے ہیں کہ ماؤں کی پیشانیوں پر جو لکھا ہوتا ہے وہی قوم کی تقدیر ہوتی ہے:

خنک آں ملتے کز وارداتش
قیامت ہا بہ بیند کائناتش
چہ پیش آید چہ پیش افتاد اورا،
تواں دید از جبین امہاتش

وہ ملت کی خواتین کو دعوت دیتے ہیں کہ ملت کی تقدیر سازی کا کام کریں اور ملت کی شام الم کو صبح بہار سے بدل دیں اور وہ اس طرح کہ گھروں میں قرآن کا فیض عام کریں جیسے کہ حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ نے اپنی قرآن خوانی سے ان کی تقدیر بدل دی اور اپنے لحن ولہجہ کے سوز وساز سے ان کے دل کو گداز کر دیا تھا۔

زشام ما بروں آور سحر را
بہ قرآن باز خواں اہل نظر را
تو می دانی کہ سوز قرأت تو
دگرگوں کرد تقدیر عمرؓ را

اقبال معاشرتی اور عائلی زندگی میں ماں کے مرکزی مقام کے قائل ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خاندانی نظام میں جذبہ امومت اصل حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ اور اس کے فیض سے نسل انسانیت کا باغ لہلہاتا رہتا ہے ان کا خیال ہے کہ جس طرح گھر سے باہر کی زندگی میں مردوں کو فوقیت حاصل ہے اس طرح گھر کی اندرونی سرگرمیوں میں عورت اور خصوصا ماں کی اہمیت ہے اس لئے کہ اس کے ذمہ نسل کی داشت و پرداخت اور دیکھ بھال ہوتی ہے انسان کا پہلا مدرسہ عورت کی گود ہوتی ہے، ماں جتنی مہذب شائستہ اور بلند خیال ہوگی بچے پر بھی اتنے ہی یہ اثرات مرتب ہوں گے اور ایک اچھی نیک اور قابل فخر نسل تربیت پا سکے گی:

وہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے جس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

اقبال کی نظر میں عورت کا شرف و امتیاز اس کے ماں ہونے کی وجہ سے ہے جو قومیں امومت (حق مادری) کے آداب نہیں بجالائیں تو انکا نظام ناپائیدار اور بے اساس ہوتا ہے اور خاندانی نظام میں جذبہ امومت نہ ہونے سے امن وسکون درہم برہم ہو جاتا ہے، افراد خاندان کا باہمی اتحاد و اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ چھوٹے بڑے کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور بالآخر اقدار عالیہ اور اخلاقی خوبیاں دم توڑ دیتی ہیں ان کے اخلاق میں مغرب کا اخلاقی بحران اس لئے رونما ہوا ہے کہ وہاں ماں کا احترام اور صنفی پاکیزگی ختم ہوگئی ہے۔

وہ آزادی نسواں کی تحریک کے اس لئے حامی نہیں کہ اس کا نتیجہ دوسرے انداز میں عورت کی غلامی ہے اس سے انکی مشکلات آسان نہیں بلکہ اور پیچیدہ ہو جائیں گی۔

اور انسانیت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ جذبہ امومت ختم ہو جائے گا۔ ماں کی مامتا کی روایت کمزور پڑ جائے گی۔ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ جس علم سے عورت اپنی خصوصیات کھودیتی ہے وہ علم نہیں بلکہ موت ہے، اور فرنگی تہذیب قوموں کو اسی موت کی دعوت دے رہی ہے۔:

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ اموت
ہے حضرت انسان کے لئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن
ہے عشق و محبت کے لئے مسلم و ہنر موت
علم او بار امومت بر نتافت
برسر شاخس یکے اختر نتافت
ایں گل از بستان ما نارستہ بہ
داغش از دامان ملت شستہ بہ

اقبال کے خیال میں آزادی نسواں ہو یا آزدی رجال یہ دونوں کوئی معنی نہیں رکھتے بلکہ مرد و زن کا رابطہ باہمی ایثار اور تعاون ایک دوسرے کے لئے ضروری ہے زندگی کا بوجھ ان دونوں کو مل کر اٹھانا اور زندگی کو آگے بڑھانا ہے ایک دوسرے سے عدم تعاون کے بسبب زندگی کا کام ادھورا اور اس کی رونق پھیکی ہو جائے گی اور بالآخر یہ نوع انسان کا نقصان ہوگا۔

مرد و زن وابستہ یک دیگر اند
کائنات شوق را صورت گر اند
زن نگہ دارندۂ نار حیات
فطرت او لوح اسرار حیات
آتش ما را بجان خود زند،
جوہر او خاک را آدم کند
در ضمیرش ممکنات زندگی
ازتب وتابش ثبات زندگی
ارج ما ازار جمندی ہائے او
باہمہ از نقشبندی ہائے او

اقبال فرماتے ہیں کہ عورت اگر علم وادب کی کوئی بڑی خدمت انجام نہ دے سکے تب بھی صرف اس کی مامتا ہی قابل قدر ہے جس کے طفیل مشاہیر عالم پروان چڑھتے ہیں اور دنیا کا کوئی انسان ہے جو اس کا ممنون احسان نہیں:

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا در مکنوں
مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطوں

آزادی نسواں کی تحریک سے مرد وزن کا رشتہ جس طرح ٹوٹا اور اس کے جو برے نتائج سامنے آئے اقبال کی نظر میں اس کی ذمہ دار مغربی تہذیب ہے۔ مرد فرنگ کے عنوان سے کہتے ہیں:

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پر ہیں ماہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بے چارہ زن شناس نہیں
کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہندو، یونان ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال؟
مرد بیکار وزن تہی آغوش

اقبال پردے کی حمایت میں کہتے ہیں کہ پردہ عورت کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں، وہ پردے میں رہ کر تمام جائز سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے اور اپنے فرائض کی انجام دہی کر سکتی

ہے۔ کیونکہ خالق کائنات پس پردہ ہی کارگاہ عالم کو چلا رہا ہے اس کی ذات کو حجاب قدس میں ہے لیکن اس کی صفات کی پرچھائیاں بحر و بر پر پھیلی ہوئی ہیں۔

مولانا آسی نے خوب کہا ہے

بے حجابی یہ ہے کہ ہر شے سے جلوہ آشکار
اس پہ پردہ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

اقبال عورت کو خطاب کرتے ہیں کہ:

جہاں تابی ز نور حق بیاموز
کہ او با صد تجلی در حجاب است

وہ پردے کے مخالفوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ پردہ جسم کا حجاب ہے لیکن اس سے عورت کی بلند صفات اور پنہاں امکانات کے لئے رکاوٹ کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اصل سوال یہ نہیں ہے کہ چہرہ پر پردہ ہو یا نہ ہو بلکہ یہ ہے کہ شخصیت اور حقیقت ذات پر پردے نہ پڑے ہوں، اور انسان کی خودی بیدار اور آشکار ہو چکی ہو:

بہت رنگ بدلے سپہر بریں نے
خدایا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں، میں نے
وہ خلوت نشیں ہے یہ جلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولاد آدم
کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

پردے کی حمایت وتائید میں اقبال نے ''خلوت'' کے عنوان سے ایک نظم کہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پردہ کی وجہ سے عورت کو یکسو ہو کر اپنی صلاحیتوں کو نسلوں کی تربیت پر صرف کرنے اور اپنی ذات کے امکانات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے اس کے ساتھ ہی اسے سماجی خرابیوں سے الگ رہ کر اپنے گھر اور خاندان کی تعمیر کا سامان میسر آتا ہے۔ گھر کے پرسکون ماحول کے اندر اسے زندگی کے مسائل اور معاشرتی موضوعات کو سوچنے سمجھنے کی آسانیاں ملتی ہیں۔ اور اس طرح وہ اپنے اور دوسروں کے لئے بہتر کارگزاری کر سکتی ہے:

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگاہ آئینہ دل ہے مکدر
بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدوں سے
ہوجاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
آغوش صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر
خلوت میں خودی ہوتی ہے خودگیر ولیکن
خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسر

ایک بڑا معاشرتی سوال یہ رہا ہے کہ مرد وزن کے تعلق میں بالا دستی کیسے حاصل ہو؟ اس لئے کہ دنیا کا کوئی بھی تعلق ہو اس میں کوئی ایک فریق شریف غالب کی حیثیت ضرور رکھتا ہے اور یہ اس کائناتی حقیقت پر مبنی ہے کہ ہر شے اور ہر انسان ایک دوسرے کا محتاج ہے اور ہر ایک، ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے۔ خصوصاً مرد وزن کے تعلقات میں چند چیزوں میں عورت کو مرد پر فضیلت اور اولیت حاصل ہے اور یہ بھی کسی نسلی اور صنفی تفریق کی بنا پر نہیں، بلکہ خود عورت کے حیاتیاتی، عضویاتی فرق اور فطرت کے لحاظ کے ساتھ اس کے حقوق ومصالح کی رعایت کے پیش نظر ہے۔ نگرانی اور قومیت ایسی چیزیں نہیں جو مرد وعورت دونوں کے سپرد کردی جاتی، یا صرف عورت کو دے دی جاتی اقبال نے مغرب کے نام نہاد ''آزادی نسواں'' کی پرواہ کئے بغیر عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی پرزور وکالت کی اور عورت کی حفاظت کے عنوان سے کہا:

اک زندہ حقیقت میرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ، نے تعلیم، نئی ہو کر پرانی،
نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

یہ نظم درحقیقت حدیث شریف "لن یفلح قوم وتو علیھم امرأۃ" کی ترجمانی ہے۔
انہوں نے اپنی دوسری نظم میں فرمایا:

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود
راز ہے اس کے تپ غم کا یہی نکتہ شوق
آتشیں لذت تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرار حیات
گرم اسی آگ سے ہے معرکہ بود و نبود
میں بھی مظلومی نسواں سے ہوں غمناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود

اقبال نے اپنے کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ بلند ارشادات بھی لائے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ:

حبب الی من دنیاکم الطیب والنساء وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (مجھے دنیا کی چیزوں میں خوشبو اور عورتیں پسند کرائی گئیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔)

اقبال نے اس حدیث کا بھی حوالہ دیا کہ جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔ انہوں نے اموت کو رحمت کہا ہے اور اسے نبوت سے تشبیہ دی ہے۔ ماں کی شفقت کو وہ پیغمبر کی شفقت قرار دیتے ہیں اس لئے کہ اس سے بھی اقوام کی سیرت سازی ہوتی ہے اور ایک ملت وجود میں آتی ہے:

آں یکے شبستان حرم،
حافظ جمعیت خیر الامم
سیرت فرزند ہا از امہات
جوہر صدق وصفا ازا مہات

آنکہ ناز بر وجودش کائنات
ذکر او فرمود باطیب صلوٰۃ
گفت آں مقصود حرف کن فکاں
زیر پائے امہات آمد جناں
نیک اگر بینی امومت رحمت ست
زآنکہ اورا باپنبوت نسبت ست
شفقت او شفقت پیغمبر ست
سیرت اقوام را صورت گرست
از امومت پختہ تر تعمیر ما
درخط سیمائے او تقدیر ما
آب بند نخل جمعیت توئی
حافظ سرمایہ ملت توئی
ہوشیار از دست و برد روزگار
گیسر فرزندان خود را درکنار

آخر میں یہ بتادینا ضروری ہے کہ اقبال فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو ملت اسلامیہ کی ماؤں کے لئے مثالی خاتون سمجھتے ہیں۔ اور جگہ جگہ ان کی اتباع کی تاکید کرتے ہیں کہ وہ کس طرح چکی پیستے ہوئے بھی قرآن پڑھتی رہتی تھیں۔ اور گھریلو کاموں میں مشکیزہ تک اٹھانے پر صبر فرماتی تھیں اقبال کے خیال میں سیرت کی اس پختگی سے حضرات حسنین انکی آغوش سے نکلے۔

مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ
آں ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیاں گرداں ولب قرآن سرا

فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند
چشم ہش از اسوۂ زہراؓ بلند
تا حسینے شاخ تو بار آورد
موسم پیشیں بہ گلزار آورد

وہ مسلمان خاتون کو وصیت کرتے ہیں کہ:

اگر پندے ز درویشے پزیری
ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولؓ باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرےؓ بگیری

ایک مثالی شخصیت شیخ حسن البناء شہیدؒ

نحمدہ وصلی علی رسولہ الکریم اما بعدo فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیمo بسم اللہ الرحمن الرحیم o

اسلام ابدی اور خدا پسندیدہ دین، اور امت مسلمہ اس کا شاداب اور سدا بہار درخت ہے، یہ خدائی ترکش ہے کہ نہ اس کے تیر ختم ہوتے ہیں اور نہ نشانہ خطا ہوتا ہے سب سے بڑا ثبوت اس امت میں ایسے مصلحین ومجاہدین، خداداد صلاحیتوں سے مالا مال، مؤید من اللہ، نادرۂ روزگار، اور اسلام کی لئے باعث صد افتخار شخصیتیں ہیں، جو ناساز گار حالات، مخالف ماحول اور بیم ورجا کی تیرہ وتاریک فضا میں ایک ایسی قوم میں پیدا ہوتی ہیں جو فکری زوال واضمحلال، روحانی افلاس، ارادہ کی کمزوری، عزم وہمت کی پستی، اخلاقی فساد، راحت طلبی وعافیت پسندی، ہر قوت وطاقت کے سامنے سپر اندازی، اور اصلاح حال سے مایوسی کا شکار ہوتی ہے۔ اس وقت یہ پوری نسل ایک ہی سانچہ میں ڈھلی ہوتی ہے، بالکل ایسے ہی جیسے ایک پریس سے شائع ہونے والی کتاب کا کوئی ایڈیشن ہو کہ جس کے ایک نسخہ کو پڑھ کر باقی سارے نسخوں کے بارے میں رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ اس ماحول ومعاشرہ میں نہ کوئی ندرت وجدت ہوتی ہے۔ نہ حوصلہ مندی وعالی ہمتی کا جذبہ اس ماحول میں عام ورائج چیزوں کے علاوہ کوئی نئی بات نہیں پائی جاتی اور نہ عام معیار سے اونچی کوئی چیز نظر آتی ہے۔ پوری زندگی ایک ٹرین کے مانند ہے جس کو ایک ہی انجن کھینچ رہا ہے اور وہ شکم پروری وما دہ پرستی، خود غرضی ومصلحت پرستی، لطف اندوزی ونفع خوری کا انجن ہے، یا مادی قوت اور ہوس اقتدار کا انجن ہے، پوری زندگی ایک ہی کھیل یا ایک ہی ڈرامہ نظر آتی ہے، جو بڑی مہارت وفنکاری کے ساتھ اسٹیج کیا گیا ہو اور انسانیت یا تاریخ اسلام کے اسٹیج پر اس کو بار بار دکھایا جا رہا ہو، اور اس کا ہر ہیرو اپنا پارٹ پوری چابک دستی وسلیقہ مندی کے ساتھ ادا کر رہا ہو اور آخر میں یہ ڈرامہ تماشائیوں کی تالیوں یا مقتولین ومجروحین کی آہ وبکا پر ختم ہو جائے۔

بیسویں صدی کے آغاز میں پورے عالم عربی خصوصاً مصر میں یہی ڈرامہ اسٹیج ہو رہا تھا، قافلہ رواں دواں تھا زندگی کی ٹرین اپنے محدود مقاصد کے ساتھ نامعلوم منزل کی طرف چل رہی تھی، ایک ہی طرح کی آوازیں آ رہی تھیں ایک ہی راگ الاپا جا رہا تھا کہ پردہ کی آڑ سے اچانک ایک شخص نمودار ہوتا ہے، یا یوں کہئے کہ پرانے ملبہ کی تہہ اور تاریخ کی سلوٹوں سے ایک مرد آہن باہر آ جاتا ہے، اور اس مطمئن اور غافل قافلہ کو چونکا دیتا ہے جو چند حقیر مقاصد کی حصول یابی کے سوا کچھ نہیں جانتا، جس کو اپنی دنیاوی ضروریات اور جسمانی راحت و آرام کے سوا کسی اور چیز کی فکر نہیں ہوتی۔

پردہ کے پیچھے سے آنے والا یہ شخص قافلہ والوں کو ہاتھ دیتا ہے، ٹرین کے سامنے خطرہ کی جھنڈی ہلاتا ہے۔ اصلاح حال اور انسانیت کے عام رجحان اور اس کے انجام، امت مسلمہ کے مقام اور اس کی اس ذمہ داری کے بارے میں ازسرنو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ اس امت کو اس کا پیغام یاد دلاتا ہے، وہ بگڑے ہوئے حالات، اخلاقی پستی، گمراہ کن عقائد، جاہلی رسوم و عادات، شکم پروری و ہوس پرستی، اور قوت و طاقت کے سامنے سرافگندگی کے خلاف آواز بلند کرتا ہی، وہ ایک صاف ستھری زندگی، ایک نیک چلن اور انصاف پسند معاشرہ اور نئے و پختہ ایمان کی دعوت دیتا ہے۔ وہ ایسے اسلام کی دعوت دیتا ہے جس کی جڑیں مضبوط اور زندگی کے تمام شعبوں میں پیوست ہوں۔ یہ شیر دل شخص بڑی بلندی سے عقابی روح کے ساتھ ایسی بلند و گونجتی ہوئی آواز لگاتا ہے کہ قافلہ میں کھلبلی مچ جاتی ہے، اس سے جذبات و احساسات میں ایسا کیف و سرور پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کو نظر انداز کر کے اور اس کو ناقابل التفات سمجھ کر اپنی رفتار کا جاری رکھنا ممکن نہیں ہوتا، کچھ لوگ گوش برآواز ہوتے ہیں، کچھ تھمتے ہیں پھر آواز لگانے والے کی طرف بڑھنے لگتے ہیں تھوڑا ہی وقت گذرتا ہے کہ قافلہ والوں کی بڑی تعداد اس کی ارد گرد جمع ہو جاتی ہے۔ یہ داعی اس مجموعہ سے ایک نیا قافلہ تیار کرتا ہے اور پھر یہ قافلہ اس کی دل لگتی باتوں پر سرمست و سرشار ہو کر، خدا پر بھروسہ و اعتماد کر کے بنام خدا سفر شروع کرتا ہے۔ ایسے ماحول و معاشرہ کے خلاف آواز بلند کرنے والے ان داعیوں کی زندگی ایسی درخشاں و تابناک ہے کہ اس سے دعوت و اصلاح کی تاریخ میں چار چاند لگ جاتے ہیں، یہ داعیان اسلام کا وہ قافلہ ہے جس سے تاریخ اسلام کا کوئی عہد کبھی خالی نہیں رہا۔

یہ عظیم شخصیت ان شخصیتوں میں سے ہے جنہیں دست قدرت بناتا وسنوارتا ہے، اور خدائی تربیت اسے پروان چڑھاتی ہے۔ پھر صحیح وقت اور صحیح جگہ پر اس کو کھڑا کردیتی ہے۔ فکر صالح اور قلب سلیم رکھنے والا جو شخص بھی تعصب سے بلند ہو کر انکی تصانیف کو پڑھے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ شخص خداداد صلاحیتوں سے مالا مال ہے، وہ کسی خاص ماحول یا درس گاہ، تاریخ اور زمانہ، یا محنت و کدو کاوش، یا مشق و تجربہ کی پیداوار نہیں۔ بلکہ وہ توفیق خداوندی، حکمت ربانی، اور اس دین کے ساتھ اس کی عنایت کی پیداوار ہے، وہ ایسا ہونہار پودا ہے جس کی نگہداشت کسی بڑے کام اور بڑی امید کے لئے کی جاتی ہے جہاں اس کی بڑی قیمت ہوتی ہے۔

جو شخص بیسویں صدی کے اوائل میں مشرق وسطی اور خاص طور سے مصر کے حالات سے واقف ہو، اور عالم اسلام کا یہ اہم اور مرکزی حصہ عقیدہ و جذبات، اخلاق و معاشرت، عزم و ارادہ اور جسم و قلب کی جس کمزوری کا شکار تھا اس پر اس کی نظر ہو، ممالیک (مصر کا حاکم خاندان غلامان) ترکوں اور فدیو خاندان کے دور حکومت نے جو اثرات اس پر چھوڑے تھے پھر اس میں برطانوی سامراجیوں نے جو اضافہ کیا تھا، اور مغربی تمدن اور موجودہ غیر دینی تعلیم، اور مفاد پرست ذہنیت رکھنے والی سیاسی پارٹی بندی نے جو ذہن تیار کیا تھا وہ بھی اس کی نگاہ کے سامنے ہو۔

اس عہد کے علماء کی کمزوری اور قوت و مادیت کے سامنے ان کی سرافگندگی پر بھی نظر ہو جس نے اس میں مزید نزاکت پیدا کردی تھی، ان علماء میں سے اکثر امامت و رہنمائی کا منصب چھوڑ چکے تھے اور دعوت و ارشاد اور جہاد مقابلہ کے میدان کو خیر باد کہہ کے حالات کی رو میں بہہ رہے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آواز پست ہو چکی تھی، بے حیائی و بے راہ روی اور الحاد و دہریت کے داعی سرگرم عمل تھے، مقبول و کثیر الاشاعت اخبارات و رسائل نے فساد اور بگاڑ پیدا کرنے والی دعوتوں اور تخریب پسند تحریکوں کے لئے اپنا دامن وسیع کر رکھا تھا۔ یہ اخبارات و رسائل دین اور دینی قدروں، اخلاق اور اس کے اصولوں کا مزاق اڑا رہے تھے، بلاد عربیہ عموماً اور مصر خصوصاً سطحیت پسند، ضعف و انحطاط، جذباتیت و اخلاقی انارکی اور روحانی زوال کی آخری منزل کو پہنچ چکا تھا۔

ان ملکوں کے یہ شب و روز جس شخص کے علم میں ہوں پھر وہ ان کی تصویر مصر سے نکلنے

والے ''الاھرام''، ''المقطم''، ''الھلال'' اور ''المصور'' کے آئینہ میں دیکھے، پھر ان کتابوں میں اس کا مشاہدہ کرے جو مصری ادباء وصحافی پیش کر رہے تھے۔ وہ ادباء وصحافی جن پر مصری نوجوان فریفتہ اور جن کا ان کے دل ودماغ پر جادو تھا۔ پھر وہ شخص اس پوری صورت حال کا صحیح خدوخال اور پورا عکس مصر کی پرمسرت تقریبوں اور جشن کی محفلوں اور مجلسوں میں دیکھے، نوجوانوں، اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کے ذوق ورجحان کا ان کی محفلوں اور جلسوں میں مشاہدہ کرے، وہ اسکندریہ اور اس کے ساحل کے حیاسوز مناظر دیکھے، اس نے اس کا وٹوں کے ساتھ کچھ وقت گذارا ہو۔ کھیل وورزش کے میدانوں میں رہا ہو، سنیما گھروں میں مقامی وبیرونی فلموں کو دیکھا ہو۔ ان مخرب اخلاق افسانوں کو پڑھا ہو جو مصری پریس سے سیلاب کی طرح ابل رہے تھے، اور نوجوان ان پر وانوں کی طرح گرتے تھے اس نے زندگی کے میدان میں لوگوں سے گھل مل کر وقت گذارا ہو وہاں پیش آنے والی چیزوں کو دیکھا ہو، زندگی سے الگ تھلگ رہ کر خیالی دنیا میں وقت گذارنے والا نہ ہو تو اس پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ مسلمان ان پرآشوب گھڑیوں میں کیسی زبوں حالی کا شکار تھے اور عالم اسلام کی اس اہم خطہ میں جس کو عالم عربی کا قائد اور رہنما ہونا چاہئے تھا۔ جو صدیوں سے اسلام کے لئے سینہ سپر اور علوم اسلامیہ کا مرکز رہا۔ جس نے ہمیشہ عالم عربی کی مدد کی تھی اور اس کو سہارا دیا تھا، اور اسلامی تاریخ کی نازک ومشکل ترین گھڑیوں میں اس کو بچایا تھا، جس میں سب سے بڑا اور پرانا اسلامی وثقافتی مرکز'' جامع ازہر'' اب بھی موجود ہے دعوت اسلامی کس زبوں حالی کا شکار تھی۔

اس پرآشوب دور کو کتابوں کے ذریعہ نہیں بلکہ قریب رہ کر دیکھا ہو وہی اس شخصیت کی عظمت وانفرادیت کو سمجھ سکتا ہے، جو یکا یک پردہ کے پیچھے سے باہر آ گئی، اور پہلے مصر پھر پورے عالم عربی کو اپنی دعوت وتربیت، جہاد اور طاقت ور شخصیت کے ذریعہ اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس رجل رشید اور فرزند فرید میں ایسی قوتیں وصلاحیتیں جمع فرمادی تھیں جو انسانی نفسیات اور علم الاخلاق کے ماہرین اور متعدد نقاد ومؤرخین کے نزدیک متضاد تھیں۔ بے مثال وتابان عقل اعلیٰ درجہ کی فہم وذکاوت، ابلتا ہوا جوش وولولہ، ایمان ویقین سے لبریز دل، قوی روحانیت، فصیح وبلیغ زبان، انفرادی زندگی میں غلو وتقشف سے پاک زہد وقناعت، حوصلہ مندی وعالی ہمتی جوش وشوق فراواں سے بھرپور دل، بلند پرواز عقابی روح رکھنے والی ہمت، سحر آفریں

دور بین نگاہ، اپنی دعوت کی روح و مزاج کی حفاظت کا اہتمام ذاتی معاملات میں حد درجہ تواضع و خاکساری اور اقبال کے اس شعر کا صحیح مصداق۔ ع

نگہ بلند سخن دل نواز جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

بڑا خوش بیان بہت محبوب اور ہر دل عزیز مجھ سے بہت سے لوگوں نے بیان کیا کہ وہ روشنی کے ہلکے پرتو کی طرح تھے جس میں ناگواری وتیزی ہوتی ہے نہ سایہ وتاریکی۔ ان اعلیٰ صفات وخداداد صلاحیتوں نے ایک ایسی دینی واجتماعی قیادت کی تشکیل میں ان کی مدد کی جس سے زیادہ مؤثر وعمیق، اور نتیجہ خیز دینی وسیاسی قیادت مدت دراز سے عالم عربی میں وجود میں نہیں آئی تھی ان صفات نے ایک ایسی دینی اسلامی تحریک پیدا کردی جس سے زیادہ ہمہ گیر وفعال تحریک خصوصاً عرب ممالک میں عرصہ سے دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ یوں تو قدرتی صلاحیتوں سے مالا مال یہ داعی جامع کمالات تھا، مگر دو صفتیں اس میں ایسی تھیں جو بہت کم داعیوں مصلحین اور قائدین میں پائی جاتی ہے۔(۱)

پہلی صفت اپنی دعوت وتحریک سے غیر معمولی شغف اور اس پر کامل اطمینان وانشراح اور اس کے لئے پوری فنائیت اور اپنی ساری صلاحیتوں وتوانائیوں وسائل وطاقتوں کے ساتھ اس میں ہمہ تن مشغول رہنا۔ ان داعیوں اور قائدین کے لئے جن سے اللہ تعالیٰ کوئی بڑا کام لیتا ہے اور عمومی فائدہ پہنچاتا ہے یہ اہم اور بنیادی شرط ہے۔

ان کی دوسری اہم خصوصیت وصفت تربیت ومردم شماری کے کام میں ان کی حیرت انگیز کامیابی ہے، انہوں نے ایک نئی نسل تیار کی، وہ ایک پوری قوم کے مربی تھے۔ وہ ایک علمی، فکری اور اخلاقی مکتبۂ فکر کے بانی تھے۔ پڑھے لکھے لوگوں اور اہل منصب میں جو بھی ان کے ساتھ کچھ دن رہا ان کے فکر ورجحان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ اپنے ہم نشینوں پر ان کا اثر ایسا گہرا تھا کہ عرصہ گذر جانے اور طرح طرح کے انقلابات وتغیرات پیش آنے کے باوجود بھی ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی یہ اثر ایسا شعار وعلامت بن گیا ہے کہ زمان ومکان کی تبدیلی کے باوجود

(۱) ان عنقا صفت لوگوں میں ایک مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ (بانی جماعت تبلیغ) دوسرے ان کے لائق وہونہار فرزند اور خلف رشید مولانا محمد یوسف صاحب تھے، یہ دونوں حضرات ان دونوں چیزوں میں آخری مثال تھے۔

وہ اسی سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اس کا افسوس ہے کہ مصر یا بیرون مصر مجھے ان سے ملاقات کی سعادت نہ حاصل ہوسکی۔ پہلا سال جس میں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے حج وزیارت مقدر فرمائی تھی اور میں پہلی بار ہندوستان سے باہر نکلا تھا، وہ ۱۹۴۷ء تھا جس میں شیخ حسن البناء حجاز مقدس تشریف نہ لائے تھے۔ بلکہ وہ اس سال مصر سے باہر نہیں نکلے تھے، حالانکہ کم ایسا ہوتا کہ وہ اپنی دعوت وتحریک کے لئے رفقاء کے ساتھ حج کے موقع پر حجاز نہ آتے ہوں اور اپنی دعوت کو پھیلانے اور حج کے لئے باہر سے آئے ہوئے وجود سے ملنے کی خاص کوشش نہ کرتے ہوں۔

حجاز میں مجھے ان کے بعض شاگردوں اور کارکنوں سے ملنے کا موقع ملا اور میں نے ان کے اندر ایک زبردست قائد ومربی کے اثرات نمایاں طور پر محسوس کئے، جب ۱۹۵۱ء میں مجھے مصر جانے کا موقع ملا تو جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ ان کی عمر ابھی صرف بیالیس سال تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی شہادت نے لاکھوں مسلمانوں کو سوگوار و دل گرفتہ بنادیا۔ اور عالم اسلام اس تاریخ ساز شخصیت سے محروم ہوگیا، ان سے ملاقات نہ ہونے کا غم ہمیشہ رہے گا۔ تاہم مصر میں مجھے انکے کے شاگردوں سے ملنے کا اچھی طرح موقع ملا اور ان کے درمیان میں ایک فرد خاندان کی طرح رہا، مصر کے زمانہ قیام میں میں نے ان کے والد بزرگوار شیخ عبدالرحمان البنا سے ملاقات کی اور ان سے شیخ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں گرانقدر معلومات حاصل کیں، اور پھر اپنی کتاب ''شرق اوسط'' کی ڈائری میں اس ملاقات کا حال اور یہ قیمتی معلومات لکھیں۔ میں ان کے رفقاء اور ارکان جماعت سے بھی ملا اور ان ملاقاتوں اور معلومات سے اس دعوت کے قائد اور اس مکتب فکر کے بانی کی پوری تصویر میرے سامنے آگئی اور مجھے یقین ہے کہ سچی اور مطابق حال تصویر ہے۔

مصر کے اسی سفر میں ان کی کتاب ''مذکرات الدعوۃ والداعیۃ'' میرے ہاتھ لگی ان کی شخصیت ودعوت کو سمجھنے کے لئے میں نے اس کتاب کو ان کی ایک بنیادی کتاب اور ان کی شخصیت کی سب سے بڑی کلید پایا، اس کتاب کو پڑھنے والے ہر شخص کو ان کی عظمت وطاقت کے سرچشمہ، ان کی کامیابی اور دلوں پر ان کے اثر ونفوذ کے اسباب کا پتہ بہ آسانی لگ جائے گا۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ان کی طاقت وقوت کا اصل سرچشمہ فطرت سلیم، دل کی

پاکیزگی، روح کی بالیدگی، دینی غیرت وحمیت، اسلام کے لئے اضطراب و بے چینی، اس زمانے کے فاسد ماحول پر ان کی بے چینی اور تشویش، اخلاص وللّٰہیت عبادت کا ذوق وشوق، اور دل کے ٹارچ کو ذکر و دعا، توبہ واستغفار اور آہ سحر گاہی کے سلسل سے بھرتا تھا ان ساری خصوصیات وصفات کے ساتھ قوم کے افراد اور عوام الناس سے...... ان کی محفلوں اور مشغولیت کی جگہوں میں ملنا، غفلت کے اڈوں پر ان سے ملاقات کرنا، اور حکمت و تدبیر کے ساتھ دھیرے دھیرے ان کی تربیت کرنا ہمہ وقت متحرک اور کام میں مشغول رہنا ان کا شکار تھا۔ اور یہی ساری صفات اسلامی وربانی دعوت اور ایسی دینی تحریک کی جان ہوتی ہیں جو معاشرہ میں تعمیری واصلاحی انقلاب لانا چاہتی ہے اور وقت کے دھارے اور تاریخ کے رخ کو موڑنا چاہتی ہے۔ اس لحاظ سے دعوت واصلاح کے میدان میں کام کرنے والے ہر شخص کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا اور اس پر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے غور وفکر کرتے رہنا نہایت مفید ہے۔

اس کتاب کی دوبارہ طباعت اور لوگوں میں اس کو پھیلانے اور عام کرنے پر تعجب نہیں، قابل تعجب یہ بات ہے کہ مسلمانوں کا کوئی کتب خانہ اس کتاب سے خالی ہو، اس اہم دعوت کے اثرات کو ختم کرنے کی کوشش کرنا جس نے عالم عربی کی نئی نسل میں اسلام کی صدا بہار صلاحیت اور اس کے دائمی ہونے کا اعتماد بحال کیا، جس نے جدید نسل کے دلوں میں ایمان کی نئی چنگاری روشن کی، ان کے احساس کمتری وشکست خوردگی کا مقابلہ کیا، جس سے بڑھ کر کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا، اس دعوت نے نوجوانوں کی بے راہ روی، ان کی اندرونی کمزوری اور ہوا و ہوس کے پیچھے دوڑنے کی ذہنیت کا مقابلہ کیا اور اس کے تن نازک میں جان ڈال دی اور اقبال کے الفاظ میں۔

”کبوتر کے تنِ نازک میں شاہین کا جگر پیدا کردیا۔“

ان کی اس دعوت سے یہ جدید نسل تازہ دم ہوگئی، اس کی رگوں میں تازہ خون دوڑنے لگا اور اس نے شجاعت وجوانمردی اور صبر وثابت قدمی کا حیرت انگیز مظاہرہ کیا۔ اس تحریک کے اثرات کو ختم کرنے اور اس کے نقوش کو مٹانے کی کوشش، اور اس کے چلانے والوں کو قید وبند اور جلاوطنی کی سزائیں اور رونگٹے کھڑا کردینے والی اذیتیں، وہ بدترین جرم ہے، جس کو تاریخ اسلام کبھی معاف نہیں کرسکتی۔ یہ ایسا المیہ ہے جس کو عالم اسلام کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ یہ عالم عربی

کے ساتھ اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی اور ظلم نہیں ہوسکتا۔ اس جرم کا کفارہ ملک کے کسی بڑی سے بڑی تعمیری و سیاسی خدمت سے نہیں ادا کیا جا سکتا۔ یہ اتنا وحشت ناک جرم ہے کہ جس کی مثال صرف تا تاریوں کی وحشت و بربریت یا قدیم مسیحی دنیا کے دور تعصب میں ملتی ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقت کی سب سے نایاب جنس
مردان کار اور مخلص عاملین

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مولانا سید محمد مرتضی صاحب کے حادثہ وفات پر یہ پرسوز و پر از معلومات تقریر فرمائی تھی جس میں مولانا سید محمد مرتضی کے ساتھ مولانا کی محبت و شفقت اعتماد و تعلق اور مرحوم کے اخلاص ولگن کے ساتھ تواضع و خاکساری کا لباس پہن کر کام کی دھن کی ایک قابل تقلید مثال سامنے آتی ہے

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد o
فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم oبسم اللہ الرحمن الرحیم o

میرے رفقاء کار اور عزیزو!

آپ کو معلوم ہے کہ کئی تنظیموں سے وابستگی اور اداروں سے تعلق کی بنیاد پر مجھے مختلف موضوعات پر تقریریں کرنی پڑتی ہیں۔لیکن میں آپ کے سامنے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ سب سے مشکل موضوع تعزیت کا موضوع ہے اس کا تعلق انسان کے تعلقات سے ہے، قلب سے ہے، دماغ ہی سے نہیں قلب سے بھی ہے اور خاص طور پر تعزیت بھی ایک ایسی شخصیت کی جس سے عزیزانہ، روحانی اور خاندانی تعلق ہو،اور تعلق بھی ایک دو برس، دس بیس برس کا نہیں بلکہ دوڈھائی سوس برس کا ہو۔آپ میں سے بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ مولانا مرتضی صاحب (اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے)ان کا تعلق مولانا سید جعفر علی صاحب نقوی بستوی کے خاندان سے تھا وہ ان کے احفاد میں تھے۔

مولانا سید جعفر علی صاحب حضرت سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ کے خاص رفقا، دعوت اور

فقہائے جہاد میں سے تھے، وہ جب سرحد میں گئے جہاں حضرت سید صاحب کا قیام تھا تو سید صاحب نے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور بڑی گرمجوشی سے ملے اور وہاں جاتے سے پہلے بھائیوں میں ایک مقابلہ سا تھا کہ کون جائے، پھر معاملہ والدین پر چھوڑا گیا۔ مولانا سید جعفر علی صاحب کا انتخاب ہوا۔ اس کے لئے اور جہاد کے لئے روانہ ہوئے۔ جب صاحب کی قیام گاہ کے قریب پہنچے تو سید صاحب نے باہر نکل کر ان کا استقبال فرمایا اور بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور پھر ہمارے یہاں ہمارے خاندان کی رائے بریلی کی خیریت پوچھی اور فرمایا آپ خود گئے تھے یہ معلوم کیا۔ کیا معلوم ہوا پھر وہاں سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد خاص رہے اور حالات میں آتا ہے کہ ایک شعبہ غالبًا خط و کتابت کا شعبہ حضرت سید صاحب نے مولانا سید جعفر علی صاحب کے سپرد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کو مولانا سید جعفر علی صاحب سے کام لینا تھا اس لئے شہدا میں ان کا نام نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے شہادت کے بجائے سعدات مقدر فرمائی تھی اور دعوت کا کام مقدر فرمایا تھا چنانچہ وہ ہندوستان واپس ہوئے اور انہوں نے ایسے وسیع پیمانہ پر اور عمیق اور موثر انداز سے دعوت کا کام کیا کہ جس سے زندگیوں میں تبدیلی آگئی اور بستی سے لے کر نیپال کی سرحد تک اور نیپال کی سرحد سے بھی آگے مدارس قائم کئے اور عقائد کی اصلاح ہوئی، رسوم کی اصلاح ہوئی اور اخلاق کی اصلاح ہوئی۔ اور بالکل ایک انقلاب آ گیا، جس کو ابھی تک ضلع بستی اور اس کے آس پاس کی بستیوں کے لوگ یاد کرتے ہیں۔ بہار کی سرحد پر ایک مدرسہ ہے جو ان کا قائم کیا ہوا ہے اور اس کا ندوہ کے ساتھ الحاق ہے۔ پھر انہوں نے حضرت کی شہادت کے بعد ٹونک کا سفر بھی کیا۔ جہاں حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص متعلقین تھے۔ اور اہل خاندان کا بڑا حصہ وہاں موجود تھا۔ اور کتاب لکھی "**درمنظورة السعداء فی احوال الغذاۃ والشہداء**" جو ہمارے کتب خانہ کی زینت ہے اور سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے معتمد ترین مآخذ میں سے ہے۔

سید صاحب کے حالات میں دو کتابیں ہیں جو سب سے زیادہ معتبر ہیں اور گویا معاصرین اور رفقاء کی ہیں، ایک **منظورة السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء** مولانا سید جعفر علی صاحب کی اور دوسری وقائع احمدی شیخ محمد علی کی جو نواب وزیر الدولہ نے لکھوائی تھی

جو والی سلطنت تھے۔ نواب صاحب نے سید صاحب کے جو رفقاء میدان جہاد سے زندہ سلامت واپس آئے انہوں نے ان سے درخواست کی کہ آپ لوگ روزانہ بیٹھ کر حضرت کے حالات اوران کے بارے میں معلومات بیان کریں۔ املاء کرایا کریں ایک جماعت لکھنے والوں کی مقرر کی جو اس کو لکھے۔ وقائع احمدی کچھ تو ہمارے تعلق کی وجہ سے اور پھر مولانا مرتضیٰ صاحب کی دلچسپی اوران کی وابستگی کی وجہ سے وہ بھی کتب خانہ میں آ گئی جو ہمارے خاندان میں محفوظ تھی اور بالکل گھر کی چیز سمجھی جاتی تھی یہ تعلق اتنا مستحکم ہے کہ جن لوگوں کو اس کا تجربہ نہیں ہوا وہ اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ سید صاحب سے بیعت، دعوت اور مقصد کا تعلق ہو، اس کا اندازہ کوئی ایسا شخص نہیں کرسکتا جس نے تجربہ نہیں کیا۔ ان لوگوں کو دیکھا نہیں جن لوگوں کو سید صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا موقع مل گیا۔ اوران کے دامن سے وابستہ ہونے کا، ان کی حالت یہ تھی کہ وہ شمع کے پروانے بن گئے۔ اور وہ اخیر وقت تک بالکل دم آخر تک بلکہ آخری سانس تک ان کا دم بھرتے رہے اوراس پر فخر کرتے رہے اوراسے اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے رہے۔

مولانا مرتضیٰ صاحب سے ہمارا تعلق اس وقت ہوا جب وہ مظاہر علوم میں پڑھتے تھے اور ہمارے عزیز بھانجے مولوی محمد ثانی مرحوم (جو مہتمم دار العلوم مولانا محمد رابع کے بڑے بھائی تھے) غالباً ان کے ہم سبق تھے یا ہم زمانہ تھے بہر حال ہم نے دونوں کو ساتھ دیکھا اور دونوں میں روحانی اور خاندانی تعلق کی بناء پر اخوت پیدا ہوگئی تھی۔ ایک عقیدت مندانہ تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ پھراس کے بعد وہ یہاں آ گئے، اور ملتے رہے اوراس تعلق کو انہوں نے قائم رکھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا موقع عطا فرمایا اوراس کی توفیق دی کہ وہ یہاں آ کر اپنی زندگی اس ادارہ کے لئے وقف کر دیں۔ وہ یہاں آئے، ابتداء میں مدرس رہے پھر کتب خانہ کے لئے ان کا انتخاب ہوا، اور جیسا کہ مولوی محمد رابع نے بھی بیان کیا اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں، شہادت دیتے ہیں کہ کتب خانہ سے انہیں تعلق کتب خانہ کا نہیں گھرانہ جیسا تھا۔ ایک عزیز امانت کا تعلق تھا کہ وہ اس کو ہر طرح سے ترقی دینا چاہتے تھے اوراس میں قیمتی چیزیں اور بیش قیمت مسودات اور نایاب کتابیں جو کہ ہندوستان میں عام طور پر نہیں ملتیں، ان کو مہیا کرنے میں ان کا خاص دخل تھا۔ کتب خانہ نے ترقی ان کے دور میں کی وہ اس سے پہلے اس کو نصیب نہیں

ہوئی انہیں کے زمانہ میں یہ عمارت بنی۔

جب انہوں نے کتب خانہ کی ذمہ داری سنبھالی اس وقت سے اگر آپ مقابلہ کریں کمیت کے لحاظ سے بھی اور کیفیت کے لحاظ سے بھی تو آپ کو بہت بڑا فرق معلوم ہوگا۔ کہ پہلے کتب خانہ کی وسعت کیا تھی۔ اس میں کتابوں کی تعداد کیا تھی اور اب تعداد کیا ہے اور صرف تعداد ہی نہیں بلکہ وہ بنیادی کتابیں جن کا کتب خانہ میں ہونا بہت ضروری تھا اور بعض کتابیں تو ایسی ہیں کہ ہندوستان میں ان کا بس نام ہی نام تھا کسی نے دیکھا بھی نہیں تھا یا ان کے لئے ایڈیشن شائع ہوئے تھے تحقیق کے ساتھ اور تشیہ کے ساتھ اور تعلیق کے ساتھ اس کو کتب خانہ کے لئے مہیا کرنا اور حفاظت سے رکھنا تا کہ اساتذہ اور مدرسین پھر طلباء ان سے فائدہ اٹھا ئیں۔

کسی کتاب خانہ یا کسی ذخیرہ کتب کے لئے سب سے زیادہ بیش قیمت اور سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ وہاں اہم کتابیں جو مآخذ کا درجہ رکھتی ہیں، وہ وہاں مہیا ہوں اس سے بڑھ کر کتب خانہ کے لئے جگہ کا ہونا اور اس کے لئے بڑی عمارت کا ہونا اور نہ روشنی کا انتظام اور نہ ہوا کا انتظام کوئی چیز اتنی اہم نہیں جتنی یہ بات اور یہ بات وہی کر سکتا ہے جس کو اللہ نے علم بھی دیا ہو اور ہمدردی بھی دی ہو اور امانت کا احساس بھی دیا ہو۔ ذمہ داری کا احساس دیا ہو تو مولانا مرتضی صاحب نے کتب خانہ کو گویا مالا مال کر دیا اور چونکہ مجھے ذمہ دارانہ حیثیت سے بھی ایک تعلق تھا اس لئے معلومات ہوتی رہتی تھی کہ اب انہوں نے فلاں جگہ سے کتابیں منگوائی ہیں ،اب انہوں نے حجاز سے اپنے فرزند کے ذریعہ سے یا ندوہ کے فضلاء کے ذریعہ سے انہوں نے کتابیں مہیا کیں۔

پھر اس کے بعد ان کے اندر اللہ تعالیٰ نے تواضع ،سادگی اور جو خاندانی خصوصیات ہوتی ہیں عالی نسبی کی جو خصوصیات ہیں موروثی ، وہ سب ان کے اندر پیدا کر دی تھیں۔ دین کی خدمت کا ایک شوق اور صحیح مقصد کے لئے محنت اور جفاکشی۔

ابھی گجرات میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا جلسہ ہوا۔ بورڈ کا بارہواں اجلاس، وہ بورڈ کی پوری تاریخ میں سب سے زیادہ کامیاب اور پرازدحام اجلاس تھا، اس میں بہت بڑا حصہ اور دخل مولانا مرتضی صاحب کی کوشش کا تھا دو تین مرتبہ انہوں نے گجرات کا سفر کیا اور گجرات کے لوگ

اس بات کی شہادت دیتے ہیں میں نے خود اپنے کانوں سے سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ لوگ ان کی طرف منسوب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس جلسہ کی کامیابی میں مولانا مرتضیٰ صاحب کا بڑا دخل ہے۔ وہ خود بار بار گئے اور یہاں سے جو لوگ مفید ہو سکتے تھے مولوی عبدالقادر گجراتی، مولوی سلمان اور مولوی خالد غازی پوری خاص طور سے ان تین حضرات کو وہ لے گئے۔ اور ان کا دورہ کرایا زمین تیار کی اور ایسا جلسہ ہوا جس کی مسلم پرسنل لا بورڈ کی تاریخ میں اب تک نظیر نہیں ملتی۔ میں خود اس میں شریک تھا اس کے بعد گجرات کا ایک دورہ بھی کیا۔ وہ چونکہ دارالعلوم کے کام سے گجرات جایا کرتے تھے اس لئے وہاں سے بہت واقف تھے وہاں کون سا مدرسہ ہے یا کتنے مدرسے ہیں یہ تو بہت سے لوگ جان سکتے ہیں۔ مگر افراد میں کون کس حیثیت کا ہے۔ کس مرتبہ کا ہے اور وہاں کے لوگوں کو اس سے کتنا تعلق ہے اور اس پر کتنا اعتماد ہے اور کتنا موثر ہو سکتا ہے۔ یہ بات وہی جان سکتا ہے جو کچھ دن رہے اور اللہ نے اسے شعور بھی عطا کیا ہو اور سلیقہ بھی عطا کیا ہو اور تجربہ بھی اور پھر اس کی فکر بھی۔

تو انہوں نے وعدہ کر لیا تھا بعض مدارس اور اداروں سے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وقت تنگ ہے اور میری صحت بھی متحمل نہیں تو انہوں نے ایک دو کو حذف کیا لیکن کچھ ان کے مفاد اور کچھ دینی مفاد اور کچھ مسلم پرسنل لا بورڈ کے مفاد میں اور کچھ اس تعلق کی بنا پر جو ہم سے رکھتے تھے ان کی خواہش تھی کہ خواہ تھوڑی دیر کے لئے جایا جائے لیکن بعض مدرسوں اور مراکز میں ضروری جایا جائے چنانچہ پانچ چھ مراکز جن کا ذکر تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ کاروان زندگی کی چھٹی جلد میں آئے گا کہ وہ کہاں کہاں لے گئے۔ کہیں بنیادیں رکھوائیں، کہیں خطاب کروایا، کہیں رات گذاری اس کے بعد سورت آئے، اور پھر سورت میں انہیں کے مشورہ اور ان کی دلچسپی کی بنا پر اور عقیدت کی بناء پر مفتی عبدالرحیم لاجپوری کی خدمت میں حاضری ہوئی وہ بڑی قیمتی ملاقات تھی، پھر وہ ہمارے ساتھ بمبئی آئے اور بمبئی سے پھر ان کی واپسی لکھنؤ ہوئی۔

ان کی محنت اور کوشش کا احساس پورا پورا مولانا نظام الدین صاحب جو مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری ہیں۔ انہیں اس کا بہت احساس ہے۔ ایک سے زائد مرتبہ مجھ سے ذکر کر چکے ہیں، شکریہ ادا کر چکے ہیں اور انہیں اندازہ ہے، ان کا ٹیلی فون بھی آیا مگر ابھی براہ راست ہم سے بات نہیں ہوئی ان کو بڑا صدمہ ہوگا اور اس کے دل پر اس کا اثر پڑے گا۔ اس لئے کہ ان کو

پورا پورا احساس واعتراف تھا کہ جلسہ کی کامیابی مولانا مرتضیٰ صاحب کا بڑا حصہ تھا۔

ایک تو یہ ہے کہ سب سے بڑی نایاب جو ہے وہ اس وقت مردان کار کی ، عاملین کی اور مخلصین کی ، سب کچھ مہیا ہوسکتا ہے۔ آپ انجمن بنائیں چاہیں تو پانچ سوممبر ہو جائیں آپ چاہیں تو ہزار دو ہزار اور چند ہزار اس کے ممبر ہو جائیں ۔ سیاسی جماعتوں کو دیکھ لیجئے اور بھی بہت سے کلب ہیں ، اور بہت ساری آرگنائزیشن ہیں کہ ان کو ممبر حاصل کرنے میں کوئی وقت نہیں لیکن کسی ادارہ کو، کسی دینی مقصد کو، کسی منصوبہ کو کسی مخلصانہ اور داعیانہ منصوبہ کو اپنے فکر کے آدمی مل جائیں جن کو اس کی دھن لگی ہو، اور ان کے دل ودماغ پر چیز سوار پیوست ہو جائے وہ بالکل ایک عنقا چیز بن چکے ہیں کہ جیسے عنقا کا ملنا ضرب المثل بن گیا ہے۔ اس طرح ایسے لوگوں کا ملنا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے عنقا کی صورت میں ہمیں ایک مرد کار، مرد کامل مخلص مرد کار کا عطا کیا تھا۔ اللہ کی چیز تھی اس نے دی تھی اس نے اٹھالیا۔ اللہ تعالیٰ مالک ہے اور قادر ہے اور حقیقی مالک وہی ہے اور بہر حال اس کا فیصلہ ہر چیز سے قیمتی ہے اب اس سے زیادہ ہم کیا کہیں۔ کہ ہمارے چھوٹے سے علمی ودینی خاندان کا ایک عزیز فرد، ایک رکن، ایک وقیع رکن ہم سے جدا ہو گیا۔ ہم اس پر اپنے سے خود تعزیت کرتے ہیں آپ سے بھی تعزیت کرتے ہیں اور ایک طرح سے ہم دینی کاموں سے اور دینی اداروں سے تعزیت کرتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں اور آپ سے ہماری مخلصانہ درخواست ہے کہ آپ ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں ایصال ثواب بھی کریں اور ان کو یہاں سے جانے کے بعد بھی یاد رکھیں جب کبھی یاد آجائیں دعا کر لیا کریں اور ایصال ثواب کر دیا کریں کہ یہی ایک مسلمان کا تحفہ دوسرے کے لئے ہے۔ اس سے بڑھ کر نہ تعزیت ہے نہ شاعری ہے اور نہ کسی اور طرح سے اس کا اعتراف ہے اور ان کا شکریہ ہے، سب سے قیمتی چیز یہی ہے کہ آپ ان کے لئے دعا کریں، اور ایصال ثواب کریں۔ اس سے خود آپ کو بھی فائدہ ہوگا۔ اللہ آپ کو اس کی توفیق دے گا تو آپ کی توفیق میں اضافہ کرے گا۔ اور آپ سے کام بھی لے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین